2529

اسلام کا زرعی نظام

ذخیرہ

تالیف

جناب مولوی محمد تقی صاحب امینی

ندوۃ المصنفین دہلی

Marfat.com

سلسلۂ ندوۃ المصنفین
(۵۹)

اسلام کا زرعی نظام

اسلام کے نظامِ زراعت اور اس سے متعلقہ مباحث پر ایک مستند اور جامع کتاب جس میں تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ اسلام کے معاشی اور اقتصادی نقشے میں زراعت اور کاشتکاری کی کیا حیثیت ہے، خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں زمین کی تقسیم کن اصول کے ماتحت کی جاتی تھی اور مشترک کھیتی کی کیا صورتیں ہوتی تھیں، نیز واضح کیا گیا ہے کہ تعلیماتِ اسلام کی روشنی سے پہلے ٹیکس اور تحصیل، وصول وغیرہ کے قوانین کے نام پر جو مظالم روا رکھے جاتے تھے ان کی کس طرح اصلاح کی گئی اور کاشتکاروں کو کیسی سہولتیں دی گئیں اور افسروں کے انتخاب کے متعلق سخت قانون بنا کر رشوت ستانی اور ظلم و جبر کو کس طرح روکا گیا۔

تالیف

جناب مولوی محمد تقی صاحب امینی

ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

60669

بار اوّل

جمادی الاوّل ۱۳۷۴ھ مطابق جنوری ۱۹۵۵ء

قیمت مجلّد پانچ روپے

قیمت غیر مجلّد چار روپے

مطبوعہ اشوکا پریس دہلی

Marfat.com

فہرستِ مضامین

(۱) الاصباح ۱۱

(۱) اسلام میں اقتدارِ اعلیٰ کی بُنیاد لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ہے ۱۱
(۲) خلافت میں الٰہی حکمت عملی منعکس ہوتی ہے 〃
(۳) خلافت کے اساسی اصول ۱۲
(۴) ربوبیت کا مفہوم اور خلافت کی ذمہ داری ۱۳
(۵) خلافت امانت ہے اور خلیفہ امین اللہ ۱۴
(۶) ذرائع پیداوار کی تنظیم و تقسیم خلق اللہ کے مفاد کے پیش نظر ہوتی ہے ۱۵
(۷) ذرائع پیداوار مفادِ عامہ کے لیے ہیں تنہا خوری کے لیے نہیں ہیں 〃
(۸) مسئلہ ملکیت کا غلط تصور 〃
(۹) اسلامی نظریۂ ملکیت 〃
(۱۰) تقسیم پیداوار کی بُنیاد عدل و احسان ہے ۱۷
(۱۱) روٹی اور ملکیت کے وحشیانہ تصور سے نجات 〃
(۱۲) امین اللہ کی ذمہ داری ۱۸

(۲) زمانۂ خلافت کی آراضی کی قسمیں 〃

آراضی مفتوحہ (عہد نبوی) ۱۹

(۱) زمانۂ خلافت میں مفتوحہ زمین کی تنظیم و تقسیم مفادِ عامہ کے لحاظ سے کی جاتی تھی ۲۰
(۲) زمین کے انتظام کے سلسلہ میں خلافت کے اختیارات وسیع ہوتے تھے۔ ۲۱
(۳) قرآن حکیم نے تنظیم و تقسیم کی کوئی خاص صورت متعین نہیں کی ہے بلکہ مفادِ عامہ کے پیش نظر خلافت کے صوابدید پر چھوڑ دیا ہے ۲۳
(۴) رسول اللہ نے خیبر کا کچھ حصہ فوجیوں میں تقسیم کر دیا تھا اور بقیہ حصہ اصل باشندوں کے پاس رہنے دیا تھا۔ ۲۸
(۵) فتح خیبر کا واقعہ اور روایتی تحقیقات ۲۹
(۶) وادیٔ قریٰ کی کل زمین آپ نے اصل باشندوں کے پاس رہنے دی تھی۔ ۳۱
(۷) بنو نضیر کی کل زمین آپ نے تقسیم کر دی تھی ۳۳
(۸) بنو قریظہ کی پوری زمین آپ نے تقسیم کر دی تھی ۳۵
(۹) مکہ والوں کی کل زمین آپ نے انہی کے پاس رہنے دی تھی۔ ۳۶
(۱۰) فتح مکہ کا واقعہ اور اسلام کی عالمگیر رحمت کا مظاہرہ 〃
(۱۱) عہدِ نبوی کی تمام مفتوحہ زمینوں کا انتظام مفادِ عامہ کے پیشِ نظر کیا گیا تھا اور ذاتی مفاد پر اجتماعی مفاد کو ترجیح دی گئی تھی۔ ۴۱

(۳) آراضیِ مفتوحہ (عہد خلفاء) ۴۴

(۱) عراق و شام کی زمینیں مفادِ عامہ کے پیش نظر اصل باشندوں کے پاس رہنے دی گئی تھیں 〃

Marfat.com

(۲) آراضی کی تنظیم و تقسیم سے متعلق مجلس شوریٰ کی کارروائی اور موافق و مخالف ممبران کی تقریریں	۴۵
(۳) مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کے فیصلہ پر قاضی ابو یوسف کا تبصرہ	۵۰
(۴) عراق و شام غلبہ سے فتح ہوئے تھے یہ قول کہ کچھ حصہ غلبہ اور کچھ صلح سے فتح ہوا تھا کمزور ہے۔	۵۱
(۵) مصر فتح ہونے کے بعد اس کی زمین مفادِ عامّہ کے پیشِ نظر وہیں کے باشندوں کے پاس رہنے دی گئی تھی۔	۵۵
(۶) مصر کی زمین کے فیصلہ کے بارے میں اجلاس کی کارروائی اور موافق و مخالف کی تقریریں	″
(۷) مصر دو مرتبہ فتح ہوا ہے ایک مرتبہ غلبہ سے اور دوسری مرتبہ صلح سے اس لیے دونوں کی روایتیں صحیح ہیں	۵۷
(۸) عہد خلافت کی بقیہ تمام زمینیں مفادِ عامّہ کے پیشِ نظر اصل باشندوں کے پاس رہنے دی گئی تھیں	۵۸
(۹) مفتوحہ ممالک کی زبان، مذہب، کلچر غرض ہر شے کی حفاظت کی جاتی تھی۔	۵۹
(۱۰) ملک کے تمام افراد مراتبِ حقوق اور قواعدِ مملکت میں مساوی ہوتے تھے۔	۶۱
(۴) آراضیِ معاہدہ (عہد نبوی)	۶۳
(۱) معاہدین کی زمینیں، تجارت صنعت و حرفت غرض ہر چیز بدستور بحال رکھی جاتی تھی نہ کبھی معاہدہ کی خلاف ورزی کی جاتی اور نہ اس کے خلاف کوئی شئی طلب کی جاتی تھی۔	۶۳
(۲) نجرانیوں سے جو معاہدہ ہوا تھا خلافت کی جانب سے کبھی اس کی خلاف ورزی نہیں کی گئی،	۶۵
(۳) خفیہ سازش اور بغاوت کی وجہ سے جب انہیں دوسری جگہ منتقل کیا گیا تو تمام ممکن سہولتیں پہنچائی گئی تھیں اور زمین کے عوض زمین دی گئی تھی۔	۶۷
(۴) فدک والوں سے کبھی معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کی گئی تھی اور جب ان کی سازشوں کی وجہ سے سیاسی مصالح کی بناء پر انہیں منتقل کیا گیا تو زمین اور جائداد کی قیمت ادا کی گئی تھی۔	۶۹
(۵) رسول اللہ کے بعد فدک کی زمین اور باغ کا معاملہ اور عدالتِ اسلامی کا فیصلہ	۷۰
(۶) ایلہ والوں سے معاہدہ کے وقت جو کچھ طے ہو گیا تھا اس کے علاوہ اور کوئی شے طلب نہیں کی گئی تھی۔	۷۲
(۷) مدینہ کے قرب و جوار میں بسنے والے لوگوں سے رسول اللہ نے جتنے معاہدے کیے تھے وہ بے کم و کاست پورے کیے گئے تھے اور ہر شے کی حفاظت کی گئی تھی۔	۷۳
(۸) اہلِ مدینہ سے معاہدہ کی چند دفعات	[illegible]
(۹) تیما والوں نے اسلام کے احسان و سلوک سے متاثر ہو کر معاہدہ کر لیا تھا اس کی ہمیشہ پابندی کی گئی تھی۔	۷۹
(۱۰) اہلِ مکہ سے بھی رسول اللہ نے معاہدہ کر لیا تھا	

Marfat.com

اور ان کی منہ مانگی شرطیں منظور فرمالی تھیں لیکن بعد میں انہی کی جانب سے خلاف ورزی ہوئی جس کی بناء پر جنگ کی نوبت آئی تھی۔ ۷۹

(۱۱) مکہ کے عہد نامہ کے متعلق چند قابل غور باتیں اور اسلامی سیاستِ خارجہ کی ایک مثال۔ ۸۱

(۱۲) خلاصہ یہ کہ عہدِ نبوی میں جتنے معاہدے ہوئے تھے کسی کی خلاف ورزی نہیں کی گئی تھی اور معاہدین کی زمین و جائداد وغیرہ کی حفاظت کی جاتی تھی۔ ۸۴

(۵) آراضیِ معاہدہ (عہدِ خلفاء) ۸۵

(۱) رسول اللہ کے بعد خلفاء راشدین نے جتنے معاہدات کئے تھے وہ سب بے کم و کاست پورے کیے گئے۔ ،،

(۲) فتوحات و معاہدات کا مقصد صرف اللہ کے اقتدار کو تسلیم کرانا ——— اور ہر قسم کے امتیازات کو ختم کرکے ایک مرکز پر جمع کرنا ہوتا تھا۔ ۸۶

(۳) معاہدین و مفتوحین کی آزادی اور زمین و جائداد کی حفاظت وغیرہ سے متعلق چند قانونی دفعات۔ ۸۸

(۴) زمانۂ خلافت کے چند عہد نامے۔ ۸۹

(۵) معاہدہ مذہب، کلچر، زبان، زمین، جائداد ہر چیز کی حفاظت کا ضامن ہوتا تھا۔ ۹۲

(۶) یہودیوں کو حجاز سے اور نجرانیوں کو جزیرۃ العرب سے نکالنے کی وجہ اور اس سے متعلقہ روایت کی تشریح ۹۳

(۷) پابندیِ عہد کے چند نظائر جن کی مثال تاریخ کی دنیا میں نہیں ملتی۔ ۹۴

(۶) آراضیِ مُسلم ۹۶

(۱) مسلم کی زمینیں مفادِ عامہ کے پیش نظر انہی کے پاس رہنے دی جاتی تھیں۔ ،،

(۲) مسلم ہونے کی حیثیت سے چونکہ ذمہ داری بڑھ جاتی ہے اس لیے یہ لوگ کبھی تو خود اپنی زمینیں خلافت کے حوالہ کر دیتے تھے اور کبھی خلافت ان سے لے لیتی تھی ۹۸

(۳) مدینہ کے لوگوں نے برضا و رغبت اپنی زمینیں خلافت کے حوالہ کر دی تھیں۔ ۹۹

(۴) قوم بجیلہ کی زمینیں خلافت نے لے لی تھیں۔

(۵) حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو زمین جائداد رکھنے سے قانوناً منع کر دیا تھا۔ ۱۰۲

(۶) حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے بھی ممانعت کا یہی قانون نافذ کیا تھا ۱۰۵

(۷) زمینداری اور جاگیرداری کا تاریخی پس منظر ۱۰۶

(۱) مستقل ملکیت کا تصور کس طرح قائم ہوا۔

(۲) پہلے کاشتکار غلام ہوتے تھے۔ ۱۰۷

(۳) نظامِ محدود ملکیت کا قیام اور کاشتکار کے اختیارات ۱۰۸

(۴) نظامِ محدود ملکیت کی بگڑی ہوئی شکل جاگیری نظام کی بنیاد ہے۔ ۱۰۹

(۵) زمینداری و جاگیرداری کا بھیانک منظر اور انسانی زندگی پر طبقاتی کشمکش کا اثر۔ ۱۱۱

(۶) یونان، روم، ایشیا وغیرہ کے حالات کا مختصر جائزہ ۱۱۲

Marfat.com

(۸) اسلامی انقلاب اور آراضیِ خالصہ	۱۱۴	(۳) شریک اور پڑوسی کو حقِ شفعہ پہنچتا تھا۔	۱۳۶
(۱) زمانۂ خلافت میں قطائع صرف مفادِ عامہ کے پیش نظر دیے جاتے تھے۔	″	(۴) امدادِ باہمی کے طور پر کسی کو اپنی زمین جائداد ہبہ کردینا جائز سمجھا جاتا تھا۔	۱۳۷
(۲) زمانۂ خلافت کے قطائع کی اصلی شکل اور بعد کی بگڑی ہوئی شکل۔	۱۱۵	(۵) لفظ 'منحہ' کی تحقیق وتفصیل	۱۳۸
		(۶) لفظ 'عمریٰ' کی تحقیق وتفصیل	۱۳۹
(۳) قطائع جن زمینوں سے دیے جاتے تھے ان کی تفصیل۔	۱۱۶	(۷) عمریٰ کی شکلیں	۱۴۰
		(۸) محاقلت کی حدیثوں کی تحقیق	۱۴۲
		(۹) لفظ 'رقبیٰ' کی تحقیق وتفصیل	۱۴۳
(۴) قطائع لوگوں کو مفادِ عامہ کے پیش نظر دیے جاتے تھے جب اس کی خلاف ورزی ہوئی یا کوئی عمدہ صورت سمجھ میں آتی تو واپس لے لیے جاتے تھے	۱۱۹	(۱۰) صاحبِ زمین کو وصیت کرنے کا حق تھا۔ اور مرنے کے بعد ترکہ میں زمین جائداد کو تقسیم کیا جاتا تھا۔	۱۴۵
(۵) قطائع اُنہی لوگوں کو دیے جاتے تھے جن کا مفادِ عامہ سے تعلق رہتا تھا	۱۲۱	(۱۱) صاحبِ زمین کے اختیارات کے بارے میں شبہ کا جواب۔	۱۴۹
(۶) قطائع لوگوں کو مفادِ عامہ کے پیش نظر حسب ضرورت وصلاحیت دیے جاتے تھے۔	۱۲۲	(۱۰) بنجر زمینیں	۱۵۰
(۷) قطائع پر خلافت کے اختیارات بہ نسبت دوسری زمینوں کے زیادہ ہوتے تھے۔	۱۲۶	(۱) کس قسم کی زمینیں بنجر ہوتی تھیں ان کی تفصیل	″
		(۲) آبادکاری کی شکلیں	۱۵۱
(۸) زمانۂ خلافت کے چند اہلِ قطائع کا ذکر اور ایک مسلمہ حقیقت پر استشہاد	۱۲۸	(۳) آبادکاری کے لیے تین سال کی مہلت دینا ضروری نہیں ہے۔	۱۵۳
(۹) قطائع پر خلافت کے اختیارات کے بارے میں چند تصریحات۔	۱۳۰	(۴) آبادکاری میں وہی صورت شامل ہوتی جو زمین کے لائق اور مناسب ہوتی تھی۔	۱۵۵
(۹) صاحبِ زمین کے اختیارات	۱۳۳	(۱۱) قدرتی پیداوار والی زمینیں	″
(۱) صاحبِ زمین کو اپنی زمین وقف کرنے کی اجازت تھی۔	۱۳۴	(۱) انسانوں کی طرح حیوانوں کا انتظام بھی	
(۲) زمین کو خرید و فروخت کی اجازت تھی۔	۱۳۵	خلافت کے ذمہ ہوتا تھا۔	″

Marfat.com

(۲) چراگاہوں کا انتظام ۱۵۶
(۳) جنگلات کا انتظام ۱۵۷
(۴) نمک کی جھیل، رال، تیل کے چشمہ وغیرہ کا انتظام ۱۵۸
(۱۲) خلاصہ بحث ۱۵۹
(۱) زراعت و باغبانی ۱۶۲
(۱) زراعت تمام ترقیات کی اصل ہے اور اسی پر نظام عالم کی بنیاد ہے ،،
(۲) قرآن کریم نے زراعت و باغبانی کا نظام پیش کر کے اللہ کے وجود اور اس کی قدرت پر دلیلیں قائم کی ہیں۔ ۱۶۴
(۳) درخت لگاؤ اور پیداوار بڑھاؤ اسکیم کی طرف رسول اللہ نے بالکل انوکھے انداز میں توجہ دلائی ہے ۱۷۰
(۴) زراعت سے متعلق ایک حدیث کی تشریح اور غلط فہمی کا جواب۔ ۱۷۳
(۵) وسائل معیشت میں زراعت کا درجہ اگر عام اجناس کی زیادہ ضرورت ہو تو یہ سب میں افضل ہے۔ ۱۷۷
(۲) مزارعت ۱۸۰
(۱) زمانۂ خلافت کی مزارعت میں کسی کی حق تلفی اور نزاع کا اندیشہ نہ تھا ،،
(۲) مزارعت کی حیثیت شرکت جیسی ہوتی تھی اور فریقین دو شریک جیسے ہوتے تھے۔ ۱۸۴
(۳) مزارعت دلوں میں نیکی اور ہمدردی پیدا کرنے کا ایک ذریعہ تھی اور بہتر بات یہ سمجھی جاتی تھی کہ کسی کو کاشت کے لیے مفت زمین دے دی جائے ۱۸۵
(۴) رسول اللہ نے مزارعت کی ان شکلوں سے منع کر دیا تھا جن میں باہمی نزاع اور حق تلفی کا اندیشہ ہوتا تھا۔ ۱۸۷
(۵) امام ابوحنیفہؒ کی طرف مزارعت کی ہر شکل کو ناجائز کہنے کی نسبت غلط ہے۔ ۱۹۱
(۶) شاہ ولی اللہؒ کی تحقیق مزارعت کے جواز میں ہے ۱۹۳
(۷) مزارعت کی چند جائز اور ناجائز شکلیں ۱۹۴
(۳) اجارہ ۱۹۸
(۱) زمانۂ خلافت میں اجارہ کی حیثیت شرکت جیسی تھی۔ ۱۹۹
(۲) صحابہ و تابعین اور عام اہل علم کا فتویٰ جواز پر ہے۔ ۲۰۰
(۳) اجارہ کا معاملہ اسی وقت جائز ہے جب کسی کی حق تلفی اور نزاع کا اندیشہ نہ ہو۔ ۲۰۱
(۴) مساقاۃ ۲۰۲
(۱) مدینہ اور خیبر میں رسول اللہ نے باغات کے پھلوں کی بٹائی پر معاملہ کیا تھا۔ ،،
(۲) عام اہل علم اس کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں ۲۰۳
(۳) ممانعت کی وہی صورتیں ہیں جن میں حق تلفی و نزاع کا اندیشہ ہو۔ ۲۰۴
(۵) آبپاشی ۲۰۵
(۱) زمانۂ خلافت میں پانی مباح عام تھا نہ کسی کو روکنا جائز تھا اور نہ کسی سے ٹیکس لیا جاتا تھا۔ ۲۰۶
(۲) آبپاشی کے سلسلہ میں خلافت کی جانب سے انتظامات ۲۱۰
(۳) نہروں کی قسمیں اور اس کے احکام ۲۱۲

Marfat.com

(۴) چشموں کی قسمیں اور اس کے احکام	۲۱۷	مقررہ لگان خراجی زمین سے لیا جاتا تھا	۲۳۹	وصول کیا جاتا تھا۔	۲۶۹
(۵) تالاب، گول، نالے وغیرہ		(۹) مقررہ لگان	۲۴۱	اس سلسلہ کی دو حدیثوں کی تشریح	۲۷۱
کی قسمیں اور اس کے احکام	۲۱۹	لگان کے ہر قانون اور مقدار کی		زمانۂ خلافت میں دسواں اور بیسواں	
(۶) کنویں کی قسمیں اور اس کے احکام	۲۲۱	تعیین میں عدل و احسان کا لحاظ		حصہ لیا جاتا تھا۔	۲۷۳
(۶) حریم	۲۲۳	کیا جاتا تھا۔	״	یہ دو مختلف مقداریں اخراجات کی	
(۱) نہر کی حریم	۲۲۴	زمین، کاشتکار اور کاشتکاری کے		کمی بیشی کے لحاظ سے تھیں۔	۲۷۵
(۲) چشمہ کی حریم	۲۲۵	اخراجات محنت تینوں پر نظر رکھنا		کمی اور معافی کے قوانین میں کاشتکار	
(۳) کاریز کی حریم	״	ضروری تھا۔	۲۴۲	کی غفلت اور سستی کو دخل ہوتا تھا	۲۷۸
(۴) حوض کی حریم	۲۲۶	لگان کی کمی اور معافی کے قانون		(۱۱) زمانۂ خلافت میں کاشتکاروں	
(۵) تالاب، گول، نالے وغیرہ		میں بنیادی حیثیت سے کاشتکار		کی سہولت کی چند صورتیں	۲۸۰
کی حریم	״	کی سستی اور غفلت کو دخل ہوتا تھا۔	۲۴۵	خلافت کی جانب سے امداد کی جاتی تھی	۲۸۰
(۶) حریم سے متعلق چند احکام	۲۲۷	لگان کی کمی معافی کے قوانین		کاشتکاروں کو بیدخل نہ کیا جاتا تھا	۲۸۳
(۷) ٹیکس	۲۲۹	حکومت اور صاحبِ زمین دونوں کے		سیاسی مصلحت کی بناء پر بیدخلی	
(۱) ٹیکس کے بارے میں اسلام		لیے یکساں ہیں۔	۲۴۸	ناگزیر ہو جاتی تو خلافت انکی زمین	
سے پہلے کے حالات	״	(۹) رومی و ایرانی قانونِ لگان		خرید کر اسکی پوری قیمت ادا کرتی اور	
(۲) تیسری صدی عیسوی کا حال	۲۳۰	اور اسلامی قانون لگان	۲۵۰	ہر قسم کی سہولت پہنچاتی تھی۔	۲۸۴
(۳) چوتھی صدی عیسوی کا حال	״	عہدِ اسلامی سے پہلے کا عراق	۲۵۱	تحصیل وصول میں سختی نہ کیجاتی تھی	۲۸۵
(۴) پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی		عہدِ اسلامی کا عراق	۲۵۴	ٹیکس کے علاوہ کوئی اور چیز نہ لی	
کا حال	۲۳۱	عہدِ اسلامی سے پہلے کا شام	۲۵۹	جاتی تھی۔	۲۸۶
(۵) مظالم کی قسمیں	۲۳۳	عہدِ اسلامی کا شام	״	بیگار یا کم معاوضہ پر کام نہ لیا جاتا تھا	۲۸۸
(۸) اسلامی اصلاحات	۲۳۴	عہدِ اسلامی سے پہلے کا مصر	۲۶۱	(۱۲) زمانۂ خلافت کے افسران	۲۹۱
(۱) اسلام نے دو بنیادی اصول	״	عہدِ اسلامی کا مصر	۲۶۳	عہدہ اسی کے سپرد کیا جاتا جو اہل ہوتا تھا	״
عدل و احسان کے پیش نظر ٹیکس		مصر کے چند تاریخی واقعات	۲۶۶	تقرر سے پہلے چند اور باتیں دیکھنا	
کی دو صورتیں مقرر کی ہیں	״	(۱۰) فصل کا حصہ	۲۶۹	بھی ضروری تھیں۔	۲۹۲
فصل کا حصہ عشری زمین سے لیا جاتا تھا	۲۳۵	فصل کا حصہ ہر قسم کی پیداوار سے		محکمہ تحقیق و تفتیش	۲۹۳

Marfat.com

عرضِ حال

دنیا اس وقت ایک عجیب کشمکش اور بے اطمینانی میں مبتلا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسانیت ایک آتش فشاں پہاڑ پر بیٹھی ہوئی ہے اور اس کے نیست و نابود ہونے کے لیے صرف معمولی سے جھٹکے کی دیر ہے۔ اس ہیجان و پریشانی کے عالم میں ایک ایسے نظامِ حیات کی ضرورت ہے جو انسانیت کو اس قیامت خیز تباہی سے بچا کر عدل و رحمت کی فضا پیدا کرے۔

مفکرین و اربابِ بست و کشاد مختلف آزمائشوں کا تجربہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ تہذیب و تمدن کی اس ترقی کے باوجود اب تک انسان کوئی ایسا نظامِ حیات تلاش نہیں کر سکا ہے جو انسانوں کو مادی و روحانی دونوں مسرتوں سے مالا مال کر کے دنیا کو رحمت و عدالت، اخوت و مساوات اور ایثار و قربانی کا گہوارہ بنا دے۔

لیکن قرآن حکیم کا دعویٰ ہے کہ وہ ہدیً للناس ہے اور ایک ایسا نظامِ حیات پیش کرتا ہے جس میں روحانی و جسمانی دونوں مسرتوں کا سامان اس موزونیت و ترتیب کے ساتھ موجود ہے کہ مفکرینِ عالم اس کی مثال نہیں لا سکتے۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی دنیا نے اس کو اپنایا وہ حقیقی معنوں میں امن و شانتی اور صلح و آشتی کا گہوارہ بن گئی۔

ایسی حالت میں فطری طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ مفکرینِ عالم قرآن حکیم کی رہنمائی کی جانب کیوں نہیں متوجہ ہوتے اور اس کی زندگی پیدا کرنے والی تعلیم اور نمو بخش فضا سے کیوں محروم ہیں؟

ہو سکتا ہے اس کا جواب کسی کے نزدیک کچھ اور ہو لیکن میرے خیال میں اس کا اصلی سبب تنگ نظری، تعصب اور جہالت کا کبر ہے جو قرآن حکیم کے نام نہاد ماننے والوں اور نہ ماننے والوں میں یکساں طور پر موجود ہے۔ جس کی وجہ سے ایک طرف تو یہ ہوا کہ لوگ قرآن اور سیرت کو ماننے کا دعویٰ کرنے کے باوجود شرمناک طور پر ذلیل و خوار اور برباد ہوئے اور دوسری طرف یہ کہ دنیا یہ بھیانک منظر دیکھ کر اس روشن ہدایت سے آنکھیں بند کر کے ٹھوکریں کھاتی پھر رہی ہے۔

لیکن آج جبکہ حالات بدل چکے ہیں اور مخلص مفکرین ایک ایسی شاہراہ کی طرف رجوع ہونے کے لیے بے چین ہیں جس کو قرآن حکیم پیش کرتا ہے تو اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ریاکارانہ عقیدت کے غلاف اور تعصب کے پردے چاک کر کے قرآن کی اصلی روح اور اس کے پیش کیے ہوئے رحمت و عدالت کے پیام کو اس طرح دنیا کے سامنے پیش کیا جائے کہ اس کی افادیت انہیں خود بخود اپنی طرف کھینچ لے۔

آج اس سائنٹفک دنیا کو یہ بتانا ہے کہ اقوامِ عالم کو قرآن کس طرح انسانیت کے درجہ پر پہنچا سکتا ہے اور رسول اللہ

Marfat.com

کے پیش کیے ہوئے نظامِ حیات کی اصلی روح کیا ہے جو دنیا کو ایک پُر امن اور صالح کنبہ بنا سکتی ہے
اس میں شک نہیں کہ اب فروعی اور فرسودہ مسائل کی الجھنوں سے ہٹ کر کچھ اہلِ فکر و اہلِ قلم حضرات قرآن حکیم کی طرف متوجہ ہوئے ہیں اور ان کی طرف سے بعض ایسی کتابیں نکل رہی ہیں جن کا براہِ راست تعلق تمام زندگی کے عملی پہلو سے ہے۔ یہ دیکھ کر مجھے بھی اسلام کے "زرعی مسائل" پر قلم اٹھانے کی جرأت ہوئی، مگر ——— ایک طرف میں تھا اور دوسری طرف زندگی کی کشمکش ——— ایک طرف میری محدود قابلیت تھی اور دوسری طرف ناموزوں ماحول ——— عقل کہتی تھی تو اس قابل نہیں ہے اور عشق کہتا تھا کہ اس میں فنا ہو جانا ہی منزلِ مقصود ہے، بالآخر فیصلہ عشق کے حق میں رہا ——— بہرحال اس سلسلہ کی یہ ادنیٰ کوشش ہے اور کوشش کرتے رہنا ہی زندگی ہے۔
یہ ظاہر ہے کہ قرآن حکیم کا نزول ایک ایسے ملک میں ہوا جسے وہ خود "وادی غیر ذی زرع" کہتا ہے اور جہاں کے زرعی مسائل کچھ زیادہ وسیع اور پیچیدہ نہ تھے مگر چونکہ وہ زمان و مکان کی قید سے آزاد ہو کر ایک عالمگیر اور دائمی نظام پیش کرتا ہے اس لیے اس میں زرعی نظام کی روح اور اس کے "اساسی اصول" کا موجود ہونا لازمی ہے۔ آئندہ صفحات میں اسی کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اسی نظر سے اس کا مطالعہ مفید ہو سکتا ہے۔
اس کتاب میں بالخصوص اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ کوئی چیز بغیر معتبر سند کے پیش نہ کی جائے۔ اس سلسلہ میں متعدد کتابوں سے مدد لی گئی ہے، ان کے مصنفین کا ممنونِ احسان ہوں اور ان احباب کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے مضمون کی فراہمی اور مسودہ کی ترتیب میں میری مدد کی ہے۔ ناسپاسی ہوگی اگر اس مرحلے پر "ندوۃ المصنفین" اور اس کے بانی کا شکریہ نہ ادا کروں، اس نازک اور مشکل وقت میں ہمارے ملک کا یہ عظیم الشان علمی اور مذہبی ادارہ اگر بکمالِ حوصلہ کتاب کی اشاعت کے لیے تیار نہ ہوتا تو بظاہر یہ کوشش بروئے کار نہیں آسکتی تھی۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان سب محسنوں کو جزائے خیر عطا فرمائے اور میری اس ناچیز سعی کو شرفِ قبول بخشے۔ آمین۔

محمد تقی امینی۔ کان اللہ لہٗ۔ سبیحہ بارہ بنکی
مقیم حال چھاؤنی ناگپور (ایم۔ پی)
یکم فروری ۱۹۵۴ء

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱) الاصباح

(۱) اسلام میں اقتدارِ اعلیٰ کی بنیاد لا الٰہ الا اللہ ہے

اسلام ایک نظامِ حیات ہے جس کی بنیاد اللہ کا اقتدارِ اعلیٰ تسلیم کرنے پر ہے[1]

اس کے چند اساسی اصول یہ ہیں:

(۱) کائنات کی ہر شئے کا خالق و مالک اللہ ہے اور زمین و آسمان میں اسی کی فرماں روائی ہے[2]

(۲) اللہ الٰہ العلمین ہے اور اس کا قانون عدل و رحمت تمام مخلوق کے لیے یکساں ہے، وہ رب العلمین ہے اور ہر جاندار و بے جان کی تربیت کرتا ہے[3]

(۲) خلافت میں الٰہی حکمتِ عملی منعکس ہوتی ہے

(۳) انسان اس کا خلیفہ ہے اور خلیفہ ہونے کی حیثیت سے ایسا نظامِ حیات قائم کرنے پر مامور ہے جس میں صرف اللہ کی حکمتِ عملی

---

[1] ذٰلکم اللہ ربکم لہ الملک لا الٰہ الا ہو (۶/۳۹) ذٰلکم اللہ ربکم لا الٰہ الا ہو (۱۰۲/۶)

[2] خالق کل شیء فاعبدوہ (۱۰۲/۶) خالق کل شیء (۶۲/۳۹) للہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض (۲۸۴/۲) ولم یکن لہ شریک فی الملک (۱۱۱/۱۷) قل ان الامر کلہ للہ (۱۵۴/۳) ان الحکم الا للہ امر ان لا تعبدوا الا ایاہ (۴۰/۱۲)

[3] وھو الذی فی السماء الٰہ و فی الارض الٰہ (۸۴/۴۳) الحمد للہ رب العلمین الرحمٰن الرحیم ملک یوم الدین (۱/۱) ھل من خالق غیر اللہ یرزقکم من السماء (۳/۳۵) وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا (۶/۱۱) ان اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین (۵۸/۵۱) نحن نرزقکم وایاھم (۱۵۱/۶) کلا نمد ھٰؤلاء و ھٰؤلاء من عطاء ربک وما کان عطاء ربک محظورا (۲۰/۱۷)

Marfat.com

منعکس ہوئے

(۴) یہ حکمت عملی اللہ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ ان کی زبان میں وقتاً فوقتاً دنیا کے ہر ملک اور قوم کے سامنے پیش کی ہے

(۵) قرآن حکیم الٰہی دستور کا آخری ایڈیشن ہے جس میں اللہ کی حکمت عملی کی تشریح ہے

(۶) یہ اساسی اصول تمام الٰہی کتابوں میں بیان کیے گئے تھے لیکن زمانہ کے دستبرد سے وہ محفوظ نہ رہ سکے۔ البتہ قرآن حکیم میں وہ اپنی اصلی صورت میں آج تک مکمل طور سے محفوظ ہیں اور تمام انسانوں کے لیے قندیل راہ بنے ہوئے ہیں

(۳) خلافت کے اساسی اصول | ان حقائق کے پیش نظر خلافت الٰہیہ کے مندرجہ ذیل اصول سامنے آتے ہیں:-

(۱) انسان کی سماجی تنظیم میں اللہ ہی کی حکومت و فرمانروائی ہوگی اور اسی کا اقتدار اعلیٰ مسلم ہوگا۔

(۲) خلافت الٰہیہ کی تنظیم عالمگیر ہوگی۔

(۳) اس کی افادیت ربوبیت کے لحاظ سے ہر قوم و ملت کے لیے عام اور یکساں ہوگی۔

۱؎ انی جاعل فی الارض خلیفہ (۲/۳۰) یٰداؤد انا جعلنٰک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھوی (۳۸/۲۶) فلذٰلک فادع واستقم کما امرت ولا تتبع اھواء ھم (۴۲/۱۵)

۲؎ لکل قوم ھاد (۱۳/۷) وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر (۳۵/۲۴) وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ (۱۴/۴) شرع لکم من الدین ما وصّٰی بہ نوحاً والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم وموسٰی وعیسٰی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ (۴۲/۱۳)

۳؎ وتمت کلمت ربک صدقاً وعدلاً لا مبدل لکلمٰتہ (۶/۱۱۵)

۴؎ وما اختلف الذین اوتوا الکتٰب الا من بعد ما جاءتھم البینٰت بغیاً بینھم (۳/۱۹) فویل للذین یکتبون الکتٰب بایدیھم ثم یقولون ھٰذا من عند اللہ (۲/۷۹) انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحٰفظون (۱۵/۹) لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید (۴۱/۴۲)

Marfat.com

چونکہ اس کتاب کا کچھ تعلق نظام ربوبیت کی ایک شق نظام رزق سے ہے اس لیے اسی بحث کی طرف زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ تاکہ ربوبیت کا مفہوم اور خلیفہ کی حیثیت و فرائض متعین ہو جانے کے بعد "زرعی نظام" کی روح معلوم کرنا آسان ہو۔

(۴) ربوبیت کا مفہوم اور خلافت کی ذمہ داری

"ربوبیت" کا مفہوم یہ ہے:-

"کسی چیز کو اس کی مختلف حالتوں اور ضرورتوں کے مطابق محبت اور شفقت کے ساتھ اس طرح نشو و نما دیتے رہنا کہ وہ اپنی حد کمال کو پہنچ جائے"۔ عہ

اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ "ربوبیت" کا مفہوم صرف اسباب مہیا کر دینے پر نہیں ختم ہو جاتا، بلکہ اسباب کی تنظیم اور بخشش کا نظام بھی اس میں داخل ہے کیونکہ اللہ جو کچھ دیتا ہے ایک مقررہ نظم و عدل کے ساتھ دیتا ہے۔ بارانِ رحمت عام ہوتی ہے اور ہر شئے اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق ایک نظم کے ماتحت اس سے مستفید ہوتی ہے[1] اور یہ بات بھی کھل جاتی ہے کہ ربوبیت کا مفہوم کسی خاص شعبۂ حیات کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس میں ذہنی و جسمانی، روحانی و سماجی غرض ہر قسم و ہر شعبہ کی ترقی و نشو و نما شامل ہے

خلیفۂ رب العلمین کے لیے حتی الوسع ایسا ہی نظام قائم کرنا ضروری ہے یعنی اس کے قلمرو خلافت میں تربیت و نشو و نما کا پروگرام عالمگیر اصولوں پر ہو اور جس وقت جیسی کچھ ضرورتیں پیش آئیں ان سب کے لیے ہو تاکہ بلا تخصیص مذہب و ملت ذرائع اور مواقع سب کے لیے مہیا ہوں اور ایک مقررہ نظم و عدل کے ساتھ اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق سب مستفید ہوں۔ دراصل اسی مقصد کی تکمیل کے لیے کارساز حقیقی نے زمین و آسمان کی ہر چیز انسان کے لیے مسخر کی ہے اور تمام مخلوقات سے ممتاز و مکرم کر کے یہ "امانت" اس کے

عہ مفردات امام راغب اصفہانی میں ربوبیت کا یہی مفہوم ذکر کیا گیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "ہو انشاء الشیٔ حالا فحالا الی حد التمام ۱۲۔ از ترجمان القرآن۔

[1] انا کل شیٔ خلقنہ بقدر (۵۴) وما ننزلہ الا بقدر معلوم (۱۵/۲۱)

Marfat.com

سپرد کی ہے۔[1]

خلافت امانت ہے (۵) اور خلیفہ امین اللہ

اس بنا پر خلافت "امانت" ہوگی اور خلیفہ امین اللہ۔ خلافت مملکت کی تمام امانتوں کی نگرانی کریگی اور ان کو اس طرح تنظیم و تقسیم کریگی کہ وہ مخلوق کے لیے خدا کی صفت "رزاقی" کا مظہر بن جائے۔[2]

چونکہ خلافت الٰہی میں ہر شی کا حقیقی مالک اللہ ہے اس لیے مملکت کی ساری چیزیں افراد کو بطور "امانت" استعمال کے لیے دی جائیں اور ہر فرد کی حیثیت "امین" کی ہوگی۔

اس قسم کی تنظیم کو بروئے کار لانے کے لیے خلافت کے پیش نظر ایک معین مقصد ہوگا اور دوسرا اس مقصد کے حصول کے لیے طریق کار۔

مقصد تو یہ ہوگا کہ جس طرح اللہ اپنی تمام مخلوق کو عادلانہ طور سے روزی دیتا ہے اور اس کے نظام تنظیم و تقسیم میں تخصیص و ترجیح کی صورت نہیں پیدا ہوتی ہے، ایسے ہی خلافت کا فرض ہوگا کہ وہ اللہ کی مخلوق کے لیے سامان خورونوش مہیا کرے اور بلا تخصیص مذہب وملت حسب ضرورت وصلاحیت عدل کے ساتھ ان میں تقسیم کرے۔

اور جس طرح اللہ اپنی تمام مخلوق کے رزق کا ذمہ دار ہے اور یہ سب سامان رزق کا پھیلاؤ اسی کے کرشمۂ قدرت کا نتیجہ اور اسی کی عطا و بخشش کا نمونہ ہے، اسی طرح خلافت کا فرض ہوگا کہ وہ مفاد عامہ کے پیش نظر حسب حاجت و مصلحت اس طرح سامان رزق کی تنظیم و تقسیم کرے کہ وہ اللہ کی مخلوق کو روزی پہنچا کر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو سکے۔[3]

---

[1] وسخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض جمیعا منہ (۲۹/۱۳) ولقد کرمنا بنی اٰدم وحملنٰھم فی البر والبحر ورزقنٰھم من الطیبٰت وفضلنٰھم علیٰ کثیر ممن خلقنا تفضیلا (۷/۱۵) انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا وحملھا الانسان (۳۳/۲۲) [2] ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الیٰ اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل (۵۸/۵) وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ (۷/۲۷)

[3] ومن یرزقکم من السماء والارض ءالٰہ مع اللہ (۶۴/۲۰) وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا (۶/۱۲)

(۶) ذرائع پیداوار کی تنظیم و تقسیم خلق اللہ کے مفاد کے پیش نظر ہوتی ہے

رہ گیا طریق کار کا مسئلہ کہ اس مقصد تک پہنچنے کے لیے راستہ کونسا اختیار کیا جائے۔ تو اس سلسلہ میں خلافت کے پیش نظر صرف دو باتیں قابل توجہ ہونگی (۱) ذرائع پیداوار کی تنظیم اور (۲) پیداوار کی تقسیم۔

چونکہ مقصد متعین ہے اس لیے تنظیم و تقسیم کی شکل کے تعین میں کسی خاص الجھاؤ اور پیچیدگی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے بلکہ وہ مقصد کے پیش نظر اس طرح تنظیم و تقسیم پر مامور ہے کہ بالآخر خلق اللہ کو رزق طیب مہیا ہو سکے۔ یہ بندش نہیں ہے کہ ذرائع پیداوار افراد کے سپرد کیے جائیں یا جماعتوں کے سپرد ہوں، البتہ یہ بات ضروری ہے کہ جن کے سپرد ذرائع پیداوار کیے گئے ہیں وہ افراد ہوں یا جماعتیں ہوں حکومتِ الٰہی میں سب کی حیثیت محض "امین" کی ہوگی اور ان سب کو اسی وقت تک استعمال کا حق ہوگا جب تک وہ حصول مقصد میں خلافت کا ہاتھ بٹاتے رہیں اور ایسی فضا پیدا کرنے میں مددگار رہیں جو عام مخلوق کی خوشحالی و ترقی کی ضامن ہو۔

(۷) ذرائع پیداوار مفاد عامہ کے لیے ہیں، تنہا خوری کے لیے نہیں ہیں

بہر حال یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ خلافت الٰہی میں ذرائع پیداوار، ذاتی وقار اور اقتدار بڑھانے کے لیے کسی کے پاس نہیں رکھے جا سکتے کہ وہ تنہا یا جماعتی حیثیت سے سرچشمۂ رزق پر قابض ہو کر کمزوروں کو اپنی غلامی پر مجبور کر سکے[1]۔

اس ضمن میں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ خلافتِ الٰہی میں انفرادی و اجتماعی ملکیت کی کوئی اہمیت نہیں ہے، اصل چیز مقصد ہے۔ اگر افراد میں تقسیم کرنے سے یہ مقصد حاصل ہوتا ہے تو ذرائع پیداوار فرداً فرداً تقسیم کر دیے جائینگے اور اجتماعی طور سے کاشت کرانے

---

[1] وکم اہلکنا من قریۃ بطرت معیشتہا (۲۸/۵۵) فلما نسوا ما ذکروا بہ فتحنا علیہم ابواب کل شیٔ حتیٰ اذا فرحوا بما اوتوا اخذنٰہم بغتۃ فاذا ہم مبلسون (۶/۴۴) واذا اردنا ان نہلک قریۃ امرنا مترفیہا ففسقوا فیہا فحق علیہا القول فدمرنٰہا تدمیرا (۱۷/۱۶)

میں عام نفع ہو تو اس کے لیے بھی کوئی روک نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام خدمتِ خلق پر زیادہ زور دیتا ہے اس کی نظر میں فرائض کی اہمیت زیادہ ہے اور حقوق اس سے متعلق ہیں یعنی جس طرح اسلام کی عدالت سے ہر شخص کو یہ حق ملتا ہے کہ وہ زندہ رہے اور ضروریاتِ زندگی سے منتفع ہو اس سے زیادہ اس بات کی تاکید کی جاتی ہے کہ وہ دوسرے کو زندہ رہنے دے اور ایثار و قربانی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرے۔

(۸) مسئلہ ملکیت کا غلط تصور بدقسمتی سے ذرائع پیداوار کی تنظیم میں سب سے زیادہ اہمیت مسئلہ ملکیت کو دے دی گئی ہے۔ انفرادی و اجتماعی، عارضی و دائمی وغیرہ قسم کے مسائل ایسے تباہ کن بن گئے ہیں کہ انہوں نے انسان کو اصل مقصد سے منزلوں دور کر دیا ہے اور خلقِ خدا کی حقیقی خوش حالی و فارغ البالی اس کشمکش کی نذر ہو کر رہ گئی ہے۔ حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ عالمگیر انقلابات اور طبقاتی فسادات کی جڑ ہمیشہ یہی مسائل رہے ہیں، اور انہی کے غلط تصور نے اکثر ایسے انسانیت سوز نتائج پیدا کیے کہ ایک طرف بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے دولت و سامانِ عیش کی ناقابل تصور فراوانی ہو گئی تو دوسری طرف محنت و مشقت کے باوجود ذلت و نکبت سے اموات کا بھیانک اور لرزا دینے والا منظر!

(۹) اسلامی نظریۂ ملکیت اسلام نے اس بحث کو ایک لفظ "خلافت" سے ختم کر دیا ہے کہ کھیتی باڑی ہی کی کیا خصوصیت ہے زمین و آسمان کی ہر چیز کا حقیقی مالک اللہ ہے اور یہ ساری چیزیں بحیثیت "خلیفہ" انسان کو بطور "امانت" "استعمال" کے لیے دی گئی ہیں، اور "امین" کو ان کے استعمال کا حق اسی وقت تک ہے جب تک اس سے مفادِ عامہ میں خلل پڑنے کا اندیشہ نہ ہو، ورنہ خلافت کو اس کا جائز حق پامال کیے بغیر ہر تصرف کا اختیار دیا گیا ہے۔[1]

---

[1] وللہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض جمیعا منہ (۴۵)، ثم جعلناکم خلائف فی الارض من بعدھم لننظر کیف تعملون (۱۰)، وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ (۵۷)

اس حق استعمال اور حق انتفاع کو "ملکیت" سے تعبیر کریں تو مضائقہ نہیں ہے، اور نہ اس سے کسی اصول کلیہ پر زد پڑتی ہے بلکہ اسلام میں جہاں کہیں بھی شخصی و اجتماعی ملکیت کا ذکر ہے اس سے اسی قسم کی ملکیت مراد ہے۔

اس توضیح کے بعد اب یہ بات رہ جاتی ہے کہ پیداوار کی تقسیم کس طرح کی جائے کہ جس سے اصل مقصد حاصل ہو

(۱۰) تقسیم پیداوار کی بنیاد عدل و احسان ہے

تو اس سلسلہ میں اسلام نے دو اصول مقرر کیے ہیں (۱) عدل اور (۲) حسن عمل کی جزاء۔ ضرورت اور صلاحیت کے لحاظ سے تقسیم رزق میں عدل ہو اور "حسنِ عمل" کی بنا پر انعام و اکرام۔ تاکہ ایک طرف ہر شخص کو اس کی ضروریاتِ زندگی فراہم ہوتی رہیں اور دوسری طرف جد و جہد اور سعی و عمل کے میدان میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا جذبہ بھی سرد نہ ہونے پائے۔[1]

(۱۱) روٹی اور ملکیت کے وحشیانہ تصور سے نجات

یہ ہے "زرعی نظام" کی روح جو قرآن حکیم نے وادئ "غیر ذی زرع" سے پیش کی ہے تاکہ انسان "روٹی" اور "ملکیت" کے وحشیانہ تصور سے نجات حاصل کر کے اپنا فطری حسن و جمال اور جوہر "افادیت" نمایاں کر سکے اور زمین بہ حیثیت مجموعی "خلیفۃ اللہ" کا درجہ حاصل کر لے۔

چنانچہ خلافت الٰہی میں ایک طرف تو "ماذا ینفقون" کا جواب "العفو" ہے کہ جو کچھ ضرورت سے زائد اور مفید ہے اسے خلق اللہ کے لیے خرچ کر دو۔ اور دوسری طرف "ایاک نعبد و ایاک نستعین" کی تعلیم ہے، یعنی اس بات پر ایمان پیدا کرایا گیا ہے کہ سرچشمۂ رزق کا حقیقی مالک اللہ ہے اور اسی کے قبضۂ قدرت میں رزق کے خزانے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ اس حقیقت

---

[1] ان اللہ یامر بالعدل والاحسان (۱۶/۹۰) وما انفقتم من شیٔ فھو یخلفہ وھو خیر الرازقین (۳۴/۳۹) فالذین اٰمنوا منکم وانفقوا لھم اجر کبیر (۵۷/۷) نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوٰۃ الدنیا ورفعنا بعضھم فوق بعض درجٰت (۴۳/۳۲) ورفع بعضکم فوق بعض درجٰت لیبلوکم فیما اٰتٰکم (۶/۱۶۵)

Marfat.com

کو پالینے کے بعد "ملکیت" کی آڑ میں جور و استبداد کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے، اور نہ "روٹی" کی خاطر انسان غیر اللہ کی غلامی پر مجبور ہو سکتا ہے۔

(۱۲) امین اللہ کی ذمہ داری | چونکہ خلافت الٰہی کا خلیفہ "امین اللہ" ہوتا ہے اور خدا کی حاکمیت وجلال وجبروت کے سامنے جواب دہ۔ اس لیے وہ "جو" کے سوکھے ٹکڑے کھاتے ہوئے بھی بےچینی محسوس کرتا ہے اور لرزتا ہے کہ کہیں اس وقت مملکت کا کوئی فرد بھوکا نہ رہ گیا ہو اور اس کے متعلق رب العلمین کے سامنے جواب دہی کرنی پڑے۔

جواب دہی کا دراصل یہ وہ بنیادی و حقیقی تصور ہے کہ اس کو گوشۂ تنہائی میں بھی کسی کی معمولی حق تلفی کے خیال سے باز رکھتا ہے اور اسی کے پیش نظر وہ ذرائع پیداوار کو اس طرح استعمال کراتا ہے کہ اس سے اللہ کی مخلوق کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچ سکے اس میں سے نہ کوئی چیز بیکار رہنے پائے اور نہ ضائع ہو۔

خلاصہ یہ کہ خلافت الٰہی انسان کے لیے امانت اور رحمت و عدالت کا نظام ہے اور یہی حیات بخش اصول "زرعی نظام" کی بنیاد ہیں جن پر تاریخ کی روشنی میں تبصرہ کرنے کی ایک ادنیٰ کوشش کی گئی ہے

۲ زمانۂ خلافت کی آراضی کی قسمیں

نظام زراعت کے متعلق جب ہم تاریخ خلافت کا مطالعہ کرتے ہیں تو مندرجہ ذیل چھ قسم کی زمینیں ملتی ہیں:

(۱) فتح کی ہوئی زمینیں (۲) معاہدہ کی ہوئی زمینیں (۳) مسلم کی زمینیں

(۴) خالصہ زمینیں (۵) بنجر زمینیں (۶) قدرتی پیداوار والی زمینیں

یہاں ہر ایک قسم کی ترتیب وار تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

Marfat.com

(۳) آراضی مفتوحہ

(عہدِ نبوی)

مفتوحہ زمین سے متعلق جو قوانین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے رائج تھے نہایت ظالمانہ تھے۔ جنگوں کا مقصد ہی دوسروں کو غلام بنانا اور ان کے مال و دولت اور ذرائع پیداوار کو لوٹ کر غصب کرنا ہوتا تھا۔[1]

قرآن سب سے پہلی کتاب ہے جس نے قوانین جنگ مرتب کیے[2] اور اس دنیا پر یہ واضح کر دیا کہ جہاد بھی رحمت الٰہی کا ایک پہلو ہے جس کا نتیجہ لازمی طور سے عام انسانیت کے لیے امن و سلامتی کا پیغام ہوتا ہے۔[3]

رحمۃ للعٰلمین نے کن اصول کے ماتحت رحمت کو عام کرنے کی کوشش کی تھی، خلفاء راشدین لوگوں کے لیے کس قدر رحمت ثابت ہوئے تھے۔ مفتوحہ ممالک میں کیسا عادلانہ نظام قائم ہوا تھا، ان تمام باتوں پر قانون جنگ کی دفعات اور اس زمانہ کے تاریخی واقعات روشنی ڈالتے ہیں۔

فتح ہونے کے بعد جو سلوک مفتوحین کے ساتھ کیا گیا تھا۔ جس قدر رحمتِ الٰہی عام ہوئی تھی اور ان کے مذہب اور کلچر و زبان کی جتنی حفاظت کی گئی تھی تاریخ کا طالب علم اس سے بخوبی واقف ہے۔

عہدِ اول میں اسی کا نتیجہ تھا کہ عام طور پر لوگوں نے یقین کر لیا تھا کہ اسلام خوف و

---

[1] جمہوریہ افلاطون مقالہ پنجم

[2] "The Laws of War between Belligerents" by Percy Board Well (Callaghan & Co Chicago)

[3] وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین للہ (۲-۱۹۳)

وحشت کی طاقت نہیں ہے جس سے بھاگا جائے یا اس کا مقابلہ کیا جائے بلکہ سرتاپا نیکی و عدالت اور مجسم رحمت کا پیام ہے۔ چنانچہ اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد قوموں نے بلاوے بھیجے، شہروں نے پھاٹک کھول دیے، قلعوں نے اپنی کنجیاں آگے رکھ دیں اور وقت کی ساری مظلوم آبادیوں نے نجات دہندہ سمجھ کر اس کو خوش آمدید کہا،

(۱) زمانۂ خلافت میں مفتوحہ زمین کی تنظیم و تقسیم مفاد عامہ کے لحاظ سے کی جاتی تھی

اسلام سے پہلے دستور تھا کہ جنگ میں جو کچھ حاصل ہو بادشاہ کے مقررہ حصہ کے علاوہ سب لڑنے والوں کا حق ہے[۱] قرآن حکیم نے اس دستور کو ختم کر کے تمام مفتوحہ اشیاء کو اللہ کی ملک قرار دیا جیسا کہ اس آیت سے واضح ہے۔

یسئلونك عن الانفال قل الانفال للہ والرسول (۴) — لوگ آپ سے غنیمت کے متعلق پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجیے کہ مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا ہے

آیت کریمہ میں "انفال" سے غنیمتیں مراد ہیں، جیسا کہ ابن عباس فرماتے ہیں،

الانفال المغانم[۲] — انفال سے مراد غنیمتیں ہیں

اور رسول کا ذکر تنظیم و تقسیم کے لیے ہے کہ آپ بحیثیت خلیفہ عام مفاد کے پیش نظر قانون شریعت کے مطابق مال غنیمت لوگوں میں تقسیم کریں آپ کا ذکر ملکیت کے سلسلہ میں نہیں ہے امام بخاری نے آیت غنیمت" میں لفظ "رسول" کے متعلق جو تصریح کی ہے اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے:۔

للرسول قسم ذلك[۳] — رسول کے واسطے ہے یعنی رسول اس کو تقسیم کرے۔

اس کی مزید تائید ذیل کی روایت سے ہوتی ہے، ارشاد ہے:۔

واللہ انی لا اعطی احدًا ولا امنعہ انما انا قاسم اضع حیث امرت[۴] — خدا کی قسم نہ اپنی خواہش سے کسی کو دیتا ہوں اور نہ روکتا ہوں میں تو صرف قاسم ہوں وہیں تقسیم کرتا ہوں جہاں کا حکم دیا گیا ہوں۔

[۱] الاحکام السلطانیہ ص ۱۳۲ [۲] بخاری ج ۲ ص ۶۷۸ والاموال ص ۳۰۲ [۳] بخاری ج ۲ [۴] زاد المعاد ج ۲

Marfat.com

الغرض اسلامی نظریہ کے مطابق مفتوحہ زمین اللہ کی ملک قرار دی جاتی تھی نہ تو کسی خاص انسان کی ملک ہوتی تھی اور نہ ہی کسی خاص جماعت کی۔ اور خلیفہ "امین اللہ" ہونے کی حیثیت سے عام مفاد کے پیش نظر مندرجہ ذیل لوگوں میں تقسیم کرتا تھا۔

(۱) غازیوں میں

(۲) اصل باشندوں میں۔

چونکہ حفاظتِ ملک وقوم کی خدمت فوجیوں کے سپرد ہوتی ہے اور ابتدا میں فوجیوں کی تنخواہوں اور بھتوں وغیرہ کا کوئی انتظام نہ تھا اس لیے ان کی خدمات کے عوض مفتوحہ زمینوں کا کچھ حصہ ان کے حوالہ کر دیا گیا تھا تاکہ اس کے ذریعہ وہ اپنی معاش کے خود کفیل ہوں اور بقیہ زمین بالعموم اصل باشندوں ہی کے پاس رہنے دی جاتی تھی۔

لیکن فوجیوں کے خود کفیل ہو جانے کے بعد اس حیثیت سے زمین دینے کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا جیسا کہ رسول اللہ نے "خیبر" کے کچھ حصہ کے علاوہ جس کو اہل خیبر چھوڑ کر چلے گئے تھے تقریباً تمام مفتوحہ زمینیں اصل باشندوں کے پاس رہنے دی تھیں، اور بعد میں بھی تمام مفتوحہ زمینیں اصل باشندوں کے پاس رہنے دی گئی تھیں اور فوجیوں کو کسی میں سے کچھ نہیں دیا گیا تھا۔ تفصیلات آگے آ رہی ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ بات واضح کر دینا ضروری ہے کہ فوجیوں کو اسی زمین سے حصہ دیا جاتا تھا جو جنگ کے بعد فتح ہوتی تھیں جس کو "غنیمت" کہتے ہیں۔ اور جو زمین بغیر جنگ کیے فتح ہو جاتی جسے "فئے" کہتے ہیں وہ پوری زمین بالعموم اصل باشندوں کے پاس رہنے دی جاتی تھی اور وہی حسب سابق اس میں کاشت کرتے رہتے تھے۔

اس طرح زمانۂ خلافت میں تمام مفتوحہ زمینوں کی دو قسمیں تھیں،

(۱) غنیمت۔ وہ زمین جو لڑائی کے بعد فتح ہوئی ہو۔

(۲) فئے۔ وہ زمین جو بغیر جنگ کیے فتح ہوئی ہو۔

(۳) زمین کے انتظام کے سلسلہ میں خلافت کے اختیارات وسیع ہوتے تھے

Marfat.com

غنیمت کا انتظام دو طرح ہوتا تھا (۱) مفاد عامہ کے پیش نظر ضرورت سمجھی جاتی تو فوجیوں میں تقسیم کردی جاتی (۲) اصل باشندوں کے پاس رہنے دی جاتی۔ اور "فئے" کی پوری زمین اصل باشندوں کے پاس رہنے دی جاتی تھی۔

چونکہ مجموعی حیثیت سے دونوں قسم کی زمینیں اللہ کی ملک قرار دی جاتی تھیں اور خلافت کے انتظام و نگرانی میں ہوتی تھیں اس لیے مفاد عامہ کے خیال سے زمین کی تنظیم و تقسیم میں خلافت کے اختیارات وسیع ہوتے تھے۔ اس بارے میں فقہ کی بھی یہی تصریح ہے۔

(۱) وما غنمہ المسلمون من الارضین کان الی الامام ان یقسمہا علی ما تقسم علیہ الغنائم ان رأی ذلک حظا۔ — اور جو زمین مسلمانوں کو غنیمت میں ملے تو خلیفہ کو ملک و ملت کی فلاح و بہبودی کے پیش نظر اختیار ہے کہ اس کو ان لوگوں میں تقسیم کردے جن میں دیگر اموال غنیمت تقسیم کیے گئے ہیں۔

(۲) والیہ ان یقفہا للمسلمین — (۲) یا اس کو مسلمانوں کے لیے وقف کردے۔

(۳) وان شاء ان یمن علی اہلہا المغنومہ — (۳) یا مناسب ہو تو اصل باشندوں کے پاس بطور احسان رہنے دے۔

(۴) وان شاء ان ینقل الیہا قوما من اہل الذمۃ سواہم[1] — (۴) یا ان کے سوا انہی کے ہم مسلک دوسرے لوگوں کو وہاں منتقل کرکے زمین انکے حوالہ کردے۔

یہ تو ابتدائی تنظیم و تقسیم کے بارے میں خلافت کے اختیارات کی وسعت کا ذکر ہوا بالکل اسی طرح بعد میں بھی اس کے اختیارات وسیع ہوتے تھے مثلاً اصل باشندے زمین چھوڑ کر چلے جاتے یا مفاد عامہ میں خلل واقع ہونے کی وجہ سے کسی حصہ زمین سے انہیں بے دخل کردینا پڑتا اور کوئی صورت ایسی پیش آجاتی جس کی بنا پر عام مفادات پامال ہونے لگتے تو ان تمام صورتوں میں خلافت مفادِ عامہ کے پیش نظر بہتر تنظیم و تقسیم کی مجاز ہوتی تھی اس وقت جو

[1] مختصر الطحاوی، ص ۱۶۷

60669

Marfat.com

جو صورتیں رائج تھیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) صرف کاشت کے لیے زمین دینے میں مفادِ خلق زیادہ ہو تو خلافت کو اس کا اختیار حاصل تھا۔

(۲) قطیعہ دینے میں نفع خلق معلوم ہوتا تو اس کے لیے بھی کوئی روک نہ تھی۔

(۳) خلافت کو اس بات کا بھی حق تھا کہ کسی کو زمین دیے بغیر اپنے اخراجات سے خود کاشت کرائے اور پیداوار خود ہی لوگوں میں تقسیم کرے۔

(۴) خلافت اپنے اخراجات سے کاشت کرائے اور پیداوار سے اخراجات کی رقم نکال کر بقیہ پیداوار صاحبِ زمین کے حوالہ کر دے، جیسا کہ یحییٰ بن آدم قرشی کہتے ہیں۔

(۱) وھو الی الامام ان شاء اقام فیھا من یعمرھا ویودی الی بیت مال المسلمین عنھا شیئاً ویکون الفضلۃ لہٗ۔	خلیفہ کو اختیار ہے کہ چاہے تو آبادکاری کے لیے کسی کو زمین دے کر اس پر ٹیکس مقرر کر دے اس صورت میں ٹیکس کے علاوہ بقیہ پیداوار آبادکنندہ کی ہو گی
(۲) وان شاء انفق علیھا من بیت مال المسلمین واستاجر من یقوم فیھا ویکون فضلھا للمسلمین۔	مناسب ہو تو خلافت سرکاری خزانہ سے آباد کرائے اس صورت میں آبادکنندہ کی حیثیت نوکر یا مزدور کی ہو گی اور کل پیداوار خلافت کی ہو گی۔
(۳) وان شاء اقطعھا رجلا ممن لہ غناً عن المسلمین [1]	خلافت کو یہ بھی اختیار ہے کہ اس زمین سے کسی کو قطیعہ دے۔

اور فقہ کی یہ تصریح ہے؛

(۴) ومن کانت لہ من المسلمین ارض خراج فعجز عن عمارتھا اجرھا الامام علیہ	جس کسی مسلمان کے پاس خراجی زمین ہو اور وہ اس کو آباد نہ کرا سکے تو خلافت اپنے اخراجات

[1] الخراج یحییٰ ص ۲۲

فاخذ من اجرتها الواجب علیہ من خراجها ثم و قم باقی فضلها الیہ ؎
سے آباد کرائے اس صورت میں جو کچھ خرچ ہوا ہو پیداوار سے اسے نکال کر باقی صاحب زمین کے حوالہ کردے۔

اس سلسلہ میں ایک بات اور قابل ذکر ہے وہ یہ کہ زمانۂ خلافت میں زمین خواہ فوجیوں میں تقسیم کی جاتی یا اصل باشندوں کے پاس رہنے دی جاتی سرکاری ٹیکس اور خلافت کے عام قانون سے کوئی بھی مستثنیٰ نہ کیا جاتا تھا۔ اور صاحب زمین کو اپنی زمین پر بیع وہبہ وغیرہ کے پورے اختیارات حاصل ہوتے تھے۔ البتہ اگر مفادِ عامہ کے پامال ہونے کا اندیشہ ہوتا یا خود صاحب زمین کی حق تلفی کا خطرہ لاحق ہوجاتا تو ان دونوں صورتوں میں خلافت کو اختیارات کے محدود کردینے کا حق حاصل تھا کیونکہ خلافت انفرادی و اجتماعی دونوں قسم کے حقوق کی نگراں ہوتی تھی، اور ہر ایک کی بنیادی ضروریات پورا کرنے کی ذمہ دار بھی تفصیل آگے آتی ہے

قرآن حکیم نے کوئی خاص صورت متعین نہیں کی (۱) بلکہ مفاد عامہ کے پیش نظر اس کو خلافت کی صواب دید پر چھوڑ دیا ہے۔	مفتوحہ زمین سے متعلق قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیات میں پہلی آیت "غنیمت" کہلاتی ہے اور دوسری کو آیاتِ "فے" کہتے ہیں۔

(۱) واعلموا انما غنمتم من شیٔ فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتمٰی والمسٰکین وابن السبیل (پ ۱۰)	(۱) اور جان لو کہ جو کچھ تمہیں غنیمت میں ملے اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے اور رسول، اقربا، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔
(۲) ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القریٰ فللہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتمٰی والمسٰکین وابن السبیل کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم	(۲) جو فے اللہ نے بستی والوں سے اپنے رسول کو عطا فرمایا ہے وہ اللہ و رسول کے لیے اور اقربا، یتیم مسکین اور مسافر کے لیے ہے۔ تاکہ تم میں سے دولتمندوں کے درمیان ہی سمٹ کر نہ رہ جائے اور جو

Marfat.com

وما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب۔

کچھ رسول تمہیں دیں اس کو لے لو اور جس سے وہ منع کریں (نہ دیں) اس کو چھوڑ دو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا وینصرون اللہ ورسولہ اولئک ھم الصٰدقون۔

ان مفلس مہاجروں کے لیے بھی ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے ہوئے اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی ڈھونڈھنے کے لیے اور اللہ و رسول (دین) کی مدد کرنے کے لیے تیار

والذین تبوؤا الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم ولا یجدون فی صدورھم حاجۃ مما اوتوا ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون

اور ان لوگوں کے لیے بھی ہے جو اس گھر (مدینہ) میں ایمان لاکر مہاجرین کے پہلے سے ٹھہرے ہوئے ہیں یہ لوگ ان مہاجرین سے محبت کرتے ہیں ان کے آنے اور ان کی خاطر تواضع کرنے سے اپنے دلوں میں تنگی نہیں محسوس کرتے ہیں اور اپنی جانوں پر ان کو مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ کی نوبت آجائے اور جو لوگ اپنے نفس کو لالچ سے بچالے گئے وہی مراد پانے والے ہیں۔

والذین جاءو من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین اٰمنوا ربنا انک رءوف رحیم۔ (۱۰)

اور ان لوگوں کے لیے بھی ہے جو ان کے بعد یہ کہتے ہوئے آئے کہ اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے اے ہمارے رب مومنوں کی طرف سے ہمارے دلوں میں بیر نہ رکھ، اے ہمارے رب آپ ہی رؤف ہیں رحیم ہیں۔

Marfat.com

مفسرِ قرآن حافظ ابوبکر جصاصؒ نے "غنیمت" اور "فئی" کی ان آیتوں میں ایک اہم نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے اور اس کی تائید کے لیے اُنھوں نے محمد بن مسلمہ جو متاخرین اہلِ مدینہ میں ہیں ان کا قول نقل کیا ہے۔ ذیل میں ہم اس کا خلاصہ ذکر کرتے ہیں:

"مذکورہ آیتوں میں اللہ اور اس کے بعد رسول کے ذکر سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ رسول اللہ بحیثیت خلیفہ حالات اور مواقع کے لحاظ سے قرب و رضا کی تمام راہوں (مفادِ عامہ) میں اموال کی تنظیم و تقسیم کریں جیسا کہ آیت "فئی" کا یہ ٹکڑا "وما آتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھو" دراصل اسی حقیقت کو واضح کرتا ہے، اور حضرت جابرؓ کی ایک روایت سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے جس میں اُنھوں نے یہ کہا ہے کہ رسول اللہ صلعم اموالِ غنیمت کا پانچواں حصّہ (مفادِ عامہ کے پیشِ نظر) حقداروں میں تقسیم کیا کرتے تھے۔ آیت غنیمت میں جن کا ذکر کیا گیا ہے انہی کی خصوصیت نہ تھی۔

اس توجیہ کی بنا پر پانچ حصّے جو قرآن میں ذکر کیے گئے ہیں محض قرب و رضا کی راہوں کی اجمالی تشریح و توضیح کے لیے ہونگے تحدید و تخصیص کے لیے نہ ہونگے۔

البتہ اس صورت میں "وللرسول" اور "ولذی القربٰی" وغیرہ کے "واؤ" کو "زائدہ" کہنا پڑیگا جس کی بناء پر ممکن ہے کسی کو کچھ شبہ کرنے کا موقع ملے لیکن زبان کے ماہرین اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ کلام عرب میں بکثرت اور قرآن کریم کی دیگر متعدد آیتوں میں بھی واؤ زائدہ لائے گئے ہیں جن کا مقصد کلام میں صرف حسن و خوبی پیدا کرنا ہے اس کے علاوہ اور کوئی معنی مقصود نہیں ہیں۔ اسی طرح اس موقع پر واؤ کو زائدہ کہا جائیگا جو کلام میں محض حسن و خوبی پیدا کرنے کے لیے لایا گیا ہے[۱]۔"

دراصل قرآنِ کریم کی انہی آیات اور اسی حقیقت کے پیشِ نظر حضرت عمرؓ نے لوگوں کے اصرار کے باوجود عراق و شام وغیرہ کی زمینیں فوجیوں میں نہیں تقسیم کی تھیں اور بعد کی تمام

---

[۱] احکام القرآن للجصاصؒ۔ ج ۳ ص ۵۵ و ۶۰)

مفتوحہ زمینیں بھی تقسیم نہیں ہوئی تھیں بلکہ وہ اصل باشندوں ہی کے پاس رہنے دی گئی تھیں۔

حضرت عمر کے اس فیصلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے قاضی ابو یوسفؒ فرماتے ہیں:

"فاروق اعظم کا زمین کے نہ تقسیم کرنے کا فیصلہ محض توفیق الٰہی کا نتیجہ تھا، اور کتاب اللہ سے مکمل ہدایت حاصل ہونے کی بناء پر تھا اسی میں ملک وملت کی فلاح وبہبود مضمر تھی[1]"

قاضی صاحب کے ہمعصر یحییٰ بن آدم قرشی کہتے ہیں:

"مفتوحہ زمین کا معاملہ خلیفہ (مع مجلس شوریٰ) کی صوابدید پر موقوف ہے مناسب ہو تو فوجیوں میں تقسیم کر دے ورنہ اصل باشندوں کے پاس رہنے دے کیونکہ رسول اللہ نے بعض زمینیں تقسیم کر دی تھیں اور بعض نہیں تقسیم کی تھیں[2]"

اور ابو عبید کہتے ہیں[3]۔

"رسول اللہ نے آیت غنیمت پر عمل کر کے خیبر کو تقسیم کر دیا تھا اور حضرت عمرؓ نے آیت فے پر عمل کر کے عراق و شام وغیرہ نہیں تقسیم کیا تھا۔"

پھر آگے چل کر کہتے ہیں

فقد تواترت الآثار فی افتتاح الارضین عنوة بھذین الحکمین[3] غلبہ سے فتح کی ہوئی زمین کے ان دونوں حکموں یعنی تقسیم و عدم تقسیم کے بارے میں آثار حد تواتر تک پہنچ چکے ہیں۔

فقہ کی بھی یہی تصریح ہے:-

واذا ظھر الامام علی ارض من ارض العدو کان فیھا بالخیار ان شاء خمسھا وقسم اربعة اخماسھا بین الذین افتتحوھا وان شاء ترکھا کما ترک عمر بن الخطاب ارض السواد[4]	جب خلیفہ کو دشمن کی اراضی پر غلبہ حاصل ہو تو اس کو اختیار ہے کہ چاہے تو پانچواں حصہ نکال کر چار حصے فوجیوں میں تقسیم کر دے اور چاہے تو اصل باشندوں کے پاس رہنے دے جس طرح عمر بن خطاب نے ارض سواد کو رہنے دیا تھا۔

[1] الخراج لابی یوسف ص ۲۷ [2] الخراج لیحیی ص ۱۸ [3] کتاب الاموال ص ۶۰-۶۱ [4] مختصر الطحاوی ص ۲۸۵

(زرعی نظام)

Marfat.com

ان تمام تصریحات سے دو باتیں معلوم ہوئیں (۱) اموال منقولہ ہوں یا غیر منقولہ ان کی تنظیم و تقسیم کے بارے میں مفادِ عامہ کو دیکھتے ہوئے خلافت کے اختیارات وسیع ہوتے ہیں (۲) زمانۂ خلافت میں مفتوحہ زمین کی تنظیم و تقسیم کی کوئی خاص صورت متعین نہ تھی، بلکہ مفادِ عامہ کو سامنے رکھ کر جو صورت مناسب ہوتی وہ اختیار کی جاتی تھی۔

اب اس سلسلہ کے چند تاریخی واقعات کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیے جاتے ہیں تاکہ یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو سکے کہ رسول اللہ اور خلفاء راشدین نے زمین کی تنظیم و تقسیم میں مفادِ عامہ اور نفعِ خلق ہی کو اصل قرار دیا تھا اسی بناء پر حالات و مواقع کے لحاظ سے ان حضرات کے فعل مختلف ہوتے تھے۔

(۳) رسول اللہ نے خیبر کا کچھ حصہ فوجیوں میں تقسیم کر دیا تھا اور بقیہ حصہ اصل باشندوں کے پاس رہنے دیا تھا

مدینہ پہنچنے کے بعد رسول اللہ نے عرب کے تمام قبائل سے معاہدہ کر لیا تھا لیکن خیبر کے لوگ اکثر معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے رہتے اور دوسروں کو بھی اس پر آمادہ کرتے رہتے تھے اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی تھی کہ غزوۂ خندق میں یہ لوگ دوسروں کو ورغلا کر مسلمانوں پر چڑھا لائے تھے۔ جب کوئی چارۂ کار نہ رہ گیا اور خلاف ورزیاں حد سے تجاوز کر گئیں تو بالآخر ان سے جنگ ہوئی اور اس میں مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوئی

خیبر فتح ہونے کے بعد پوری زمین اللہ کی ملک قرار دی گئی تھی اور خلافت نے حسب ذیل طریقے پر اس کی تنظیم و تقسیم کی تھی۔

(۱) زمین کا کچھ حصہ فوجیوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔

(۲) بقیہ زمین اصل باشندوں کے پاس رہنے دی گئی تھی۔

دوسری صورت میں یہ بات طے پائی تھی کہ پیداوار میں دونوں شریک ہونگے یعنی نصف پیداوار خلافت کی ہوگی اور نصف کاشتکار کی۔

خلافت کے اس عام قانون سے بھی انہیں مطلع کر دیا گیا تھا کہ زمین در اصل اللہ کی

Marfat.com

ملک ہے اس لیے کسی فرد کی جانب سے بھی مفاد عامہ کے خلاف کوئی بات ہوئی تو خلافت کو اسے بیدخل کر دینے کا پورا اختیار ہوگا۔ جو حصہ فوجیوں میں تقسیم کیا گیا تھا وہ بھی سرکاری قانون اور ٹیکس سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا تھا، بلکہ مجموعی حیثیت سے پوری زمین خلافت کے انتظام اور نگرانی میں رکھی گئی تھی۔

(۵) فتح خیبر کا واقعہ اور اس کی روایتی تحقیقات

خیبر کے واقعہ کی تفصیل یہ ہے:

اہل خیبر کو جب اپنی شکست کا یقین ہو گیا تو وہ قلعوں میں محصور ہو گئے۔ اسلامی فوج یکے بعد دیگرے تمام قلعوں پر قبضہ کرتی گئی صرف دو قلعے "وطیح" اور "سالم" کے لوگ باقی رہ گئے۔ جب ان کو بھی اپنی شکست کا یقین ہو گیا تو رحمۃ للعلمین کی خدمت میں انہوں نے امن کی درخواست پیش کی۔ آپ نے اسلام کے نظریۂ رحمت کے پیش نظر فوراً اسے منظور فرما کر امن کا اعلان کر دیا۔

پورے خیبر پر قبضہ ہو جانے کے بعد خیبر کے کچھ لوگوں نے اس بات کی درخواست کی کہ ہماری زمینیں ہمارے ہی پاس رہنے دی جائیں۔ اس صورت میں نصف پیداوار ہماری ہوگی اور نصف خلافت کی۔

رسول اللہ نے ان کی یہ درخواست منظور فرمالی، بلکہ یہی نیک سلوک آپ نے ان لوگوں کے ساتھ بھی کیا جنہوں نے آپ سے درخواست نہیں کی تھی، یعنی ان کی زمینیں بھی نصف پیداوار کی شرط کے ساتھ انہی کے پاس چھوڑ دی گئیں۔

البتہ یہ بات سب پر واضح کر دی گئی کہ زمین پر اسی وقت تک قبضہ قابل تسلیم ہے جب تک مفادِ عامہ کی خلاف ورزی نہ ہو اور کسی جانب سے کوئی ایسی حرکت نہ پائی جائے جو نقضِ امن کا باعث بن سکے۔ ورنہ خلافت کو بیدخل کر دینے کا پورا اختیار رہے گا۔

اسلام کے نظریہ عدالت کے پیش نظر ان لوگوں کو اسی وقت دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا جن سے نقض امن اور فساد کا اندیشہ تھا، کیونکہ اگر ان کے ساتھ بھی رحمت و

Marfat.com

رافت کا سلوک کیا جاتا تو وہ انسانیت کے لیے نہ ہوتا بلکہ ظلم و شرارت کی پرورش اور اس کی حوصلہ افزائی کے لیے ہوتا۔ ظاہر ہے کہ نہ تو سچی رحمت اس کو گوارہ کرسکتی ہے اور نہ حقیقی عدالت ہی اس کو برداشت کرسکتی ہے۔

دراصل خیبر کی جو زمین فوجیوں میں تقسیم کی گئی تھی جس کا ذکر اوپر ہوچکا ہے وہ انہی منتقل شدہ لوگوں کی زمین تھی ان کے علاوہ بقیہ تمام لوگوں کی زمینیں انہی کے پاس رہنے دی گئی تھیں۔

غرض اس طرح معاہدہ ہوجانے کے بعد رسول اللہ بحیثیت خلیفہ اور حسب معاہدہ خیبر کا انتظام کرتے رہے اور اس کی آمدنی موقع و مصلحت کے مناسب لوگوں میں تقسیم کرتے رہے۔ آپ کے بعد صدیق اکبرؓ نے بھی یہی انتظام بدستور قائم رکھا۔ عہد فاروقی میں بھی کچھ دنوں یہی صورت رہی، مگر جب اہل خیبر معاہدہ کے خلاف عمل کرنے لگے اور ان کی خلاف ورزیاں حد سے بڑھ گئیں، یہاں تک کہ مسلمانوں کی جان و مال وہاں محفوظ نہ رہے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبداللہ بن عمر کسی ضرورت سے خیبر تشریف لے گئے تو ان لوگوں نے انہیں بلاوجہ مار پیٹ کر زخمی کردیا جس کی بنا پر نقض امن کا زبردست اندیشہ ہوگیا اس لیے انہیں ملک شام کی طرف منتقل کردیا گیا، اس کے بعد بقیہ زمین بھی دوسروں میں تقسیم کردی گئی۔

مطلب یہ ہے کہ پورا خیبر غلبہ سے فتح ہوا تھا اور نفع خلق کے پیش نظر زمین کی تنظیم و تقسیم کی جو صورت ہوسکتی تھی وہ اختیار کی گئی تھی۔

بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ پورا خیبر غلبہ سے فتح نہیں ہوا تھا بلکہ اس کا کچھ حصہ غلبہ سے اور کچھ صلح سے فتح ہوا تھا۔

اس اختلاف کی اصل وجہ یہ ہے کہ خیبر کا اکثر حصہ غازیوں میں تقسیم نہ ہوا تھا بلکہ اسے اصل باشندوں کے پاس رہنے دیا گیا تھا، جس کو دیکھ کر غالباً بعضوں نے سمجھا کہ یہ علاقہ

Marfat.com

صلحاً ملا تھا، حالانکہ یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ پورا خیبر غلبہ سے فتح ہوا تھا۔
چنانچہ واقعۂ خیبر کی تمام روایتوں کی روشنی میں ابوعبیدہ کا فیصلہ ہے۔

لان خیبرا خذت عنوۃ — کیونکہ خیبر غلبہ سے فتح کیا گیا تھا۔

زیلعیؒ نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔

اس کے علاوہ خیبر کی آمدنی کے تقسیم کے بارے میں بھی بعض روایتیں بظاہر مختلف نظر آتی ہیں۔ اس اختلاف کی اصل بنیاد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی حاصل شدہ آمدنی کے کئی حصے کیا کرتے تھے اور ایک ایک حصہ میں اس کے کئی کئی مصرف شامل ہوتے تھے اس لیے کسی راوی نے ہر ایک حصہ کو مع اس کے مستحقین کے تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا اور کسی نے بعض کا تذکرہ کیا اور بعض کو چھوڑ دیا۔

چونکہ رسول اللہ کے حصہ میں کئی مصرف شامل ہوتے تھے اس لیے کسی راوی نے صرف آپ کی طرف منسوب کر کے سب کو شامل کر لیا اور کسی نے ہر ایک کو الگ الگ بیان کیا اس طرح نہ تو ایک راوی دوسرے راوی کے خلاف بیان کرتا ہے اور نہ وہ غلط کہتا ہے۔ اسی بنا پر مورخین اس اختلاف کو کوئی اہمیت نہیں دیتے[1]

وادی القریٰ کی کل زمین اصل باشندوں کے پاس رہنے دی گئی تھی (۶)	وادی القریٰ شام اور مدینہ کے درمیان خیبر کے راستہ پر یہودیوں کی آبادی تھی۔ پہلے یہاں قوم ثمود آباد تھی، ان کی ہلاکت کے

بعد یہودی آباد ہو گئے تھے۔ وادی القریٰ فتح ہونے کے بعد اراضی و نخلستان وغیرہ اصل باشندوں کے پاس رہنے دیے گئے اور ویسا ہی معاملہ کیا گیا جو خیبر والوں کے ساتھ مذکور ہو چکا ہے یعنی خلافت کے عام قانون سے انہیں مطلع کر دیا گیا تھا کہ زمین اللہ کی ملک ہے اور کسی جانب سے مفادِ عامہ کے خلاف کوئی حرکت ہوگی تو خلافت کو بیدخل کر دینے کا پورا اختیار حاصل ہوگا اور یہ

[1] واقعہ خیبر کی تحقیق و تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو نصب الرایہ۔ ج ۳ کتاب السیر۔ ابوداؤد باب حکم ارض خیبر کتاب الاموال صفحہ ۵۹ و ۵۶۔ کتاب الخراج یحییٰ بن آدم قرشی ص ۲۷، ۳۶، ۳۸، ۳۹ و ۴۱ و ۴۳۔

Marfat.com

بات طے پائی تھی کہ نصف پیداوار خلافت کی ہو گی اور نصف کاشتکار کی ہو گی۔

اصل واقعہ یہ ہے:۔

رسول اللہ ۷ھ میں خیبر سے فارغ ہو کر وادی القریٰ تشریف لائے اور ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی یہ لوگ بجائے مصالحانہ گفتگو کے جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ بالآخر ان سے جنگ ہوئی اور اس میں مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوئی[1]

وادی القریٰ کے بارے میں قاضی عیاضؒ کا یہ قول ہے:

وکذالک ثلث ارض وادی القریٰ اخذہ فی الصلح حین صالح اھلھا الیھود[2] — وادی القریٰ کی ثلث زمین جو مصالحت کے وقت طے ہوئی تھی وہ بھی رسول اللہ (خلافت) کے لیے "خالصہ" تھی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں سے مصالحت ہو گئی تھی اور ابو عبیدؒ وغیرہ کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ ان سے جنگ ہوئی تھی اور جنگ کے بعد فتح حاصل ہوئی تھی۔

لما فرغ النبی صلی اللہ علیہ وسلم من خیبر سنۃ سبع توجہ الی وادی القریٰ فدعاھم الی الاسلام فامتنعوا علیہ وقاتلوہ ففتحھا عنوۃ وغنم اموالھا وکان ذالک فی جمادی الاخریٰ[3] — جب رسول اللہ ۷ھ میں خیبر سے فارغ ہوئے تو جمادی الاخریٰ میں آپ نے وادی القریٰ کی طرف رخ کیا اور وہاں لوگوں کو اسلام کی دعوت دی لیکن وہ لوگ جنگ پر آمادہ ہو گئے اور اس میں مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوئی اور ان کا مال غنیمت میں ملا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں سے پہلے مصالحت ہو گئی تھی اور اس میں یہ بات طے ہو گئی تھی کہ زمین کی تہائی پیداوار خلافت کی ہو گی اور بقیہ کاشتکار کی لیکن جب یہ لوگ اس صلح پر قائم نہ رہے اور دوبارہ ان کو ادھر توجہ دلائی گئی تو جنگ پر آمادہ ہو گئے۔

---

[1] کتاب الاموال ص ۳۰۵ و فتوح البلدان ج ۱۔ [2] نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۹۲
[3] حاشیہ کتاب الاموال ص ۳۰۵

Marfat.com

(۷) آنحضرتؐ نے بنو نضیر کی کل زمین تقسیم کردی تھی

بنو نضیر نامی یہودیوں کا ایک قبیلہ مدینہ میں رہتا تھا۔ یہ لوگ زمین جائداد چھوڑ کر چلے گئے تھے اس طرح ان کے اموال بلا جنگ وجدل خلافت کے انتظام میں آ گئے تھے۔ قرآن کریم کی اس آیت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ملتا ہے:

هو الذی اخرج الذین کفروا من اهل الکتٰب من دیارهم لاول الحشر (پ ۲۸) — اللہ ہی ہے جس نے پہلی مڈبھیڑ ہوتے ہی اہل کتاب میں سے جو کافر تھے انہیں نکال باہر کیا

ان کے چلے جانے کے بعد رسول اللہ نے ان کی زمینیں مسلمانوں میں تقسیم کر دیں۔ ابوبکرؓ، زبیرؓ، عبدالرحمٰن بن عوف، ابو دجانہؓ کو انہی زمینوں سے قطائع دیئے[۱]۔ جیسا کہ یحییٰ بن آدم قرشی کہتے ہیں:

ثم قسم رسول الله ارض بنی النضیر وارض بنی قریظة ولم یقسم فدك[۲] — پھر رسول اللہ نے بنو نضیر اور بنو قریظہ کی زمین تقسیم کردی اور فدک آپؐ نے نہیں تقسیم کیا تھا۔

پھر کہتے ہیں "رسول اللہ نے بنو نضیر کے اموال کو مہاجرین اور بعض انصار میں تقسیم کر دیا تھا آیت ما افاء الله علی رسوله منهم فما اوجفتم الخ (پ ۲۸) میں جس مال کے بلا جنگ وجدل ملنے کا ذکر کیا گیا ہے وہ بنو نضیر کا مال ہے اور لکن الله یسلط رسله علی من یشاء الخ میں رسول اللہ کے تسلط کا یہ مطلب ہے کہ وہ آپ کے لیے خالصہ ہے (پیغمبر کے تسلط سے مراد آپ کی جماعت کا تسلط ہے۔ نہ کہ شخصی کیونکہ پیغمبر کی غرض عام مفاد ہوتی تھی نفسی وذاتی نہ ہوتی تھی"[۳]

چنانچہ جب بنو نضیر کے اموال پر قبضہ ہو گیا تو رسول اللہ نے مہاجرین اور انصار سب کو جمع کر کے انصار سے خطاب فرمایا کہ دیکھو تمہارے مہاجرین بھائیوں کے پاس مال و دولت کچھ نہیں

---

[۱] فتوح البلدان۔ ج ۱۔ وابن سعد۔ ج ۲۔ وابن ہشام ص ۶۵۲ [۲] الخراج لیحییٰ۔ ص ۳۱۔ وفتوح البلدان ج ۱ [۳] الخراج لیحییٰ۔ ص ۳۴۔ [۴] ایضاً

ع اس روایت میں ایک راوی محمد بن سائب کلبی ابوالنضر ہے۔ جس پر ناقدین نے جرح کی ہے اور اس کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن اس مضمون کی تائید دوسری مستند روایتوں سے ہوتی ہے۔ اس لیے یہ مضمون صحیح مانا جاتا ہے ملاحظہ ہو الخراج لیحییٰ ص ۳۸ فتوح البلدان ج ۱۔ بخاری وابوداؤد ۱۲۔

Marfat.com

ہے وہ سب لٹ لٹا کر یہاں (مدینہ) پہنچے ہیں اگر تم چاہو تو یہ بنو نضیر کا مال اور جو کچھ تمہارے پاس تمہارا ذاتی مال ہے اس سب کو اکٹھا کر کے تم سب میں تقسیم کر دیا جائے، اور یا یہ کرو کہ اپنا مال اپنے پاس ہی رکھو لیکن یہ مال مہاجرین میں تقسیم کر دیا جائے۔

انصار نے جواب میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ مال تو آپ پورا انہی میں تقسیم کر دیجیے اور ہمارے پاس کے اموال میں سے جو آپ چاہیں ان لوگوں کو دے دیجیے آپ کو اس میں بالکلیہ اختیار ہے۔[1]

مدینہ میں رسول اللہ نے بھائی چارہ (Brather hood) اور ایثار قربانی کا جو نمونہ قائم کیا تھا اس کی نظیر تاریخ کی دنیا میں نہیں ملتی، ہر ایک دوسرے کے واسطے ہر وقت مال و دولت قربان کرنے کے لیے تیار رہتا تھا اور دوسرے کی ضرورت کو اپنی ضرورت سمجھتا تھا۔ جیساکہ قرآن کریم کی اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے۔

ویوثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ (۵۹) — یہ لوگ فقر و تنگی کی حالت میں بھی اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔

جن احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اموال بنی نضیر رسول اللہ کے لیے "خالصۃ" تھے ان کا مطلب یہ ہے کہ آپ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے اس کے "امین" اور منتظم تھے، موقع او محل کے لحاظ سے اس میں تصرف کرتے تھے کسی کا خصوصیت کے ساتھ کوئی حق نہ تھا بلکہ تمام لوگ اس میں برابر کے شریک تھے۔

بنو نضیر کا واقعہ یہ ہے:

ابتداءً ان لوگوں سے معاہدہ ہو گیا تھا کہ دیت (خوں بہا) کے معاملہ میں وہ مسلمانوں کی مدد کرینگے۔ واقعۂ بدر کے چھ ماہ کے بعد بنو نضیر کے حلیف نے دو آدمی قتل کر دیے۔ اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے اور معاہدہ کے مطابق دیت کے معاملہ

[1] الخراج لیحییٰ۔ ص ۳۴۔

Marfat.com

میں ساتھ دینے کو کہا۔ اس پر ان لوگوں نے زبانی بدعہدی پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ بالاخانہ سے چکی کا پاٹ گرا کر رسول اللہ کا کام تمام کر دینے کی سازش کی۔ اس سازش کا حال معلوم ہونے کے بعد آپ واپس آگئے اور غداری کے جرم میں حسب معاہدہ آپ نے انہیں شہر چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ ان لوگوں نے حکم ماننے سے انکار کیا اور آمادۂ پیکار ہو گئے، اس طرح انہی لوگوں کی جانب سے جنگ کی ابتدا ہوئی۔

اس کے بعد مسلمانوں نے ان پر فوج کشی کر کے ان کا محاصرہ کر لیا اور یہ محاصرہ پندرہ دن تک جاری رہا، آخر یہ صلح پر راضی ہوئے اور رسول اللہ سے کہا کہ ہم اس شرط پر آپ کا شہر چھوڑ دینے کے لیے تیار ہیں کہ آپ ہماری چیزوں میں ہتھیار اور زرہ اور ہر اس سامان کے لیجانے کی اجازت دیجیے جس کو ہم اونٹ پر لیجا سکیں۔ رسول اللہ نے ان کی یہ شرط منظور فرما کر مطلوبہ سامان انہیں لیجانے کی اجازت دے دی۔ اس طرح ان کی زمینیں وغیرہ جو مدینہ کے ارد گرد تھیں خلافت کے انتظام میں آکر تقسیم کی گئی تھیں[1]۔

(۸) بنو قریظہ کی پوری زمین آپ نے تقسیم کر دی تھی بنو قریظہ نامی یہودیوں کا ایک قبیلہ مدینہ میں رہتا تھا ان کی زمینیں خلافت کے انتظام میں آکر انہی کے قبیلہ کے ایک شخص حضرت سعدؓ کے فیصلہ کے مطابق مسلمانوں میں تقسیم کر دی گئی تھیں۔

قرآن کریم کی اس آیت میں غالباً انہی کا ذکر ہے:

واورثکم ارضھم ودیارھم واموالھم اللہ نے ان کی زمین، مکان، اموال کا تمہیں وارث بنا دیا۔

معمرؒ کہتے ہیں "میں نے زہریؒ سے پوچھا کہ کیا بنو قریظہ کے پاس زمینیں بھی تھیں" انہوں نے کہا "ہاں تھیں" رسول اللہ نے مسلمانوں میں ان کو تقسیم کر دیا تھا[2]۔

ان لوگوں سے مصالحانہ مراسم پہلے ہی قائم ہو چکے تھے لیکن جنگ احزاب کے دن شرائط

---

[1] کتاب الاموال ص ۸ - و فتوح البلدان ج ۱ و ابن سعد ج ۲ و ابن ہشام ص ۶۵۲ - [2] فتوح البلدان ج ۱

صلح کی مخالفت کر کے انہوں نے دشمنوں کو مدد دی اور اس طرح معاہدہ توڑ کر نقض امن کے باعث بنے اس لیے مسلمانوں نے "احزاب" سے فارغ ہو کر ان کا محاصرہ کر لیا اور تقریباً پچیس دن تک یہ محاصرہ جاری رہا۔

اس درمیان میں ان سے بار ہا کہا گیا کہ رسول اللہ نظریۂ رحمت کے پیش نظر جو کچھ فیصلہ کر دیں اس کو منظور کر لو لیکن یہ لوگ اپنی ضد اور اصرار پر برابر اڑے رہے بالآخر انہوں نے اس بات پر رضامندی ظاہر کی کہ حضرت سعدؓ جو انہی کے قبیلہ کے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے جو کچھ کہہ دیں وہ ہم کو منظور ہے۔

الغرض حضرت سعدؓ نے منجملہ اور باتوں کے ان کی اراضی تقسیم کر دینے کا فیصلہ کیا اس طرح ان کی زمینیں خلافت کے انتظام و نگرانی میں آکر تقسیم کر دی گئی تھیں[1]

(۹) مکہ والوں کی کل زمین آپؐ نے انہی کے پاس رہنے دی تھی

مکہ فتح ہونے کے بعد حسب قانون خلافت تمام زمینیں اللہ کی مِلک قرار دی گئی تھیں اور خلافت کے انتظام میں آکر اصل باشندوں کے پاس رہنے دی گئی تھیں[2] حتیٰ کہ مسلمان مہاجرین جو مکہ سے اُجڑ کر مدینہ گئے تھے اور ان کی زمین جائداد پر اہل مکہ نے قبضہ کر لیا تھا فتح ہونے کے بعد جب ان لوگوں نے رسول اللہؐ سے زمین جائداد واپس دلانے کی درخواست کی تو آپ نے اس کو بھی غالباً اس خیال سے نامنظور فرما دیا کہ جن چیزوں کو تم اللہ کے لیے چھوڑ چکے ہو اب ان کی واپسی کا کیوں مطالبہ کرتے ہو[3]

(۱۰) فتح مکہ کا واقعہ اور اسلام کی عالمگیر رحمت کا مظاہرہ

فتح مکہ کا اصل واقعہ یہ ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء کار تیرہ سال تک مسلسل مکہ والوں کی طرف سے طرح طرح کی تکالیف اور مشقتیں سہنے کے بعد وہاں سے تین سو

---

[1] بخاری ج ۲ - و مسلم ج ۲ - و الاموال ص ۱۲۹ - [2] الاموال ص ۶۷ و الخراج لابی یوسف ص ۵۸

[3] زاد المعاد ج ۱ ص ۳۲۰ -

Marfat.com

میل کے فاصلہ پر جب مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں بھی ان لوگوں نے چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ اور آپ کے خلاف مختلف قسم کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں جاری رکھیں جن کا اجمالی ذکر یہ ہے:

(۱) مدینہ والوں کو آپؐ کے خلاف اکسایا اور یہ کہا کہ ان لوگوں کو مدینہ سے نکال باہر کردو، ورنہ ہم سب لوگ تم پر (مدینہ پر) یکبارگی حملہ کردیں گے۔

(۲) جن لوگوں سے رسول اللہؐ نے معاہدہ کرلیا تھا، خفیہ طریقہ پر ان کو توڑ کر مسلمانوں کو ستیاناس کر دینے کی دھمکی دی اور جنگ کا بازار گرم کردیا۔ چنانچہ مسلمانوں اور مکہ والوں کے درمیان کئی جنگیں ہوئیں اور سب میں حملہ آور کی حیثیت مکہ والوں کی تھی۔

(۳) رسول اللہؐ کے قتل کے لیے خفیہ طریقہ پر عمیر بن وہب نامی ایک شخص کو بھیجا جس کی تلوار زہر سے بجھی ہوئی تھی۔

(۴) قبیلہ عضل اور قارہ کو اپنے ساتھ ملا کر دس مبلغین اسلام کو ان قبیلوں میں بغرض تبلیغ بلوا کر انہیں قتل کرادیا۔

(۵) ایک اور موقع پر ملک نجد کی تعلیم و ہدایت کے لیے ستر منتخب معلمین اسلام بلائے گئے اور بے دریغ انہیں قتل کردیا گیا۔ یہ بھی مکہ والوں کی سازش کا نتیجہ تھا۔

(۶) بالآخر ۶ھ میں حدیبیہ مقام پر رسول اللہؐ نے اہل مکہ سے معاہدہ کرلیا (تفصیل آگے آرہی ہے) جس میں منجملہ اور دفعات کے ایک دفعہ یہ بھی تھی:

"دس سال تک جنگ نہ ہوگی اور اس اثنا میں تمام قبیلوں اور علاقہ کے لوگوں کو اختیار ہوگا کہ جس کے ساتھ چاہیں وہ مل جائیں اس سلسلہ میں کسی طرف سے کوئی رکاوٹ نہ ہوگی۔"

چنانچہ اسی دفعہ کے مطابق قبیلہ بنو بکر کے لوگ قریش (مکہ والوں) سے مل گئے تھے اور قبیلہ بنو خزاعہ کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل گئے تھے۔

اس معاہدہ کو ابھی دو سال بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کردیا اور مکہ والوں

Marfat.com

نے معاہدہ کے خلاف بنو بکر کو اس موقع پر اسلحہ کی سپلائی کی، اور مشہور سرداران قریش مثلاً عکرمہ بن ابو جہل، صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو (معاہدہ پر اسی کے دستخط تھے) مع اپنے حوالی و موالی کے خود نقاب پوش ہو کر بنو بکر کے ساتھ بنو خزاعہ پر حملہ آور ہوئے[1]

بنو خزاعہ نے مکہ والوں سے امان مانگی، حتیٰ کہ خانۂ کعبہ میں بھاگ کر پناہ بھی لی جس کے بعد پھر جنگ کا سوال ہی نہ رہ جاتا تھا، لیکن ان ظالموں نے ہر جگہ ان کو تہ تیغ کیا، اور یہ مظلوم جب الٰھك، الٰھك (اپنے خدا کے واسطے) کہہ کر رحم کی درخواست کرتے تھے تو ان ظالموں کی طرف سے یہ جواب ملتا تھا لا الٰہ الیوم (آج خدا کوئی نہیں ہے[2])

اس ظالمانہ اور سفاکانہ حملہ میں بڑی مشکل سے بھاگ کر بنو خزاعہ کے کل چالیس آدمی بچ سکے اور رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی مظلومی و بربادی کی داستان سنائی اور معاہدہ کے مطابق امداد کے خواہاں ہوئے۔

ان میں کے ایک فرد عمرو بن سالم خزاعی نے ایک پر درد نظم اپنی پوری داستان کے سلسلہ میں کہی ہے جس کے چند اشعار یہ ہیں:-

ان قریشا اخلفوك الموعدا ۔۔۔ ونقضوا میثاقك الموكدا
وجعلوالی فی کداء رصدا ۔۔۔ وزعموا ان لست ادعوا احدا
وھم اذل واقل عددا ۔۔۔ ھو بیتونا بالوتیر ھجدا
فقتلونا رکعا وسجدا[3]

ترجمہ: قریش نے آپ سے وعدہ خلافی کی۔ جو مضبوط معاہدہ انہوں نے آپ سے کیا تھا اس کو توڑ ڈالا۔ انہوں نے خشک گھاس کی طرح ہمیں پامال کر دیا ان کا یہ خیال ہے کہ ہماری امداد کو کوئی نہیں آئیگا۔ وہ لوگ ذلیل ہیں اور تعداد کے لحاظ سے کم ہیں، انہوں نے وتیر (چشمہ کا نام جہاں یہ آباد تھے) میں رات کو سوتے وقت ہمارے اوپر حملہ کیا۔ ہم کو رکوع

[1] تاریخ طبری [2] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۰۱ [3] طبری و سیرت ابن ہشام از رحمۃ للعالمین للقاضی سلیمان

Marfat.com

اور سجدہ کی حالت میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس وقت بنو خزاعہ سے رسول اللہ نے معاہدہ کیا تھا وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے، ممکن ہے ان میں کے بعض افراد نے بعد میں اسلام قبول کر لیا ہو جس کی بناء پر اشعار میں رکوع و سجود کا ذکر کیا ہو۔

اس حادثۂ جانکاہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاہدے کی پابندی کے خیال سے اور فریق مظلوم کی داد رسی کی غرض سے اور حلیف قبیلوں کی آئندہ حفاظت کی غرض سے دس ہزار کی فوج لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں ابوسفیان اور عبداللہ بن ابو اُمیہ (یہ دونوں رسول اللہ کو مکہ میں قیام کے زمانہ میں سخت ایذائیں دے چکے تھے) سے ملاقات ہوئی اور ان دونوں کو آپ نے امان دی۔

مکہ پہنچ کر آپ باہر خیمہ زن ہو گئے اور اہل مکہ کو باخبر کرنے کے لیے اس زمانہ کے دستور کے مطابق لشکر میں الاؤ روشن کرنے کا حکم دیا۔

دوسرے دن صبح کے وقت فوج کو مختلف راستوں سے داخل ہونے کا حکم دیا اور ان احکام کی پابندی کرنے کی تاکید فرمائی۔

(۱) جو شخص اپنے گھر کے اندر بیٹھ رہے اُسے امن ہے۔

(۲) جو شخص ہتھیار پھینک دے اُسے امن ہے۔

(۳) جو شخص خانہ کعبہ کے اندر داخل ہو جائے اسے امن ہے

(۴) جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امن ہے

(۵) جو شخص حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے اُسے امن ہے

(۶) قیدی کو قتل نہ کیا جائے

(۷) زخمی کو قتل نہ کیا جائے

(۸) بھاگ جانے والے کا پیچھا نہ کیا جائے۔

Marfat.com

فوج کے تمام دستے بلامقابلہ شہر میں داخل ہو گئے البتہ خالد بن ولید کے ماتحت دستے سے کچھ مقابلہ ہوا تھا جس میں اہل مکہ تھوڑی دیر کے بعد بھاگنے پر مجبور ہوئے تھے۔ دنیا کی حکومتیں فتوحات کے وقت بڑے طمطراق کے ساتھ مفتوح شہر میں داخل ہوتی ہیں لیکن حکومت الٰہی کا خلیفہ (رسول اللہؐ) سر جھکائے ہوئے اور سورۂ "فتح" کی تلاوت کرتے ہوئے مکہ میں داخل ہوتا ہے۔

مکہ فتح کرنے کے بعد رحمۃ للعلمین نے احسان وسلوک کا جو مظاہرہ کیا تھا وہ تاریخ عالم میں ایک ایسا مقام رکھتا ہے جس کی نظیر تاریخ کی دنیا میں نہیں ملتی ہے۔

جس وقت رسول اللہ مکہ میں داخل ہوئے تو ایک طرف دس ہزار فوج کی خون برسانے والی تلواریں تھی جو آپ کے ادنیٰ اشارے کی منتظر تھیں اور دوسری طرف مکہ کے لوگ تھے جن میں وہ بھی تھے جو آپ پر پتھر پھینکتے تھے، اور تلواریں چلائی تھیں اور آپ کے راستہ میں کانٹے بچھاتے تھے، وہ بھی تھے جنہوں نے آپ کے رشتہ داروں کا ناحق خون کیا تھا، ان کے سینے چاک کیے تھے اور ان کے دل وجگر کے ٹکڑے نکال کر چبائے تھے، اور ان کے ناک کان کاٹ کر ہار پہنے تھے۔ وہ بھی تھے جنہوں نے بیسیوں مسلمانوں کو خود قتل کیا تھا یا دوسروں سے قتل کرایا تھا۔ وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو جلتی ہوئی ریت پر لٹایا کرتے تھے دہکتے ہوئے کوئلوں سے ان کے جسم داغتے تھے نیزوں کی انی سے ان کے بدن چھیدتے تھے اور سیکڑوں مسلمانوں کو طرح طرح کی اذیتیں دے دے کر ان کے گھر بار سے نکالا تھا۔ وہ بھی تھے جنہوں نے دین اسلام اور مسلمانوں کو تباہ وبرباد کرنے میں ایڑی چوٹی تک کا زور لگا چکے تھے اور اس غرض کے لیے شام، حبش، نجد اور یمن تک کا سفر کر چکے تھے۔ وہ بھی تھے جنہوں نے بارہا مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کو وہاں بھی چین سے نہیں رہنے دیا تھا وہ بھی تھے جو اہل اسلام کو مال سے زر سے زور سے تدبیر سے تزویر سے ہتھیار سے فنا کرنے میں پورے اکیس سال تک برابر منہمک رہے تھے۔

آج یہ سب مجرم رسول اللہ کے سامنے کھڑے تھے اور سب کی گردنیں آپ کی عالمگیر رحمت کا مشاہدہ کرنے کے لیے بے چینی سے انتظار کر رہی تھیں۔

Marfat.com

اتنے میں رحمۃ للعلمین مکہ والوں کی طرف متوجہ ہوئے اور اثر انگیز انداز میں ان الفاظ کے ساتھ تقریر فرمائی۔

یا معشر قریش ان اللہ قد اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ وتعظمہا بالاباء الناس من اٰدم واٰدم خلق من تراب ثم تلا رسول اللہ "یایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثیٰ وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم" اذھبوا فانتم الطلقاء لا تثریب علیکم الیوم ؎	اے جماعت قریش۔ اللہ نے تمہاری جاہلیت کی نخوت اور آباء و اجداد پر اترانے کا غرور توڑ دیا، غور سے سن لو سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔ پھر رسول اللہ نے یہ آیت پڑھی "اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد، عورت سے پیدا کیا ہے اور قبیلے خاندان سب پہچان کے لیے بنائے گئے ہیں۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ وہ معزز ہے جو سب میں زیادہ متقی ہو" جاؤ تم سب آزاد ہو آج تمہارے اوپر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔

یہ تھا اسلامی حکومت کی ہمہ گیر رحمت کا مظاہرہ جس پر براہ راست اللہ کی رحمت کا عکس پڑتا تھا اور جس کے لیے آج کی خاک و خون میں لتھڑی ہوئی دنیا بےچینی سے منتظر ہے۔

رحمت و عدالت کا یہی وہ نظام تھا جسے دیکھ کر قوموں نے بلاوے بھیجے تھے، شہروں نے پھاٹک کھول دیے تھے۔ قلعوں نے اپنی کنجیاں آگے رکھ دی تھیں اور وقت کی تمام مظلوم آبادیوں نے اس کو اپنا نجات دہندہ سمجھ کر خوش آمدید کہا تھا۔

عہد نبوی کی تمام مفتوحہ زمینوں کا انتظام (۱) مفاد عامہ کے پیش نظر کیا گیا تھا اور ذاتی مفاد پر اجتماعی مفاد کو ترجیح دی گئی تھی۔	ان کے علاوہ اور جتنی فتوحات رسول اللہ کے زمانے میں ہوئی تھیں ان سب کا انتظام آپ نے مفادِ عامہ کے لحاظ سے کیا تھا۔ آراضی کی تنظیم و تقسیم کی جو

Marfat.com

عمدہ صورت ہو سکتی تھی وہ آپ نے اختیار فرمائی تھی۔ آپ کے سامنے کسی خاص طبقہ یا جماعت کا مفاد نہیں تھا بلکہ خلق اللہ کا عام مفاد تھا۔ آپ کی نظر میں ملکیت کی حیثیت حق استعمال اور حق انتفاع سے زیادہ نہ تھی اور وہ بھی اسی حد اور اسی وقت تک قابل تسلیم تھی جب تک مفاد عامہ میں خلل نہ واقع ہو اور کسی کی حق تلفی کا باعث نہ بن سکے۔

آپؐ نے جو نظام قائم کیا تھا اس میں نہ ملکیت کی آڑ میں جور و استبداد کی گنجائش تھی اور نہ جماعتی شکنجہ میں انسان کو اس طرح جکڑ دیا گیا تھا کہ وہ آزادانہ اپنی صلاحیتوں کو نشو و نما دے کر اپنی ضمیر کا استقلال نہ باقی رکھ سکے بلکہ ہر شخص کو اپنی ضرورت و صلاحیت کے مطابق کسی تخصیص و ترجیح کے بغیر مستفید ہونے کے ذرائع اور مواقع یکساں طور پر مہیا تھے

آپ نے ایسی فضا پیدا کر دی تھی جو رحمت و عدالت، اخوۃ و مساوات، امانت و افادیت، ایثار و قربانی کی مکمل نمونہ تھی جس کی بنا پر آپ نے صرف جسموں ہی پر نہیں بلکہ دل و دماغ پر بھی حکومت کی تھی اور آپؐ کی حکمرانی کی زمین صرف دنیا کی مملکت نہ تھی بلکہ دل و دماغ کی مملکت بھی تھی سو دنیا اقرار کرے یا انکار لیکن یہ ایک ناگزیر حقیقت ہے کہ آپؐ کا لایا ہوا قانون آج تک حاکموں اور عدالتوں پر حکمرانی کر رہا ہے اور بلا تفریق مذہب و ملت اور خاص و عام سب پر یکساں طریقے پر جاری ہے۔ آپ کے بعد دنیا نے جتنے اصلاحی قدم اٹھائے ہیں وہ سب آپؐ کے مرہون منت ہیں۔

آج دنیا "مقصد" کو چھوڑ کر ملکیت و عدم ملکیت کی بحث میں الجھی ہوئی ہے انفرادی و اجتماعی عارضی و دائمی کی گتھیوں کو سلجھانے میں ایڑی چوٹی تک کا زور لگا رہی ہے، حالانکہ آج سے صدیوں پہلے وادی "غیر ذی زرع" سے پوری دنیا کو جو پیغام دیا گیا تھا، اس میں اس مسئلہ کو بہت عمدگی کے ساتھ حل کیا جا چکا ہے کہ ہر شے کا حقیقی مالک اللہ ہے اور ذرائع پیداوار اور مفاد عامہ کے لیے ہیں نہ کہ تنہا خوری کے لیے۔ اور انسان کی حیثیت "امین" کی ہے جس کو استعمال اور انتفاع کا حق دیا گیا ہے جیسا کہ مسیلمہ کذاب نے جس وقت رسول اللہ

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم سے نصف دنیا پر اپنی حکومت کا مطالبہ کیا تھا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا تھا۔

فان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین[1]	زمین درحقیقت اللہ کی ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے وہ زمین کا وارث بنادیتا ہے اور انجام کار کامیابی خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ہے۔

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا:

ان الارض ارض اللہ والعباد عباد اللہ من احیا ارضا میتۃ فہی لہ[2]	زمین اللہ کی زمین ہے اور بندے اللہ کے بندے ہیں جو شخص بنجر زمین کو آباد کریگا وہ اسی کی ہوگی۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اسی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

والارض کلھا فی الحقیقۃ بمنزلۃ مسجد او رباط جعل وقفا علی ابناء السبیل وھم شرکاء فیہ فیقدم الاسبق فالاسبق وحق الملک فی الآدمی کونہ احق بالانتفاع من غیرہ[3]	حقیقت یہ ہے کہ پوری زمین بمنزلۂ مسجد اور سرائے کے ہے جو مسافروں پر وقف ہوتی ہے اور سب لوگ اس میں برابر کے شریک ہوتے ہیں اسی لیے ہر پہلے آنے والے کو پیچھے آنے والوں پر ترجیح دی جاتی ہے۔ زمین پر آدمی کی حق ملکیت کا صرف یہ مطلب ہے کہ انتفاع کا حق قابض کو بہ نسبت دوسرے کے زیادہ حاصل ہے۔

---

[1] تاریخ ملت جلد دوم۔ ص ۵۸۔ [2] ابوداؤد ونصب الرایہ۔

[3] حجۃ اللہ البالغہ۔ ج ا

(۴) آراضی مفتوحہ

(عہد خلفاء)

(۱) عراق و شام کی زمینیں مفادِ عامہ کے پیشِ نظر اصل باشندوں کے پاس رہنے دی گئی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عنانِ خلافت جب خلفاء راشدین کے ہاتھ میں آئی تو زمین کا انتظام انہوں نے بھی قرآنی آیات اور اسوۂ رسول کے پیشِ نظر مفادِ عامہ ہی کے لحاظ سے کیا تھا۔ جیسا کہ زمانۂ خلافت کی فتوحات اور وہاں کے انتظامات اور بلاتخصیص مذہب و ملت حقوق میں مساوات دیکھ کر فیصلہ کرنا آسان ہے کہ اسلام میں ذاتی و انفرادی مفاد پر عام مفاد کو کس طرح ترجیح دی گئی ہے۔ ذیل میں ہم اس کو قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہیں

عراق و شام فتح ہونے کے بعد زمین اور جائداد کے انتظام کے بارے میں مشورہ ہوا مجلس شوریٰ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت بلالؓ اور ان کے ہم خیال لوگوں کی رائے تھی کہ یہ زمین فوجیوں میں تقسیم کردی جائے جس طرح رسول اللہ نے خیبر کا کچھ حصہ فوجیوں میں تقسیم کردیا تھا۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ کی رائے اس کے خلاف تھی، وہ چاہتے تھے کہ خلافت کے زیرِ انتظام اصل باشندوں کے پاس زمین رہنے دی جائے مجلس شوریٰ کے دیگر ممبر حضرت علیؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عثمان جیسے اکابر صحابہ کی رائیں حضرت عمرؓ کی موافقت میں تھیں۔

آخر کار مجلس شوریٰ میں انتہائی غور و خوض کے بعد یہ بات طے پائی کہ مفادِ عامہ کے پیشِ نظر خلافت کے زیرِ نگرانی اصل باشندوں ہی کے پاس زمین رہنے دی جائے اور فوجیوں میں نہ تقسیم کی جائے۔

Marfat.com

اس انتظام میں کونسی روح کام کر رہی تھی۔ خلافت کا مزاج سمجھنے میں اس واقعہ کو کتنا دخل ہے۔ مفاد عامہ کے پیش نظر خلیفہ کو کتنے اختیارات حاصل ہیں ان تمام باتوں کے جواب پر وہ تقریریں روشنی ڈالتی ہیں جو اس موقع پر موافقت اور مخالفت میں ہوئی تھیں

(۲) آراضی کی تنظیم و تقسیم سے متعلق مجلسِ شوریٰ کی کارروائی اور موافق و مخالف ممبران کی تقریریں

فاروق اعظمؓ کی تقریر:

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اس زمین کو آپ ہی لوگوں میں تقسیم کر دوں اور بعد والوں کو ایسی حالت میں چھوڑ دوں کہ ان کا اس میں کچھ حصہ نہ ہو۔ کیا آپ لوگوں کا یہ مقصد ہے کہ اس کی آمدنی ایک محدود طبقہ میں سمٹ کر رہ جائے اور اسی طبقہ میں نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی رہے۔ اگر میں نے ایسا کر دیا تو سرحدوں کی حفاظت کس مال سے کی جائیگی۔ بیواؤں اور حاجتمندوں کی کفالت کہاں سے ہوگی مجھے اس کا بھی اندیشہ ہے کہ بعض لوگ پانی کے بارے میں آپس میں فساد کرنے لگینگے"۔

حضرت علیؓ کی تائید:۔

"کاشتکار اور آراضی کو جوں کا توں رہنے دیجیے تاکہ یہ سب لوگوں کے لیے یکساں معاشی قوت کا ذریعہ بن سکیں (فوجیوں میں زمین تقسیم کر دینے سے انہی میں سمٹ کر رہ جائیگی"

حضرت معاذؓ کی تائید:۔

"اگر آپ نے زمینیں تقسیم کر دیں تو زرخیز زمینوں کے بڑے بڑے ٹکڑے فوج میں بٹ جائینگے۔ پھر ان کے مرنے کے بعد کسی کی وارث کوئی اولاد عورت ہوگی اور کسی کا وارث کوئی اکیلا مرد ہوگا۔ اس کے علاوہ سرحدوں کی حفاظت اور فوجیوں کی کفالت کے لیے حکومت کے پاس کچھ نہ رہ جائیگا۔ اس لیے آپ کو وہ کام کرنا چاہیے جس میں آج کے لوگوں کے لیے بھی سہولت اور فائدہ ہو اور بعد والوں کے لیے بھی۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ اور حضرت بلالؓ کی مخالفت میں تقریر:۔

جو مال اللہ نے ہمیں غلبہ سے عطا فرمایا ہے وہ ہم لوگوں میں تقسیم ہونا چاہیے جس طرح

Marfat.com

رسول اللہ نے خیبر تقسیم کر دیا تھا۔

یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے کہ جو لوگ اس وقت موجود نہوں ان کے بیٹوں اور پوتوں کے خیال سے ہماری حق تلفی کی جائے۔ ہم اپنی ذریت کے لیے ہیں اور بعد والے اپنی ذریت کے لیے ہونگے"۔

الغرض مہاجرین اور انصار کے اس مشورہ میں کوئی قطعی فیصلہ نہ ہو سکا۔ اس کے بعد دوبارہ حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ طلب کی اور اس میں انصار کے دس معزز آدمیوں کو بھی بُلا بھیجا اور سب کو جمع کر کے اس مسئلہ پر غور و خوض کیا۔

اس اجتماع میں حضرت عمرؓ نے ایک جامع اور مدلل تقریر کی اور قرآن کی آیات کو پیش کر کے سب لوگوں کو غور و فکر کی دعوت دی۔

دوسرے اجلاس کی کارروائی کا خلاصہ یہ ہے :۔

حضرت عمرؓ نے حمد و ثناء کے بعد فرمایا "میں نے آپ حضرات کو محض اس لیے فوری تکلیف دی ہے کہ جس بار امانت کو آپ ہی لوگوں نے میرے سر پر رکھا ہے اس کے اٹھانے میں میرے شریک بنیں۔ اس وقت مجلس میں میری پوزیشن خلیفہ کی نہیں ہے بلکہ آپ میں کے ہر فرد جیسی ہے۔

ہر شخص کو اپنی رائے پیش کرنے کا بالکلیہ اختیار ہے۔ ابھی تھوڑی دیر کی بات ہے کہ اسی معاملہ میں مشورہ ہو چکا ہے۔ مجلس کے کچھ لوگوں نے میری رائے کی مخالفت کی ہے اور کچھ نے موافقت کی ہے

میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ میری مرضی کا اتباع کریں اور حق بات کو چھوڑ دیں میں تو صرف ایک حق بات ہی کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں۔

جس طرح میرے پاس اللہ کی کتاب ہے ویسے ہی آپ لوگوں کے پاس بھی اللہ کی کتاب موجود ہے جو ناطق بالحق ہے اس کو سامنے رکھ کر مجھے مشورہ دیجیے۔ جو کچھ اس میں موجود

Marfat.com

ہے اس پر عمل کرنا ہم سب کا فرض ہے۔

دراصل حضرت عمرؓ نے اس موقع پر "آیات فے" سے استدلال کیا تھا جن میں بلا تخصیص و ترجیح مفتوحہ زمین میں سب لوگوں کا حق بیان کیا گیا ہے اور اسی حقیقت کی طرف حضرت عمرؓ لوگوں کو متوجہ کرنا چاہتے تھے۔

آیات فے یہ ہیں:-

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ	اللہ نے جو "فے" (مال مفتوحہ) بستی والوں سے اپنے
الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی	رسول کو عطا فرمایا ہو وہ اللہ و رسول کے لیے اور
الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ	اقربا، یتیم، مسکین، مسافر کے لیے ہو۔ تاکہ تم میں سے
السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ	دولتمندوں کے درمیان ہی سمٹ کر نہ رہ جائے اور
الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ	جو کچھ رسول تمہیں دیں اس کو لے لو اور جس سے
فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَ	وہ منع کریں (نہ دیں) اس کو چھوڑ دو اور اللہ سے
اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ	ڈرو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے۔
لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ	وہ مال ان مفلس مہاجروں کے لیے بھی ہے جو اپنے
اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ	گھروں اور مالوں سے نکالے ہوئے اللہ کا فضل
يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا	اور اس کی رضامندی ڈھونڈھنے کے لیے اور
وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ	اللہ و رسول (دین) کی مدد کرنے کے لیے تمہارے
هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۔ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو	پاس آئے ہیں وہی لوگ سچے ہیں، اور ان لوگوں
الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ	کے لیے بھی ہو جو اس گھر (مدینہ) میں ایمان کی حالت
مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ	میں مہاجرین کے پہلے سے ٹھہرے ہوئے ہیں وہ
صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ	لوگ ان مہاجرین سے محبت کرتے ہیں ان کے آنے
يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ	سے اور ان کی خاطر تواضع کرنے سے اپنے دلوں میں

Marfat.com

خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهٖ
فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ
جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا
اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا
بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا
لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ
رَّحِيْمٌ ۝ (۵۹:۱۰)

تنگی نہیں محسوس کرتے ہیں اور اپنی جانوں پر ان کو
مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہی کی نوبت آجائے
اور جو لوگ اپنے نفس کو لالچ سے بچالے گئے وہی مراد
پانے والے ہیں۔ اور ان لوگوں کے لیے بھی جو ان کے
بعد پیچھے ہوئے آئے کہتے ہمارے رب ہمیں بخش دے
اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان
لائے اور ہمارے دلوں میں مومنوں کی طرف سے بیر
نہ رکھ اے ہمارے رب آپ ہی نرمی کرنے والا اور مہربان ہے۔

پھر اس کے بعد حضرت عمرؓ نے گذشتہ اجلاس کی کارروائی پر اجمالی روشنی ڈالی اور مقصد کو زیادہ واضح الفاظ میں اس طرح ادا کیا:

"کیا آپ حضرات نے ان لوگوں کی باتیں نہیں سنیں جو اس معاملہ میں مجھے شک کی نظر سے دیکھتے ہیں شاید ان کا خیال ہے کہ میں ان کی حق تلفی کرنا چاہتا ہوں۔ حالانکہ کسی فرد کی بھی حق تلفی کرنا میرے نزدیک صریح ظلم ہے، معاذ اللہ، خدا نخواستہ میں نے کبھی بھی کسی معاملہ میں ان پر ظلم کیا ہو یا اب کسی پر ظلم کرنے کا ارادہ ہو۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ کسریٰ کی زمین (عراق و شام) فتح ہونے کے بعد اور کونسی زمین رہ گئی ہے کہ جس کی آمدنی سے خلافت کا انتظام سنبھالا جا سکیگا۔ یہ تو محض اللہ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے کسریٰ کے اموال، زمین، جائداد اور جفا کش کام کرنے والوں پر ہمیں غلبہ عطا فرمایا ہے۔

یہ لوگ خود اس بات کے شاہد ہیں کہ اموال منقولہ میں نے فوجیوں میں تقسیم کر دیا ہے خمس (پانچواں حصہ) نکال کر بھی اس کے مناسب موقع پر صرف کر دیا ہے۔ اب زمین (جائداد غیر منقولہ) باقی بچی ہے تو اس کے متعلق میرا ایسا خیال ہے

Marfat.com

ملک آتش پرست مالکوں ہی کے پاس رہنے دوں اور زمین پر ٹیکس (خراج) اور اس کے مالکوں پر ان کے جان و مال کی حفاظت کا معاوضہ (جزیہ) مقرر کر دوں تاکہ یہ سب آمدنی اجتماعی مفاد میں کام میں لائی جا سکے۔ اور اس کے ذریعہ فوجیوں کی تنخواہوں اور موجودہ و بعد کے تمام لوگوں کا بندوبست کیا جا سکے۔

آپ ہی بتائیے کہ کیا یہ ممالک سرحدوں کی حفاظت کے بغیر بیرونی حملوں سے محفوظ رہ سکینگے۔ کیا جزیرہ، کوفہ، بصرہ، عراق، شام، مصر وغیرہ کے بڑے بڑے شہروں میں ان کی حفاظت کے لیے فوجی چھاؤنیوں کی ضرورت نہ پڑیگی آخر فوجیوں کی تنخواہیں، ان کے بھتے اور دیگر تمام لوگوں کے وظیفوں کی رقم کہاں سے آئیگی؟

حضرت عمرؓ کی اس بصیرت افروز تقریر نے مجلس میں سب پر اثر ڈالا اور ممبروں نے حضرت عمرؓ کے اس خیال کی ان الفاظ میں تائید کی:-

فقالوا جميعا الرای رأيك فنعم ما قلت وما رأيت

سب نے کہا کہ بس آپ ہی کی رائے اس معاملہ میں درست ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر سرحدوں کی باقاعدہ حفاظت نہ ہوئی اور شہروں میں چھاؤنیاں نہ قائم کی گئیں تو دشمن پھر اپنے ملکوں پر قابض ہو جائینگے۔

مجلس شوریٰ کے اس فیصلہ کے بعد حضرت عمرؓ نے اطمینان کا سانس لیا اور دیگر معاملات کے بارے میں مشورہ کیا۔ حضرت عمرؓ کی جوابی تقریر یہ ہے:-

"اب مجھے اطمینان ہوا کہ میں حق پر تھا اور اس معاملہ میں میری رائے درست تھی اچھا، اب آپ ایسے آدمیوں کا پتہ دیجیے جو زمین کی پیمائش میں ہوشیار اور لگان (خراج) کے مقرر کرنے میں تجربہ کار ہوں۔ تاکہ ایک طرف زمین کی پیمائش ٹھیک ٹھیک ہو جائے اور دوسری طرف کسی کی برداشت سے زیادہ ٹیکس (لگان) نہ مقرر

Marfat.com

کیا جائے"۔

پٹواری کے انتخاب کے بارے میں اصحاب شوریٰ کی رائے

ہمارے خیال میں عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن یمان دونوں اس اہم کام کے لیے زیادہ موزوں ہیں۔ یہ پیمائش کے کام میں بھی ماہر ہیں اور لگان کی مقدار وغیرہ مقرر کرنے میں بھی تجربہ کار ہیں۔ آپ اس سلسلہ میں ان دونوں کی خدمات ضرور حاصل کیجیے۔

حضرت عمرؓ کی منظوری

یہ معلوم کر کے حضرت عمرؓ نے منظوری دے دی اور یہ دونوں اس کام پر مامور ہو گئے اس کے بعد حضرت عمرؓ نے عراق کے گورنر حضرت سعدؓ کے پاس ایک خط روانہ کیا جس کا یہ مضمون تھا۔

"زمین اور نہروں کے علاوہ بقیہ مال غنیمت فوجیوں میں تقسیم کر دیجیے۔ زمین اور نہریں حسب سابق رہنے دیجیے۔ تاکہ زمین سے وصول شدہ آمدنی لوگوں کے وظیفوں میں کام آئے اور بعد والوں کے لیے قوت کا سبب بنے۔[1]

(۳) مجلس شوریٰ کے فیصلہ پر قاضی ابویوسفؒ کا تبصرہ

قاضی ابو یوسف اس واقعہ کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے ایک قانونی کلیہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

والذی رای عمر رضی اللہ عنہ	حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ کہ آپ نے مجاہدین اور فاتحین
من الامتناع من قسمۃ الارضین	کے درمیان زمین تقسیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس
بین من افتتحھا عند ما عرفہ	کی تائید میں قرآن حکیم سے دلائل پیش کیے۔ یہ سب کچھ
اللہ ما کان فی کتابہ من بیان	محض اللہ کی توفیق کا نتیجہ تھا اور اللہ کی کتاب پر بصیرت
ذلک توفیقا من اللہ کان لہ	حاصل ہونے کی بنا پر تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ جس حقیقت کو

---

[1] اس پوری بحث کے حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو الاموال ص ۵۸ و ۵۹، الخراج لابی یوسف ص ۲۵ و ۲۶ الخراج لیحیی ص ۴۴، بخاری ج ۲۔

Marfat.com

فیما صنع وفیه کانت الخیرة لجمیع المسلمین وفیما راٰہ من جمع خراج وقسمتہ بین المسلمین عموم النفع لجماعتهم لان هذا لو لم یکن موقوفاً علی الناس فی الاعطیات والارزاق لم تشحن الثغور ولم تقوا الجیوش علی السیر فی الجهاد ولما امن رجوع اهل الکفر الی مدنہم اذ اخلت من المقاتلۃ والمرتزقة [1]	حضرت عمرؓ کی نگاہ نے پایا تھا دراصل اسی میں جامعی لحاظ سے تمام مسلمانوں کی بھلائی تھی۔ لگان کی آمدنی کو ایک جگہ جمع کر کے عام مزوریات پر خرچ کرنا اس سے کہیں زیادہ بہتر تھا کہ زمین کو چند لوگوں میں تقسیم کر دیا جاتا اور وہی اس سے فائدہ اٹھاتے رہتے کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ اگر لگان کی آمدنی عام لوگوں کی تنخواہوں اور وظیفوں کے لیے وقف نہ ہوتی تو سرحدوں کی حفاظت اور فوجیوں کی کفالت کس مال سے کی جاتی اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی ملک اس قسم کے انتظامات کے بغیر بیرونی حملوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس اجلاس کی کارروائی اور حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں نظر آتی ہے وہ خلق اللہ کا عام مفاد ہے۔

دراصل یہی وہ بنیادی حقیقت تھی جس کی بنا پر آپ نے اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے فوجیوں میں زمین تقسیم کرنا منظور نہیں فرمایا تھا اور اسی حقیقت کو سمجھانے کے لیے آپ نے دوبارہ اجلاس طلب کیا تھا اور رائے عامہ کو ہموار کرنے کی کوشش کی تھی۔

(۳) عراق وشام غلبہ سے فتح ہوئے تھے یہ قول کہ کچھ حصہ غلبہ اور کچھ صلح سے فتح ہوا تھا کمزور ہے۔	فتح عراق وشام کے بارے میں جو ائمہ کے اقوال مختلف ملتے ہیں ان کی تحقیق وتفصیل یہ ہے:-

ابو عبیدہؒ قاضی ابو یوسفؒ ابوبکر جصاصؒ وغیرہ کی تحقیق کے مطابق یہ ممالک غلبہ سے فتح ہوئے تھے [2]

امام شافعیؒ اور ان کے ہم خیال حضرات کی رائے ان تمام ممالک کے بارے میں جن

---

[1] الخراج لابی یوسف ص ۲۷ [2] الاموال ص ۱۳۹ ، الخراج ص ۶۳ ، احکام القرآن ج ۳ ص ۵۳۱

Marfat.com

کی زمینیں اصل باشندوں کے پاس رہنے دی گئی تھیں یہ ہے:۔

"جن ممالک کی زمینیں اصل باشندوں کے پاس رہنے دی گئی تھیں وہ یا تو صلحاً فتح ہوئے تھے اور یا فوجیوں کو اصل باشندوں کے پاس رہنے دیئے جانے پر راضی کر لیا گیا تھا۔"[1]

اس بنا پر عراق وشام کو یا تو ان ممالک میں شمار کیا جائے جن سے مصالحت ہو گئی تھی اور یا یہ کہا جائے کہ یہ ممالک غلبہ ہی سے فتح کیے گئے تھے لیکن فوجیوں نے اپنے ذاتی حقوق سے دست بردار ہو جانے پر رضامندی دے دی تھی۔

اس سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تحقیق یہ ہے:۔

"روم اور فارس کے لوگ عراق وشام کی زمین کے مالکوں پر زبردستی قابض تھے نہ وہ زمین کے حقیقۃً مالک تھے اور نہ ان کی حیثیت کاشتکار کی تھی، اور نہ وراثت میں ان کو زمین ملی تھی۔

اسلامی فوج کی جنگ دراصل انہی تسلطین (روم وایران کے لوگوں) سے ہوئی تھی اور اصل باشندے چونکہ ان کے ظلم سے تنگ آ چکے تھے اس لیے اکثر لوگوں نے اسلام کو غنیمت باردہ سمجھ کر اسلامی فوج سے صلح کر لی تھی کچھ ہی لوگ ایسے باقی بچے تھے جنہوں نے روم اور فارس کا ساتھ دیا تھا اور ان کے ساتھ جنگ میں شریک رہے تھے۔

دراصل یہ بنیاد تھی جس کی بنا پر معاملہ مشتبہ ہو گیا عوام نے سمجھا کہ عراق وشام غلبہ سے فتح ہوئے ہیں اور زمینیں غنیمت میں ملی ہیں اور خواص نے جانا کہ یہ ممالک صلح سے فتح ہوئے ہیں۔"[2]

شاہ صاحب کا مقصد یہ ہے کہ جن لوگوں نے اسلام کو رحمت سمجھ کر اسلامی فوج

---

[1] ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص ۱۲۹ [2] حوالہ بالا

سے صلح کرلی تھی، ان کی زمینیں گویا صلحاً فتح ہوئی تھیں اسی لیے حضرت عمرؓ نے زمین کی تقسیم کرنے اور نہ تقسیم کرنے کے بارے میں "آیات فے" سے استدلال کیا تھا، کیونکہ "فے" کا اطلاق ان ہی اموال پر ہوتا ہے جو بلا جنگ کیے حاصل ہو گئے ہوں

اور جن لوگوں نے روم اور فارس کا ساتھ دیا تھا ان کی زمینیں بیشک غلبہ سے فتح ہوئی تھیں۔ اس طرح عراق و شام کی کل زمینوں کی دو قسمیں تھیں (۱) کچھ حصہ صلح سے فتح ہوا تھا جن کے باشندوں اور مالکوں نے صلح کرلی تھی۔ (۲) کچھ حصہ غلبہ سے فتح ہوا تھا۔ اس میں روم اور فارس کے لوگ اور ان کے تمام ساتھیوں کی زمینیں شامل تھیں

حقیقت یہ ہے کہ جبر و تشدد اور ظلم و فساد کے بانی عموماً حاکم اور عامل ہی ہوتے ہیں۔ اس لیے جنگ کی اصل مخاطب حکومت ہوتی ہے اور اس کے طرفدار عوام چونکہ مظلوم و محکوم ہوتے ہیں اس لیے ان سے کچھ زیادہ سروکار نہیں ہوتا بلکہ اہل اسلام انہی مظلوموں کو ظلم سے نجات دلانے کے لیے سرکف جایا کرتے تھے، اسی بنا پر یہ لوگ ان کا راستہ صاف کرنے اور ہر ممکن سہولت پہنچانے کا وعدہ کیا کرتے تھے۔

ایسی صورت میں اسلامی فوج کا برتاؤ دونوں گروہوں کے ساتھ مختلف ہوا کرتا تھا حکومت اور اس کے حاشیہ برداروں کے ساتھ جنگ کا برتاؤ کیا جاتا تھا اور مظلوم عوام کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کیا جاتا تھا۔

ظاہر نظر میں اس صورت حال کا مطالعہ کرنے والوں کو جنگ اور صلح دونوں کا شبہ ہوتا تھا اسی لیے عراق اور شام کی فتح کے بارے میں روایتیں مختلف آتی ہیں اور اسی بنا پر ائمہ کے اقوال بھی اس معاملہ میں مختلف پائے جاتے ہیں لیکن اس حقیقت سے کسی کو بھی انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ سابق حکومتیں اسلامی فوج سے آخر دم تک مقابلہ کرتی رہتی تھیں اور جب تک ان کو اپنی شکست کا یقین نہ ہو جاتا تھا سپر ڈالنے کے لیے کبھی تیار نہ ہوتی تھیں۔

Marfat.com

جب جنگ کی مخاطب حکومت ہوتی تھی اور حکومت آخر دم تک مقابلہ پر جمی رہتی تھی تو غلبہ اور صلح کے فیصلہ میں حکومت کا اعتبار ہوگا نہ کہ عوام کا۔

اگر حکومت نے صلح کر لی ہے تو کہا جائیگا کہ یہ ملک صلحاً فتح ہوا ہے اور اگر وہ آخر وقت تک مقابلہ کرتی رہی ہے تو کہا جائیگا کہ یہ ملک غلبہ سے فتح ہوا ہے۔ عراق و شام کی فتح میں چونکہ دوسری شکل تھی اس بناء پر ان کو غلبہ سے فتح کیے ہوئے ممالک میں شمار کیا جائیگا اور ابو عبید قاضی ابو یوسف وغیرہ کی رائے کو ترجیح حاصل ہوگی۔ اور اگر معاملہ کی یہ نوعیت نہ تسلیم کی جائے بلکہ یہ کہا جائے کہ کچھ حصہ غلبہ اور کچھ صلح سے فتح ہوا تھا تو اجلاس کی مذکورہ تقریروں میں (جو فتح ہونے کے بعد کی گئی تھیں) اس پوزیشن کو واضح کرنا ضروری تھا

جس طرح حضرت عمرؓ نے اپنی تقریر میں یہ کہا تھا کہ اموال منقولہ میں نے غازیوں میں تقسیم کر دیا اور خمس (پانچواں حصہ) نکال کر اس کے مستحقین میں صرف کیا ایسے ہی وہ مجلس کے سامنے معاملہ کی پوری نوعیت واضح کرنے کے لیے آراضی صلح کا بھی ذکر کرتے اور اگر انہوں نے نہیں ذکر کیا تھا تو موافق اور مخالف لوگوں میں سے کوئی ضرور اس کا ذکر کرتا لیکن ان لوگوں میں سے کسی نے بھی اس کا نام نہیں لیا جس سے پتہ چلتا ہے کہ عراق و شام میں صلح کی زمین تھی ہی نہیں۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب بھی آگے چل کر اسی بناء پر کہتے ہیں کہ

"اگر بات وہی ہو جو قاضی ابو یوسف صاحب کہتے ہیں (کل غلبہ سے فتح ہوا تھا) تو اس صورت میں سوادِ عراق و شام کا معاملہ صحابہ کے اتفاق کی بناء پر آیت غنیمت کے عام مفہوم (تقسیم) سے خاص ہو جائیگا"[1]

البتہ اس تحقیق کی بناء پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ جب یہ ممالک غلبہ سے فتح ہوئے تھے تو حضرت عمرؓ نے زمین نہ تقسیم کرنے کے بارے میں آیت فے سے کس طرح استدلال کیا تھا۔

---

[1] ازالۃ الخفاء مقصد دوم۔ ص ۱۲۹۔

Marfat.com

کیونکہ "فے" انہی اموال کو کہتے ہیں جو بلا جنگ و جدل حاصل ہوئے ہوں۔ اس کے دو جواب ہیں:-

(۱) پہلا یہ کہ یہ بات کسی صحابی کی نظر سے پوشیدہ نہ تھی کہ زمین کی تنظیم و تقسیم کے بارے میں مفادِ عامہ کے پیشِ نظر خلیفہ کے اختیارات وسیع ہوتے ہیں زمین غنیمت میں ملی ہو یا بطور فے دونوں کا معاملہ خلیفہ کی صوابدید اور رائے عامہ پر موقوف ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ مفسرین نے "فے" کی مذکورہ آیتوں کو مالِ غنیمت اور مالِ فے دونوں سے متعلق کہا ہے اور آیت کریمہ میں "فے" سے ہر وہ مال مراد لیا ہے جو دشمن سے حاصل ہو خواہ جنگ کے بعد ملا ہو یا بلا جنگ کے مرعوب دشمن چھوڑ کر چلا گیا ہو۔

حاصل یہ ہے کہ عراق و شام کی زمینیں غلبہ سے فتح ہونے کے باوجود فوجیوں میں تقسیم نہیں کی گئی تھیں بلکہ مفادِ عامہ اور نظریۂ رحمت کے پیشِ نظر اصل باشندوں کے پاس رہنے دی گئی تھیں۔

(۵) مصر فتح ہونے کے بعد اس کی زمین مفادِ عامہ کے پیشِ نظر وہیں کے باشندوں کے پاس رہنے دی گئی تھی

مصر فتح ہونے کے بعد بھی زمین کی تنظیم و تقسیم کے بارے میں صحابۂ کرام مشورہ کے لیے جمع ہوئے۔ حضرت زبیر بن العوام اور ان کے ہم خیال لوگوں کی رائے یہ تھی کہ زمین فوجیوں میں تقسیم کر دی جائے۔ حضرت عمرو بن العاص (والی مصر) اور دوسرے لوگوں کی رائے یہ تھی کہ زمین اصل باشندوں کے پاس رہنے دی جائے فوجیوں میں تقسیم نہ ہو۔

بالآخر مفادِ عامہ کے پیشِ نظر یہی بات طے پائی کہ حسب سابق اصل باشندوں کے پاس زمین رہنے دی جائے۔ اس موقع پر مجلس شوریٰ کے ممبران کی تقریریں یہ ہیں۔

حضرت زبیر کی تقریر:-

"اس سرزمین کو اللہ نے ہماری محنت و مشقت سے فتح کرایا ہے ہم گھڑ سوار لڑے ہیں، ہم نے پیادہ پا جنگ کی ہے اس طرح ہم نے پورے مصر پر قبضہ کر لیا

Marfat.com

ہی۔ اس میں نہ آپ (والی مصر) کا کچھ اختیار ہے اور نہ امیر المومنین کا جس طرح اموال منقولہ غازیوں میں تقسیم کیے گئے ہیں ویسے ہی غیر منقولہ بھی انہی کا حق ہے۔"

حضرت عمرو بن العاص کی تقریر :۔

"ایسی اختلافی صورت میں امیر المومنین حضرت عمرؓ سے رائے لینا میرے لیے بہت ضروری ہے جب تک ان کا کوئی قطعی فیصلہ میرے پاس نہ آجائیگا اس وقت تک کسی قسم کا اقدام کرنے سے مجبور ہوں"۔

آخر کار یہ تجویز پاس ہو گئی کہ امیر المومنین کو خط لکھا جائے، اور مجلس شوری کی پوری کارروائی بھی لکھ دی جائے۔

اس کے بعد عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ کو شوریٰ کی پوری کارروائی لکھ بھیجی اور انہوں نے اس کا جو جواب دیا اس کا مضمون یہ تھا :۔

"خط ملا شوریٰ کی کارروائی معلوم ہوئی۔ کیا آپ لوگ مسلمانوں کے وظیفوں غازیوں کی تنخواہوں اور بھتوں پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ فرض کرلو کہ اگر میں فوجیوں کے درمیان زمین تقسیم کر دینے کا حکم دیدوں تو بعد کے مسلمانوں کے لیے کیا چیز باقی بچیگی جس کی مدد سے وہ اسلام کی حفاظت کر سکینگے (دشمنانِ اسلام پر غلبہ حاصل کر سکینگے)

میرے سامنے عام مسلمانوں، کمزوروں، قرضداروں اور بعد کے مجاہدوں کا معاملہ اور ان کا انتظام نہ ہوتا تو میں ضرور زمین تقسیم کر دینے کا حکم دے دیتا۔ ایسی حالت میں میں مجبور ہوں۔ اس لیے آپ لوگ اس زمین کو چھوڑ دیجیے تاکہ وہ عام مسلمانوں کے لیے وقف ہو جائے اور بعد کے لوگ بے دست و پا ہو کر نہ رہ جائیں"۔ [1]

[1] شرح معانی الآثار و طبقات ابن سعد۔

Marfat.com

خط کا جواب آجانے پر مصر میں حضرت عمرؓ کی یہ مصلحت بینی اور دور اندیشی عام طور پر پسند کی گئی اور حسب فرمان مفاد عامہ کے پیش نظر خلافت کے زیر انتظام اصل باشندوں کے پاس زمین رہنے دیے جانے کو لوگوں نے منظور کر لیا۔

فتح مصر کے بارے میں بھی روایتیں مختلف ملتی ہیں کسی روایت سے ظاہر ہوتا ہے

(۷) مصر دو مرتبہ فتح ہوا ہے ایک مرتبہ صلح سے اور دوسری مرتبہ غلبہ سے اس لیے دونوں کی روایتیں صحیح ہیں

کہ مصر صلحاً فتح ہوا تھا اس لیے اس کی زمین "فے" قرار دی گئی تھی۔ اور کسی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ مصر غلبہ سے فتح ہوا تھا اس لیے اس کی زمین غنیمت میں ملی تھی۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ مصریوں سے پہلے صلح ہو گئی تھی اور مقوقس (والی مصر) نے یہ بات منظور کر لی تھی کہ قبطی جان و مال کی حفاظت کے معاوضہ میں دو دو دینار ادا کریں گے لیکن ہرقل (شاہ روم) کو جب اس معاہدہ کی خبر پہنچی تو وہ غصہ سے بیتاب ہو گیا اور فوراً معاہدہ توڑنے کا اعلان کر کے وہ جنگ کے لیے تیار ہو گیا، اس کے بعد باقاعدہ جنگ ہوئی اور اس میں مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوئی۔ جیسا کہ ابو عبید کی تحقیق ہے، وہ کہتے ہیں:

"مصری قبطیوں کا معاملہ بالکل اہل سواد جیسا ہے جس طرح فارس کے لوگ اہل سواد پر قابض تھے اسی طرح روم کے لوگ مصر پر زبردستی قابض تھے۔ نہ اہل سواد کو فارس کے مظالم کی وجہ سے کسی قسم کی عزت و قوت حاصل تھی اور نہ مصریوں کو رومیوں کی وجہ سے کچھ عزت و اقتدار حاصل تھا۔ جب رومی مصر سے نکال باہر کیے گئے تو اس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اسی لیے لوگوں کی نظر میں مصر کا معاملہ مشتبہ ہو گیا۔ بعض کہنے لگے کہ مصر غلبہ سے فتح ہوا ہے اور بعض نے کہا کہ وہاں مصالحت ہو گئی تھی۔"[1]

---

[1] الاموال۔ ص۔ ۱۴۰۔

Marfat.com

پھر غلبہ اور صلح دونوں قسم کی روایتوں کے نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں۔

ان الامرین جمیعا قد کانا وقد صدق الخبران کلاھما لانھا افتتحت مرتین فکانت الاولی صلحاً ثم انتکثت الروم علیھم ففتحت الثانیۃ عنوۃً	مصر غلبہ اور صلح دونوں طرح سے فتح ہوا ہے اور دونوں کی روایتیں صحیح ہیں حقیقت یہ ہے کہ مصر دو مرتبہ فتح ہوا ہے پہلے صلح ہو گئی تھی پھر رومیوں نے اس صلح کو توڑ دیا تو دوسری مرتبہ جنگ ہوئی اور غلبہ سے فتح کیا گیا۔

الغرض مصر کی زمین غلبہ سے فتح ہوئی تھی اور تقسیم کے لیے فوجیوں کے اصرار کے باوجود مفاد عامہ کے پیش نظر اصل باشندوں کے پاس زمین رہنے دی گئی تھی

(۸) عہد خلافت کی بقیہ تمام مفتوحہ زمینیں مفاد عامہ کے پیش نظر اصل باشندوں کے پاس رہنے دی گئی تھیں۔

عراق و شام اور مصر کے علاوہ بقیہ تمام مفتوحہ ممالک فارس، اہواز، کرمان، اصبہان، رے وغیرہ کا انتظام زمانۂ خلافت میں مفاد عامہ کے لحاظ ہی سے کیا گیا تھا۔ اور ذاتی وانفرادی مفاد پر اجتماعی مفاد کو ترجیح دی گئی تھی۔ چنانچہ اسی نظریہ کے پیش نظر تمام مفتوحہ زمینیں خلافت کے زیر نگرانی اصل باشندوں کے پاس رہنے دی گئی تھیں اور فوجیوں کی خواہش کے باوجود ان میں تقسیم نہیں کی گئی تھیں۔ جیسا کہ ابو عبیدؒ کہتے ہیں:

"تمام ممالک مفتوحہ کی دو قسمیں ہیں یا تو وہ غلبہ سے فتح کیے گئے تھے جیسے ارضِ سواد، الجبال، الاہواز، فارس، کرمان، اصبہان، رے، شام کی زمینیں، شہروں کے علاوہ اور مصر، مغرب وغیرہ۔ اور یا وہ صلح سے فتح ہوئے تھے جیسے نجران، ایلہ، اذرح، دومۃ الجندل، فدک اور تمام مقامات جن سے رسول اللہ نے صلح کر لی تھی۔ ایسے ہی تمام وہ علاقے جو آپ کے بعد زمانۂ خلافت میں صلح یا غلبہ سے فتح کیے گئے تھے، جیسے بلاد جزیرہ اور آرمینیہ کے

ؔ۵ الاموال صفحہ ۱۴۲

Marfat.com

بعض شہر اور خراسان کے بہت سے پرگنے وغیرہ ان دونوں قسموں کی تمام زمینیں زمانۂ خلافت میں "فے" قرار دی گئی تھیں اور ان کی آمدنی عام لوگوں کے عطایا، ان کے وظیفے اور بچوں کے روزینے اور دیگر امورِ عامہ میں صرف کی جاتی تھی۔"[1]

مذکورہ تمام مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ زمانۂ خلافت میں آراضی کی تنظیم و تقسیم مفادِ عامہ کے پیشِ نظر کی جاتی تھی اور عام مفاد کے لحاظ سے جو عمدہ صورت ہوتی تھی خلافت اسی کو اختیار کرتی تھی۔ نہ اجتماعی مفاد کو ذاتی مفاد پر قربان کیا جاتا تھا اور نہ ہی کسی کا جائز حق پامال کیا جاتا تھا۔

(۹) مفتوحہ ممالک کی زبان، مذہب، کلچر غرض ہر شی کی حفاظت کی جاتی تھی

اس کے علاوہ زمانۂ خلافت کی ایک اور بات قابلِ ذکر ہے وہ یہ کہ آج دنیا کی تمام قوموں اور حکومتوں کا دستور رہا ہے کہ جب وہ کسی ملک کو فتح کرتی ہیں تو مفتوحہ ممالک کے باشندوں یا اقلیتوں پر بنیادی حیثیت سے اپنی تین چیزیں مسلط کرنا چاہتی ہیں (۱) زبان (۲) مذہب (۳) کلچر لیکن زمانۂ خلافت میں اسلام نے ان تینوں کو خصوصیت کے ساتھ باقی رکھا تھا۔

(۱) جو ممالک فتح کیے گئے ان کے دفاتر کی زبان حسبِ سابق باقی رکھی گئی تھی جس طرح اسلام سے پہلے عراق کا دفتر فارسی زبان میں، شام کا دفتر رومی زبان میں، مصر کا دفتر قبطی زبان میں تھا، اسی طرح فتح ہونے کے بعد انہی زبانوں میں باقی رکھا گیا تھا۔[2]

(۲) مذہبی معاملات و مراسم کی ادائیگی میں پوری آزادی دی گئی تھی اور مذہبی معاملات انہی کے مذہب کے مطابق طے کیے جاتے تھے۔

(۳) ان کے کلچر کو محفوظ و باقی رکھا گیا تھا۔

جیسا کہ ابو عبیدؒ ممالک مفتوحہ کے ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں۔

فھذہ بلاد العنوۃ واقرا اھلھا ۔ یہ تمام ممالک غلبہ سے فتح کیے گئے تھے اور ان کے

---

[1] الاموال ص ۵۱۳۔ [2] معجم البلدان بحوالہ الفاروق حصہ دوم ص ۲۰

زرعی نظام

Marfat.com

فیہا علی مللہم وشرائعہم[1]	باشندے اپنے اپنے مذہب اور رسم و رواج پر باقی رکھے گئے تھے۔

ایک دوسرے موقع پر انہی لوگوں کے تذکرے میں لکھتے ہیں :۔

فہم احرار فی شہاداتہم و	یہ سب لوگ اپنی شہادتوں میں، نکاح کے معاملوں میں
مناکحاتہم ومواریثہم و	وراثت کے قانون میں غرض اپنے تمام قاعدہ قانون
جمیع احکامہم[2]	میں آزاد تھے۔

مفتوحہ ممالک کے لوگوں کے معاملات کا تصفیہ انہی کے مذہبی اصول اور رسم و رواج کے مطابق کرنا اور ان کو اس سلسلہ میں ہر قسم کی آزادی و سہولت دینا اسلام کا ایک ایسا کارنامہ تھا کہ جس کی بناء پر اسلام نے لوگوں کے دلوں پر قبضہ کر لیا تھا اور ہر مذہب و ملت کے لوگ اسلامی حکومت کا انتظار کیا کرتے تھے۔

فقہ اسلامی میں تصریح ہے کہ اگر کوئی مسلمان ان کے خنزیر یا شراب کو تلف کر دے تو اس کی قیمت ادا کرنی پڑیگی۔

ویضمن المسلم قیمۃ خمرہ وخنزیرہ	مسلمان اس کی خمر اور خنزیر کو ضائع کر دے تو اس
اذا اتلفہ[3]	کی قیمت ادا کرنی پڑیگی۔

قاضی ابو یوسف کہتے ہیں :۔

فلما رأی اہل الذمۃ وفاء	جب ان لوگوں (ذمیوں) نے مسلمانوں کو اپنے معاملہ
المسلمین لہم وحسن السیرۃ	میں سچا پایا اور ان کے عمدہ کردار کو اچھی طرح سے
فیہم صاروا اشداء علی عدو	جانچ لیا تو یہ لوگ مسلمانوں کے دشمنوں کے سب
المسلمین وعونا للمسلمین علی	سے بڑے دشمن ہوگئے اور ان کے مقابلہ میں
اعدائہم[4]	مسلمانوں کے بہترین مددگار ثابت ہوئے۔

[1] الاموال، ص ۱۰۱ [2] ایضاً ص ۱۴۰ [3] در المختار [4] الخراج۔ ص ۱۳۹۔

Marfat.com

خلاصہ یہ کہ ملک کے تمام افراد حقوق کے مراتب اور مملکت کے قواعد میں برابر ہوتے تھے۔ نہ قومیت کا امتیاز تھا اور نہ	(۱۰) ملک کے تمام افراد مراتبِ حقوق اور قواعدِ مملکت میں مساوی ہوتے ہیں

ذات پات کی تفریق تھی، نہ رنگ و زبان کی بناء پر اختلاف تھا اور نہ تصورِ حیات کی بناء پر کوئی امتیاز تھا، نہ حاکم و محکوم کا سوال تھا اور نہ دولت و افلاس کی کشمکش تھی۔ ان تمام باتوں کے بارے میں قرآنِ کریم کی تصریح عام ہے۔

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ	اے لوگو ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے
مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ	پیدا کیا ہے اور مختلف برادریاں اور قبیلے اس لیے مقرر
شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا	کیے ہیں کہ آپس میں ایک دوسرے کو شناخت کر سکو
اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ	(ورنہ اللہ کے نزدیک اصل اعتبار کردار کا ہے) تم میں
اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ۔ (۴۹/۱۳)	بڑا شریف اور معزز وہی جو تم میں بڑا پرہیزگار ہو۔
وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ	زمین و آسمان کی پیدائش اور زبانوں اور رنگتوں کا
الْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ	اختلاف اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں، اس میں
وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ	کوئی شک نہیں کہ جاننے بوجھنے والوں کے لیے اس
لِّلْعٰلِمِيْنَ۔ (۳۰/۲۲)	میں بہت سی نشانیاں ہیں۔
هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي	اللہ ہی ہے جس نے تم سب کے لیے زمین کی ساری
الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔ (۲/۲۹)	چیزیں پیدا کی ہیں۔
وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ	تم سب کے لیے ہم نے زمین میں زندگی کے ساز و
وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ (۱۵/۲۰)	سامان بنائے اور ان کے لیے بھی جن کو تم روزی نہیں دیتے ہو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الناس بنو آدم و آدم خلق	سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا
من تراب (طبری)	کیے گئے ہیں۔

Marfat.com

حضرت علیؓ نے ایک موقع پر فرمایا:

اموالھم کاموالنا ودماءھم ان کے مال مثل ہمارے مال کے ہیں اور ان کی جانیں

کدمائنا ۱؎ مثل ہماری جانوں کے ہیں۔

رسول اللہؐ نے ایک اور موقع پر فرمایا:

الناس کلھم اخوۃ ۲؎ سب انسان بھائی ہیں۔

چونکہ کائنات کی ہر شے اللہ کی ہے اور ہر مذہب وملت کے سب انسان اللہ کے بندے ہیں اس لیے جس طرح باران رحمت عام ہوتی ہے اور بلا امتیاز مذہب وملت ہر شخص کے کھیت کو سیراب کرتی ہے اسی طرح اسلامی حکومت کی افادیت ہر ایک کے لیے بلا تخصیص مذہب وملت عام ہوتی تھی اور ترقی کے ذرائع ومواقع یکساں طور پر سب کے لیے مہیا ہوتے تھے۔ خلافت کی نظر میں اپنے اور غیر کا کوئی سوال ہی نہ ہوتا تھا کیونکہ سب ہی اللہ کے بندے ہیں اور اسلامی نظریہ کے مطابق سب ہی کی پرورش کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ ہے۔ خلافت چونکہ نیابت کے فرائض انجام دیتی تھی اس لیے یہ ذمہ داری خلافت کی جانب منتقل ہو جاتی تھی۔ خلافت کو ہر وقت اس ذمہ داری کا احساس رہتا تھا جس کی بنا پر خلیفہ جو کے سوکھے ٹکڑے سے شکم سیری کرتے ہوئے لرزتا تھا کہ شاید اس وقت مملکت کا کوئی فرد بھوکا سو گیا ہو اور اس کے متعلق قیامت کے دن مجھ سے بازپرس کی جائے۔

۱؎ نصب الرایہ۔ ج ۳۔ کتاب السیر ۲؎ مسلم شریف وابوداؤد

Marfat.com

آراضیِ مُعاہدہ

زمانۂ خلافت میں جس زمین کے باشندے اسلامی رحمت دیکھ کر معاہدہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے تو اسلام ان کو اپنے دامن رحمت میں چھپالیتا تھا اس سلسلہ میں قرآن کریم کی یہ آیت ہے :

معاہدین کی زمینیں، تجارت، صنعت وحرفت غرض ہر چیز بدستور بحال رکھی جاتی تھی نہ کبھی معاہدہ کی خلاف ورزی کی جاتی اور نہ اس کے خلاف کوئی شے طلب کی جاتی تھی۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۔ (۸/۶۱)

اگر یہ لوگ صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی جھک جائیے اور خدا پر بھروسہ کیجیے۔

معاہدہ ہو جانے کے بعد ان کی زمینیں، تجارت، صنعت وحرفت غرض ہر چیز بدستور بحال رکھی جاتی تھی۔ معاہدین کی کسی شے سے تعرض کرنا یا معاہدہ کے وقت باہمی رضامندی سے جو کچھ طے ہو جاتا اس کی خلاف ورزی کرنا یا اور کسی چیز کا طالب ہونا کسی صورت میں بھی جائز نہ سمجھا جاتا تھا۔

رحمۃ للعالمین نے معاہدہ کرنے والوں کے ساتھ کس قدر رحمت کا برتاؤ کیا۔ معاہدکی پابندی پر کتنا زور دیا اور ان کے حقوق ومراعات کا کہاں تک لحاظ رکھا۔ ان تمام باتوں کے جواب پر ذیل کی تصریحات روشنی ڈالتی ہیں۔

معاہدہ کی پابندی پر زور اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ دنیوی قانونی گرفت کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس قیامت کے دن عدالت عالیہ میں اس شخص کے خلاف مقدمہ دائر کرینگے جس نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہوگی یا معاہدین پر کسی قسم کے ظلم وزیادتی کے ساتھ پیش آیا ہوگا۔ فرمایا :

الا من ظلم معاھدًا او انتقصه او — خوب سے سُن لو جو شخص کسی معاہد پر ظلم کریگا یا اُن کے

Marfat.com

كلفه فوق طاقته او اخذ منه شيئا بغير طيب نفس فانا حجيجه يوم القيامة [1]

حقوق میں کمی کریگا، یا برداشت سے زیادہ ان پر بار ڈالیگا یا اُن کی رضامندی کے بغیر کوئی چیز لیگا تو اس کے خلاف میں خود قیامت کے دن مدعی بن کر دعویٰ دائر کرونگا۔

ابو عبیدؒ آراضی معاہدہ کے بارے میں اسلامی قانون یہ بیان کرتے ہیں:

"جس مقررہ مقدار کی ادائیگی پر معاہدہ ہو گیا ہو اس سے زیادہ لینے کی اجازت نہیں ہے اگرچہ معاہدین میں زیادہ دینے کی طاقت موجود ہو" [2]

زمانۂ خلافت میں طے شدہ مقدار سے زیادہ لینے کا خیال تو درکنار اگر وہ لوگ مقررہ مقدار کی ادائیگی سے عاجز رہتے یا وہ ان کی پریشانیوں کے باعث بنتی تو اس مقدار میں بھی کمی کر دی جاتی تھی جیسا کہ تصریح ہے۔

ولو عجزوا لخففت عنهم بقدر طاقتهم لان رسول الله صلى الله عليه وسلم انما اشترط ان لا يزاد عليهم ولم يشترط ان لا ينقصوا اذا كانوا عاجزين عن الوظيفة [3]

اگر معاہدین مقررہ مقدار نہ ادا کر سکیں تو ان کی حیثیت اور طاقت کی مقدار کم کر دی جائے، کیونکہ رسول اللہ نے زیادہ لینے سے روکا ہے مقدار میں کمی کرنے سے منع نہیں کیا ہے۔

ممکن ہے اس موقع پر بعض حضرات کی سطح بیں نظریں حضرت عمرؓ کے اس فرمان سے شبہ کرنے لگیں جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ معاہدہ کے وقت جو کچھ طے پایا ہے اس سے نہ گھٹایا جائے اور نہ بڑھایا جائے۔ حضرت عمرؓ کے اصل الفاظ یہ ہیں:

لا يضع عنهم شيئا ولا يزيد عليهم [4] نہ کچھ گھٹایا جائے اور نہ بڑھایا جائے۔

اس کے بارے میں ابو عبیدؒ نے جو کچھ کہا ہے اس سے اصل حقیقت واضح ہو جاتی ہے، وہ کہتے ہیں:-

---

[1] الخراج ص۱۵۵ و ابو داؤد [2] الاموال ص۱۳۵ [3] ایضاً [4] ایضاً

Marfat.com

فلاداراہ اداء الا ماداموا — میرے خیال میں کمی نہ کرنے کا حکم اس صورت میں تھا

مطیقین [۱] — جبکہ ان میں دینے کی طاقت موجود ہو۔

اور جب ان میں مقررہ مقدار ادا کرنے کی ہمت و طاقت نہ ہوتی تو پھر زیادہ لینے کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا کیونکہ اسلامی نظام کسی خاص گروہ یا طبقہ کے لیے نہیں بلکہ سب کے لیے رحمت و عدالت کا نظام ہے اور یکساں طور پر تمام لوگوں کے لیے خوشحالی و فارغ البالی کا دروازہ کھولتا ہے۔

چند معاہدات

اب ہم چند تاریخی معاہدات بیان کرتے ہیں جن سے یہ بات واضح ہوسکیگی کہ خلافتِ الٰہی میں کن اصول پر معاہدہ کیا جاتا تھا اور پھر اس کی پابندی اور اہل معاہدہ کے جان و مال کی حفاظت کس حد تک کی جاتی تھی۔

نجرانیوں سے جو معاہدہ ہوا تھا [۲] خلافت کی جانب سے کبھی اس کی خلاف ورزی نہیں کی گئی۔

نجران یمن میں عیسائیوں کا شہر تھا ان سے اس بات پر معاہدہ ہوگیا تھا کہ وہ اپنی جان و مال اور ملک کی حفاظت (جو غازیانِ اسلام کیا کرتے تھے) کے بدلے ہر سال کپڑے کی ایک معین مقدار خلافت کو دیا کرینگے۔

اس طرح معاہدہ ہو جانے کے بعد اہل نجران کی زمین، جائداد، تجارت اور صنعت و حرفت — ہر چیز بدستور بحال رکھی گئی تھی اور طے شدہ مقدار کے علاوہ کبھی کوئی چیز ان سے نہیں لی گئی تھی، رحمۃ للعلمین نے اہل نجران کو یہ عہدنامہ لکھ کر دیا تھا۔

ولنجران وحاشیتہا جوار اللہ — نجران اور اس کے علقے کے لوگ اللہ کے جوار اور محمد

وذمۃ محمد النبی رسول اللہ — رسول اللہ کی ذمہ داری میں ہیں۔ ان کے اموال،

علی اموالھم وانفسھم و — جانیں، زمیں، مذہب، ان میں کے غائب ان

---

[۱] اموال ص۵۳۱

ارضھم وملتھم وغائبھم و	کا خاندان، ان کی عبادتگاہیں غرض ان کی ہر چیز جو
عشیرتھم وبیعھم وکل ما	جو ان کے قبضہ میں ہے، تھوڑی ہو یا بہت سب
تحت ایدیھم من قلیل او	محفوظ رہینگی۔ کسی پادری کو اس کے موقف سے،
کثیر لا یغیر اسقف من	کسی راہب کو اس کی رہبانیت سے کسی کاہن
اسقفیہ ولا راھب من رھبانیتہ	کو اس کی کہانت سے ہٹایا نہ جائیگا۔ کسی کو کوئی
ولا کاھن من کھانتہ ولا یحشرون	شخص نقصان نہ پہنچا سکیگا اور نہ کسی پر کسی قسم کی
ولا یعسرون ولا یطاء ارضھم	سختی یا تنگی کی جائیگی، اور نہ کوئی دوسرا ان پر حملہ آور
جیش ومن سال منھم حقا	ہو سکیگا۔ ان میں کا جو شخص حق کا مطالبہ کریگا تو ان
فبینھم النصف غیر ظالمین	کے درمیان انصاف کیا جائیگا۔ ایسی حالت میں وہ نہ
ولا مظلومین ولا یوخذ رجل	ظلم کرنے والے ہونگے اور نہ مظلوم۔ دوسرے کے ظلم کی
منھم بظلم آخر الخ[1]	بنا پر کسی اور شخص کو گرفتار نہ کیا جائیگا۔

رسول اللہ نے اس عہد نامہ پر ذیل کے چند لوگوں کو گواہ بنایا:۔

(۱) ابوسفیان بن حرب (۲) غیلان بن عمرو (۳) قبیلہ بنی نصر کے مالک بن عوف (۴) اقرع بن حابس حنظلی (۵) مغیرہ بن شعبہ۔

اور ابوبکرؓ کے بیٹے عبداللہ سے لکھوا کر اہل نجران کے حوالہ کیا تھا۔[2]

رسول اللہؐ کے بعد صدیق اکبرؓ نے اس معاہدہ کو بحالہ باقی رکھا اور مزید توثیق کے لیے ایک نیا عہد نامہ لکھ کر اور ذیل کے چند لوگوں کو اس پر گواہ بنا کر ان کے حوالہ کیا

(۱) مستورد بن عمرو (۲) قبیلہ بنی قین کا ایک شخص (۳) عمرو جو پہلے غلام تھے لیکن اب آزاد تھے (۴) راشد بن حذیفہ (۵) مغیرہ

ابوبکر صدیقؓ کا عہد نامہ یہ ہے:

---

[1] الخراج ص ۷۲ [2] ایضاً

Marfat.com

"ان لوگوں کی جانیں، مال، مذہب، خصوصیات، عبادتیں، عبادت گاہیں۔ ان میں سے موجود، غائب، پادری، راہب غرض ان کی تمام چیزیں بدستور محفوظ رہینگی یہ لوگ کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائے جائینگے۔ ان کے کسی پادری کو اس کے درجے سے اور کسی راہب کو اس کی رہبانیت سے ہٹایا نہ جائیگا۔ تمام وہ باتیں جو رسول اللہؐ نے ان کو لکھ دی ہیں اور تمام وہ چیزیں جو اس عہدنامہ میں درج ہیں بے کم وکاست پوری کی جائینگی اور ہمیشہ یہ لوگ رسول اللہؐ کی ذمہ داری اور اللہ کے جوار میں رہینگے[1]

(۳) خفیہ سازش اور بغاوت کی وجہ سے جب انہیں دوسری جگہ منتقل کیا گیا تو ہر ممکن سہولتیں پہنچائی گئی تھیں اور زمین کے عوض زمین دی گئی تھی۔

صدیق اکبرؓ کے بعد فاروق اعظمؓ بھی ایک مدت تک اسی معاہدہ پر قائم رہے۔ مگر جب اہل نجران خود معاہدہ کے خلاف عمل کرنے لگے اور ان کی خلاف ورزیاں حد سے تجاوز کر گئیں جس کی بنا پر نقضِ امن کا اندیشہ ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے انہیں عراق وشام کی طرف منتقل کر دیا[2]

معاہدہ کی خلاف ورزی کی بنا پر بلکہ بسا اوقات اس کو بہانہ بنا کر اکثر ظالم حکومتیں معاہدین کو دیے ہوئے تمام حقوق سلب کر لیتی ہیں اور انہیں انسانیت سوز سزائیں دیتی ہیں لیکن خفیہ سازش اور آثارِ بغاوت کے موجود ہوتے ہوئے بھی باغیوں کے ساتھ بلا تخصیصِ مذہب وملت رحمت وعدالت کا معاملہ کرنا اسلام ہی کا کارنامہ ہے۔ جیسا کہ اس کی وضاحت اس سلوک اور برتاؤ سے ہوتی ہے جو حضرت عمرؓ نے اہلِ نجران کو منتقل کرتے وقت ان کے ساتھ کیا تھا۔

سیاسی مصلحت اور امنِ عامہ کے تحفظ کی خاطر جب نجرانیوں کا منتقل کرنا ناگزیر ہو گیا تو پہلے فاروق اعظمؓ نے اُن کے پاس حسب ذیل پروانۂ امن لکھ بھیجا۔

---

[1] الخراج ص ۷۲، [2] ایضاً والاموال صہ ۱۸۹۔

Marfat.com

من سار منہم امن بامان اللہ	جو شخص ان میں سے چلا جائیگا وہ ہر طرح سے محفوظ
لا یضرہ احد من المسلمین وفاء	رہیگا کوئی مسلمان کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا سکیگا۔
لھم بما کتب لھم محمد النبی صلی اللہ	رسول اللہؐ اور ابوبکرؓ کے معاہدہ کی پوری پوری
علیہ وسلم وابوبکر رضی اللہ عنہ[1]	اور سختی کے ساتھ پابندی کی جائیگی

حضرت عمرؓ کے اس فرمان کے بعد کسی کی کیا مجال تھی کہ وہ ان لوگوں کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھ سکتا یا انہیں کسی قسم کا ادنیٰ نقصان یا کسی طرح کی معمولی تکلیف پہنچانے کا خیال بھی کرسکتا۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ انہیں منتقلی کا حکم دینے کے بعد ان کی آبادکاری کے لیے ہر قسم کی سہولتیں پہنچائی گئیں، چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے عراق اور شام کے گورنروں کے پاس جو فرمان لکھا تھا اور انہیں جو تاکیدی احکام دیے تھے ان کی چند دفعات درج ذیل ہیں، جن سے اسلام کی رحمتِ عامہ اور عدالتِ عامہ کی وضاحت ہوتی ہے۔

(۱) جس علاقہ میں بھی اہلِ نجران آباد ہوں اُنہیں فراخدلی کے ساتھ زمینیں دی جائیں۔

(۲) مسلمان ان کے جان ومال کی پوری پوری حفاظت کریں

(۳) کوئی دوسرا ان پر ظلم نہ کرنے پائے اور اگر اس کی نوبت آجائے تو مسلمان آگے بڑھ کر اس کی مدافعت کریں۔

(۴) ان پر کسی قسم کی زیادتی نہ کی جائے۔

(۵) سرکاری ٹیکس سے انہیں دو سال (حالات درست ہونے) تک معافی دی جائے[2]

اس مضمون کی ایک کاپی اجلّہ صحابہ عثمان بن حنیف اور معیقیب کی دستخطوں کے ساتھ اہل نجران کے حوالے کی اور اس کے بعد انہیں منتقلی کا حکم دیا[3]

بعد میں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ بھی انہی عہدناموں کی نہایت سختی کے ساتھ پابندی

---

[1] الخراج۔ ص ۴۳، [2] ایضاً [3] ایضاً

Marfat.com

کرتے رہے۔ اور معاہدین کی سہولت اور ان کے حقوق اور مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کا انتظام کرتے رہے۔

فدک والوں سے کبھی معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کی گئی تھی اور جب ان کی سازشوں کی وجہ سے سیاسی مصالح کی بنا پر ان کو منتقل کرنا پڑا تو زمین اور جائداد کی قیمت ادا کی گئی	فدک خیبر میں ایک مقام تھا جو یہودیوں کے قبضہ میں تھا۔

اہل فدک سے اس بات پر معاہدہ ہو گیا تھا کہ نصف زمین اور باغات اصل باشندوں کے پاس رہینگے اور نصف خلافت کے انتظام میں دیدیے جائینگے۔ اس شرط پر باہمی رضامندی سے معاہدہ ہو جانے کے بعد اہل فدک کی ہر شے محفوظ رکھی گئی نہ تو کبھی معاہدہ کی خلاف ورزی کی گئی اور نہ اس کے علاوہ کبھی کوئی شے طلب کی گئی

رسول اللہؐ کا کیا ہوا یہ معاہدہ صدیق اکبرؓ کے زمانۂ خلافت تک جوں کا توں قائم رہا ان کے بعد حضرت عمرؓ بھی اسی کے مطابق فدک کا انتظام کرتے رہے۔ لیکن خود اہل فدک زیادہ دنوں اس معاہدہ پر قائم نہ رہ سکے۔ وہ رفتہ رفتہ سازشیں اور معاہدہ کے خلاف عمل کرنے لگے تھے۔ جب خلافت کو ان کی ان تمام باتوں کا پتہ چلا تو حضرت عمرؓ نے عام مفاد اور ملکی مصلحت کے پیش نظر ان لوگوں کو دوسری جگہ منتقل ہو جانے کا حکم دیا۔

معاہدہ کی ادنیٰ خلاف ورزی کا بہانہ بنا کر اکثر ظالم حکومتیں معاہدوں کے مال و جائداد کو غصب کر کے ان کو ان کے ملک و وطن سے نکال باہر کرتی ہیں یا سزا دینے میں ایسی حیوانیت و بربریت کا مظاہرہ کرتی ہیں کہ ان کے معصوم اور بے گناہ بچوں اور عورتوں کی خونریزی و عصمت دری تک سے گریز نہیں کرتیں لیکن اسلام کا خلیفہ کھلی ہوئی سازش اور آثار بغاوت کی تصدیق کے بعد بھی اپنے مقامِ رحمت و عدالت سے نیچے نہیں آتا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایسی حالت کے باوجود فدک والوں کی زمین و جائداد کی مناسب قیمت لگا کر رقم ان کے حوالے کی اس کے بعد انہیں چلے جانے کا حکم دیا[1]

[1] الاموال ص ۹۔ الخراج لیحییٰ ص ۳۴۔ فتوح البلدان ج ۱۔

Marfat.com

ابو عبیدؒ کہتے ہیں :

فلما اجلاھم عمر بعث معھم من اقام لھم حظھم من الارض و النخل فاداہ الیھم [1]

جب عمرؓ نے انہیں منتقل کرنا چاہا تو واقف کار شخص کو بھیج کر ان کی زمینوں اور باغات کی قیمت لگائی رقم ان کے حوالہ کی۔

خلافت مصلحتِ ملکی اور مفادِ عامہ کے پیشِ نظر جن لوگوں کو منتقل کرتی ہے ان کی آبادکاری اور مناسب سہولتوں کی فراہمی اس کے ذمہ ہوتی ہے اور حقوق و مراعات میں انہیں اصل باشندوں پر فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ حالات کے سدھرنے تک سرکاری مطالبات سے انہیں سبکدوش کر دیا جاتا ہے اور بالآخر ایسی فضا پیدا کر دی جاتی ہے کہ وہ اس نئی جگہ کو اپنے اصلی وطن سے زیادہ پسند کرنے لگتے ہیں۔

(۵)

رسول اللہ کے بعد فدک کی زمین اور باغ کا معاملہ اور عدالت اسلامی سے اس کا فیصلہ

فدک زمین رسول اللہؐ (خلافت) کے لیے "خالصہ" تھی آپ اپنے اہل و عیال کا خرچ اسی زمین کی آمدنی سے چلایا کرتے تھے۔ آپ کے وصال کے بعد ایک اہم سوال پیدا ہو گیا کہ آیا یہ زمین آپ کے وارثوں کا حق ہے یا خلافت کا۔ صدیقؓ و فاروقؓ نے ذیل کی تصریحات کے پیش نظر یہ فیصلہ دیا کہ چونکہ پیغمبر کے ترکہ میں وراثت نہیں جاری ہوتی ہے بلکہ ساری چیزیں مفادِ عامہ کے کاموں کے لیے وقف ہوتی ہیں اس لیے یہ زمین خلافت کی ہوگی اور بطور ترکہ تقسیم نہیں کی جائیگی۔

تصریحات یہ ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

لا یقتسم ورثتی دینارا [2]

میرے وارث دینار نہ تقسیم کریں۔

پوری جماعتِ انبیاء کے متعلق آپؐ نے فرمایا:۔

لا نورث ما ترکنا صدقۃ [3]

ہم (جماعت انبیاء) وارث نہیں بناتے ہمارا ترکہ صدقہ ہے (جو عام مصالح پر صرف کیا جائے گا)

---

[1] بخاری و مسلم [2] ایضاً

پہلی حدیث کے پیش کرنے کا مقصد یہ تھا کہ جب رسول اللہ نے اموالِ منقولہ کی تقسیم کو منع فرمایا ہے تو غیر منقولہ زمین جائداد وغیرہ بدرجۂ اولیٰ تقسیم نہ ہونی چاہیے۔ اور دوسری حدیث میں آپ نے خود ہی ہر قسم کے ترکہ کے متعلق خواہ وہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ تصریح کر دی ہے، انہی تصریحات کے پیش نظر حضرت علیؓ خود بھی اپنے زمانۂ خلافت میں اپنے پیشروؤں کے فیصلہ پر قائم رہے اور آپ کا ترکہ تقسیم نہیں کیا[1]

حیرت ہے کہ رسول کے وہ جاں نثار صحابہ جو رسول کی اولاد کو دیکھ کر اپنا ایمان تازہ کیا کرتے تھے، جب آپ کی عزیز ترین صاحبزادی حضرت فاطمہ کے دعوئے وراثت کا فیصلہ سنانے کا وقت آتا ہے تو کس طرح جذبات سے الگ ہو کر انصاف اور صفائی کے ساتھ فیصلہ سناتے ہیں اور خود ان کے شوہر محترم حضرت علیؓ خلیفہ ہونے کے بعد بھی اسی پر قائم رہتے ہیں یہ اسلامی عدل و انصاف اور انسانی مساوات کا ایک ایسا نمونہ ہے جس کی نظیر تاریخ کی دنیا میں نہیں ملتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومتِ الٰہی کا نظام کتنا بلند اور عادلانہ تھا کہ اس کی نظرِ انصاف میں قریب و بعید، حاکم و محکوم، خلیفہ اور عامۃ الناس سب یکساں تھے اور تمام اہلِ ملک قواعدِ مملکت کی پابندی میں مساوی۔

اس فیصلہ میں قرابت داروں کے ساتھ ناجائز رعایتیں جائز رکھنے والے حاکموں کے لیے بڑی عبرت اور سبق ہے۔

رسول اللہ اگر چاہتے تو اپنی زندگی میں نہ معلوم اپنی اولاد کے لیے کیا کچھ نہ کر جاتے، اور اگر آپ نے نہیں کیا تھا تو آپ کے جانشین خلفا اپنے سب سے بڑے محسن کی اولاد کے لیے بہت کچھ کر سکتے تھے، مگر رحمۃ للعالمین جس رحمت کو عام کرنے کے لیے تشریف لائے تھے اس میں اتنی بھی گنجائش نہیں تھی کہ مفادِ عامہ کے خلاف زمین کا تھوڑا حصہ بھی آپ کے خاندان کے لیے مستقل ہو جائے اور یہ حصہ نسلاً بعد نسلٍ اسی میں منتقل ہوتا رہے۔

---

[1] نووی شرح مسلم ج ۲۔ ص ۹۰۔

Marfat.com

یہ ہے اُس نظامِ الٰہی کا پرتو جس کی روشنی اور ہدایت کے لیے آج بھی دنیا بے قرار ہے اور جس کے بغیر وہ اِدھر اُدھر کی ٹھوکریں کھاتی پھر رہی ہے نہ اُس کو حقیقی امن و عدل کا سراغ ملتا ہے اور نہ مساوات و رواداری کو عملی جامہ پہنانے کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو رہا ہے[۱]۔

(۶) ایلہ والوں سے معاہدہ کے وقت جو کچھ طے ہو گیا تھا اس کے علاوہ اور کوئی شے نہیں طلب کی گئی تھی۔

"ایلہ" شام میں ایک مقام تھا۔ ایلہ والوں سے ایک مقررہ مقدار کی ادائیگی پر معاہدہ ہو گیا تھا۔ ان سے معاہدہ ہو جانے کے بعد خلافت کی جانب سے نہ کبھی اس کی خلاف ورزی کی گئی اور نہ مقررہ مقدار کے علاوہ کبھی کوئی شے طلب کی گئی۔ رسول اللہؐ نے ان کی ہر طرح سے جان و مال کی حفاظت کے لیے یہ عہد نامہ لکھ دیا تھا۔

ھٰذہ امنۃ من اللہ و محمد النبی رسول	یوحنہ بن روبہ اور اہل ایلہ کے لیے اللہ اور محمد رسول
اللہ لیوحنہ بن رؤبۃ و اھل ایلۃ	اللہ کی طرف سے یہ عہد نامہ ہے کہ ان کے جہاز قافلہ
لسفنھم ولسیارتھم ولبحرھم ولبرھم	بحر و بر غرض ان کی ہر چیز اللہ اور محمد کی ذمہ داری
ذمۃ اللہ و ذمۃ محمد النبی ولمن کان	اور حفاظت میں رہیگی۔ ہر وہ شخص جو شام و یمن
معھم من کل مار من الناس من اھل	اور بحر کا ان کے ساتھ ہو گزریگا وہ بھی محفوظ
الشام والیمن واھل البحر..... ولا	رہیگا۔ جس پانی پر ان کا قافلہ گزریگا اس کو
یحل ان یمنعوا ماء یردونہ ولا طریقا	روکا نہ جائیگا۔ خشکی اور تری کے جس راستے سے
یردونھا من بر او بحر الخ[۲]	یہ لوگ گزرنا چاہینگے گزرنے کی اجازت ہوگی۔

ایلہ دراصل ایک مشہور بندرگاہ اور اہم تجارتی مرکز شمار کیا جاتا تھا اس لیے رسول اللہ

---

[۱] معاملۂ فدک کی تحقیق و تفصیل کے لیے درج ذیل کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے۔
بخاری ج ۲۔ مسلم ج ۲۔ البدایۃ والنہایۃ ج ۴ و ۵۔ نووی ج ۲۔ فتوح البلدان ج ۱۔ عینی ج ، حاشیہ فیض الباری للعلامہ انور ج ۳ و ۴۔ فتح الباری ج ۶ و ۷۔ کتاب الخمس تالیف ابی حفص بن شاہین از عمدۃ القاری۔ الخراج لیحیٰی۔ زاد المعاد ج ۲۔ الاموال۔ الجوہر النقی ج ۲۔ احکام القرآن جصاص ج ۳۔ الاحکام السلطانیہ۔ تحفۂ اثنا عشریہ

[۲] الاموال ص ۲۰۰۔

معاہدہ میں یہ تحریر فرمایا تھا کہ بندرگاہ ایلہ میں جو بھی تجارتی جہاز یا قافلہ آئے خواہ وہ شامیوں اور ان ممالک ہی کا کیوں نہ ہو جن سے خلافت کی اس وقت جنگ ہے وہ سب مامون و محفوظ رہینگے۔ اسی طرح ایلہ والوں کو اسلامی مملکت میں اور تمام ان ممالک میں جو اسلامی مملکت سے اس وقت برسرپیکار ہیں آزادانہ تجارت کرنے کا اختیار ہوگا۔ انہیں کہیں بھی کسی قسم کی روک ٹوک نہ ہوگی۔

مدینہ کے قرب وجوار میں بسنے والے لوگوں سے رسول اللہ نے جتنے معاہدے کیے تھے وہ بے کم و کاست پورے کیے گئے، خلاف ورزی کی ایک مثال بھی نہیں ملتی۔

مدینہ پہنچنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرب وجوار کے بسنے والے تمام قبیلوں سے معاہدہ کر لیا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ خلافت کی جانب سے کبھی اس کی خلاف ورزی نہیں کی گئی حالانکہ یہ معاہدے عموماً ابتدائی زمانہ میں ہوئے تھے جبکہ مسلمانوں کو قوت وطاقت کچھ حاصل نہیں تھی لیکن خلافت نے قوت وطاقت حاصل کرنے کے بعد بھی ان معاہدوں کی اسی طرح پابندی کی جس طرح کمزوری کی حالت میں وہ کرتی رہی تھی۔ اسی طرح انصار کے قبیلوں نے آس پاس کے جن قبائل سے زمانہ جاہلیت میں معاہدہ کر رکھا تھا رسول اللہ نے ان سب کی حفاظت و نگرانی کی کہیں ایک نظیر بھی ان کے خلاف ورزی کی نہیں پیش کی جاسکتی۔ اس زمانہ کے چند عہدنامے یہ ہیں:۔

قبیلہ بنو ضمرہ کو آپ نے یہ عہدنامہ لکھ کر دیا تھا جس کی رو سے وہ آپ کے ہمیشہ کے لیے حلیف بن گئے تھے۔

(۱) بانهم آمنون على اموالهم و انفسهم۔	اس بات پر معاہدہ ہے کہ ان کے اموال اور ان کی جانیں محفوظ ہونگی۔
(۲) وان لهم النصر على من دهمهم بظلم۔	اور ہر اس شخص کے خلاف ان کی مدد کی جائیگی جو ظلم سے ان پر یکایک ٹوٹ پڑے۔
(۳) وعليهم نصر النبي ما بل بحر صوفة	ان لوگوں پر بھی نبی صلعم کی مدد کرنا واجب ہے جب تک

Marfat.com

الا ان یحاربوا فی دین اللہ	کہ سمندر سیپ کو گیلا کرتا ہے، البتہ دینی جنگ ان کی مدد سے مستثنیٰ رہیگی۔
(۴) علیھم بذلک ذمۃ اللہ ورسولہ	اس بارے میں ان پر اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری ہے۔ مدد کے مستحق یہ لوگ اس وقت ہونگے جب تک یہ
(۵) ولھم النصر علی من بر منھم واتقی [1]	نیکی کرتے رہیں اور بُری بات سے بچتے رہیں (عہد کی پابندی کرتے رہیں اور بدعہدی سے پرہیز کریں)

قبیلہ جہینہ کو رسول اللہ نے جو عہد نامہ لکھ کر دیا تھا اس کے یہ الفاظ ہیں:

انہم امنون علی انفسھم واموالھم وان لھم النصر علی من ظلمھم اوحاربھو الا فی الدین ولاھل بادیتھم من برمنھم واتقی مالحاضرتھم [2]	ان کی جانیں اور اموال سب محفوظ ہونگے۔ اگر ان کے خلاف کوئی جنگ کریگا یا ان پر ظلم کریگا تو ان کی مدد کی جائیگی البتہ دین کا معاملہ اس سے مستثنیٰ ہے ان کے خانہ بدوشوں کو وہی حقوق حاصل ہیں جو ان کے شہریوں کو ہیں جب تک وہ عہد کی پابندی کرتے رہیں اور عہد شکنی سے بچتے رہیں۔

قبیلہ اشجع کے ایک سربراہ کا نعیم بن مسعود کو آپ نے یہ لکھ کر دیا تھا۔

حالفہ علی النصر والنصیحۃ ما کان احد مکانہ مابل بحر صوفۃ [3]	رسول اللہ نے مدد اور خیر خواہی کے لیے اس کو حلیف بنایا ہو جب تک کہ احد پہاڑ اپنی جگہ پر رہے اور جب تک سمندر سیپ کو گیلا کرتا رہے۔

ان قبائل کے علاوہ اور جتنے معاہدے بھی آپ نے خزاعہ، اسلم، قضاعہ، عذرہ وغیرہ قبائل سے کیے تھے خلافت ان سب پر بے کم وکاست پابندی کے ساتھ عمل کرتی رہی اور یہ لوگ اپنی زمین جائداد، صنعت وحرفت وتجارت ـــ ہر چیز پر دستور بحال رکھے گئے۔

---

[1] طبقات ابن سعد بحوالہ رسول اللہ کی سیاسی زندگی [2] و [3] ایضاً

اس موقع پر یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ خلافت ہمیشہ ہر گروہ اور ہر قبیلہ کے ساتھ معاہدہ کرنے میں پیش پیش رہا کرتی تھی اور اکثر و بیشتر معاہدہ کی تحریک خلافت ہی کی جانب سے ہوا کرتی تھی، اور معاہدہ بین الاقوامی اصول پر کیا جاتا تھا اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اسلام دنیا میں کشت وخون کرنے اور تلوار چلانے کے لیے نہیں آیا ہے بلکہ صلح پھیلانے اور امن و شانتی کی فضا پیدا کرنے کے لیے آیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے پہلے ہی سال مدینہ پہنچ کر یہ مناسب خیال فرمایا کہ اندرونی سیاسی انتظامات کے پیش نظر ہر مذہب و ملت کے لوگوں سے بین الاقوامی اصول پر ایک معاہدہ کر لیا جائے تاکہ سب کو ایک دوسرے سے مدد اور اعانت ملتی رہے اور نسل و مذہب میں اختلاف کے باوجود قومیت کی وحدت قائم رہے۔

مدینہ میں مختلف نسل اور قبیلہ کے لوگ آباد تھے ان کے مذاہب بھی تقریباً الگ الگ تھے، یہودیوں کے کئی قبیلے خصوصیت کے ساتھ بہت طاقتور تھے اور اپنے جداگانہ قلعوں میں رہا کرتے تھے ان سب سے آپ نے بین الاقوامی اصول پر معاہدہ کر لیا۔ ان کے علاوہ مدینہ کے گرد و نواح میں جتنے قبائل بستے تھے ان سب سے آپ نے معاہدہ کیا اور ہجرت کے پہلے ہی سال آپ نے اس مبارک مقصد کے لیے ودان تک سفر فرمایا اور قبیلہ بنی حمزہ کو اس معاہدہ میں شریک کر لیا، اور اسی ارادہ سے ہجرت کے دوسرے سال آپ رضوی کی طرف تشریف لے گئے اور کوہ بواط کے لوگوں کو معاہدہ میں شریک کیا، اسی سال ذی العشیرہ تشریف لے گئے اور قبیلہ بنو مدلج سے معاہدہ کر لیا۔

رسول اللہ کے ان معاہدوں کی وجہ سے ان میں ضم ہونے کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا کیونکہ اسلام جس طاقت کو لے کر آیا تھا اور جو جاذبیت اس میں پائی جاتی تھی اس کی وجہ سے دوسروں کو جذب ہونے کا خطرہ پیدا ہوتا تھا نہ کہ اسلام اور مسلمانوں کو۔ اس کے علاوہ مدینہ میں مسلمانوں کو جس قسم کی پوزیشن حاصل تھی اور تحریک کے ہمہ گیر ہونے کی وجہ سے جو روز افزوں ترقی ہو رہی تھی اور مسلمانوں کو اسلام کے ساتھ جس قدر والہانہ شغف تھا اسے دیکھ کر اس کا تصور بھی نہیں کیا

محمد علی نظام

Marfat.com

جا سکتا۔ پھر مدینہ پہنچ کر رسول اللہ نے جو کام سب سے پہلے کیا وہ جماعتی حیثیت سے علیحدہ تنظیم کا تھا، جس کی عدالت، قانون، حاکم، نظامِ زندگی، طریقِ فکر، غرض ساری چیزیں الگ تھیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ جن سے معاہدہ کیا تھا انہیں حاکم مان کر اوران سے مرعوب ہو کر ان سے معاہدہ نہیں کیا تھا۔

خلافتِ اسلامی کے ان ابتدائی معاہدوں کا عموماً یہ مقصد ہوتا تھا کہ اللہ کے نام پر اللہ کے بندوں کو ایک مرکز پر جمع کیا جائے تاکہ مختلف قبیلوں کے درمیان جو خانہ جنگی جاری تھی اور جس کی وجہ سے خلقِ خدا کے خون سے اللہ کی زمین رنگین ہوا کرتی تھی اس کا انسداد ہو اور مکہ کے لوگ مسلمانوں کے خلاف ان کو برانگیختہ نہ کر سکیں۔

خلاصہ یہ کہ لوگ خود زندہ رہیں اور دوسروں کو زندہ رہنے دیں اور اس سلسلہ میں ایک دوسرے کی بھلائی و امداد جو کچھ کر سکتے ہوں وہ کریں۔

(۸)

اہلِ مدینہ سے معاہدہ کی چند دفعات

مزید اس کی وضاحت ان دفعات سے ہوتی ہے جو معاہدہ میں طے پائی تھیں اہلِ مدینہ سے جو معاہدہ ہوا تھا ذیل میں اس کی چند دفعات درج کی جاتی ہیں۔

(۱) انھم امۃ واحدۃ — یہ سب لوگ (جن کے آپس میں معاہدہ ہوا ہے) ایک ہی اُمت سمجھے جائیں گے۔

(۲) ان یھود بنی عوف امۃ مع المومنین۔ — قبیلہ بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک امت ہیں (مدد و غمخواری میں دونوں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہیں)

(۳) وان بینھم النصر علی من حارب اھل ھذہ الصحیفۃ — جو کوئی اس معاہدہ کرنیوالوں کے ساتھ جنگ کریگا تو اس کے خلاف یہ سب مل کر جنگ کرینگے۔

(۴) وان بینھم النصح والنصیحۃ والبر دون الاثم — ان کے آپس کے تعلقات باہمی خیرخواہی و خیراندیشی اور نیکی و بھلائی کے ہونگے نقصان اور گناہ کے نہ ہونگے۔

Marfat.com

(۵) وان الیہود ینفقون مع المومنین	یہودی جنگ کے دنوں میں مسلمانوں کے ساتھ
ما داموا محاربین۔	مصارف میں شریک ہونگے (اسی بنا پر ان کو غنیمت
	میں حصہ ملتا تھا۔
(۶) وان بطانۃ یہود کانفسہم	جو یہودیوں کے دوستدار ہونگے ان کے حقوق بھی انہی جیسے ہونگے
(۷) وانہ لم یاثم امرء بحلیفہ	حلیف کے ساتھ کوئی شخص مخالفانہ کاروائی نہ کریگا۔
(۸) وان النصر للمظلوم	مظلوم کی مدد اور نصرت کی جائیگی۔
(۹) وان یثرب حرام جوفہا	مدینہ کے اندر کشت و خون کرنا معاہدہ کرنے والے سب
لاہل ھذہ الصحیفۃ	لوگوں پر حرام ہوگا۔
(۱۰) وان الجار کالنفس غیر	پڑوسی معاہدین کی طرح ہونگے انہیں بھی کوئی ضرر
مضار ولا اثم	نقصان نہ پہنچایا جائیگا۔
(۱۱) وان بینہم النصر علی من	جب کوئی مدینہ پر اچانک ٹوٹ پڑے تو سب مل کر اس
دھم یثرب۔	کی مدافعت کرینگے۔
(۱۲) للیہود دینہم وللمومنین	دونوں اپنے اپنے دین پر قائم رہینگے یہودی اپنے دین
دینہم۔	پر اور مسلمان اپنے دین پر۔
(۱۳) وانہ ما کان بین ھذہ الصحیفۃ	ان معاہدین کے درمیان اگر کوئی نئی فساد کی بات
من حدث یخاف فسادہ فان	پیدا ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ اور محمدؐ کے
امرہ الی اللہ والی محمد النبی	سپرد ہوگا۔
(۱۴) وان لیہود بنی النجار مثل ما	قبیلہ بنی نجار کے یہودی معاہدہ میں بنو عوف جیسے
لیہود بنی عوف وان لیہود	ہیں۔ اور قبیلہ بنو حرث کے یہودی معاہدہ میں
بنی حرث مثل ما لیہود بنی	بنو عوف جیسے ہیں۔
عوف۔ وان لیہود بنی جشم	اور قبیلہ بنو جشم کے یہودی معاہدہ میں بنو عوف

Marfat.com

مثل ما لیھود بنی عوف ۔ وان لیھود	جیسے ہیں قبیلہ بنو ساعدہ کے یہودی معاہدہ
بنی ساعدۃ مثل ما لیھود بنی عوف	میں بنو عوف جیسے ہیں۔ قبیلہ اوس کے یہودی
وان لیھود الاوس مثل ما لیھود	معاہدہ میں بنو عوف جیسے ہیں۔ البتہ وہ شخص
بنی عوف الا من ظلم فانہ لا یوتغ	مستثنیٰ ہوگا جو ظلم کریگا ایسی صورت میں وہ اپنے
الا نفسہ واھل بیتہ وانہ لا	کو اور اپنے گھر والوں ہی کو ہلاکت میں ڈالیگا
یخرج احد منھم الا باذن محمد	ان میں کا کوئی بغیر محمد صلی اللہ کی اجازت
صلی اللہ علیہ وسلم [1]	کے نہ نکلیگا۔

مدینہ دراصل مختلف قبیلوں اور مختلف مذہبوں کا مجموعہ تھا۔ ان میں بت پرست تھے اور کم تعداد میں عیسائی تھے لیکن یہودیوں کی تعداد بہت کافی تھی اور ان کے کئی زبردست قبیلے تھے، قبیلہ بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع اپنے جداگانہ قلعوں میں رہا کرتے تھے۔ تجارت اور سودخواری کی وجہ سے یہودی بہت مالدار تھے اور مدینہ میں انہی کو زیادہ قوت وطاقت حاصل تھی۔

مدینہ والوں کے ساتھ یہ معاہدہ بالکل ابتدائی زمانہ کا ہے لیکن خلافت کی جانب سے کبھی اس کی خلاف ورزی نہیں کی گئی اور نہ معاہدہ کے خلاف کبھی کوئی کارروائی کی گئی۔ ان سب لوگوں کو زمانۂ خلافت میں عدالتی وقانونی خودمختاری حاصل تھی۔ انہی کا قانون تھا، انہی کے حکام تھے اور انہی کے فریقین مقدمہ۔ البتہ انہیں اس بات کی اجازت تھی کہ اپنی خوشی سے چاہیں تو اسلامی عدالت میں مقدمہ پیش کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اس قسم کے بعض مقدمات کی سماعت رسول اللہ نے خود فرمائی تھی اور ان کے قانون شخصی (تورات کے حکم) کے مطابق فیصلہ دیا تھا۔[2]

---

[1] سیرت ابن ہشام۔ ج ۱۔ والاموال لابی عبید ص ۲۰۲ و ۲۰۵۔
[2] رسول اللہ کی سیاسی زندگی

Marfat.com

(۹)
تیماء والوں نے اسلام کے احسان وسلوک سے متاثر ہو کر جو معاہدہ کر لیا تھا اس کی ہمیشہ پابندی کی گئی۔

"تیماء" مدینہ کے قریب ایک مقام تھا بعض کے نزدیک یہ مقام ملک شام میں تھا۔

وادی القریٰ والوں کے ساتھ رحمۃ للعلمین کے احسان وسلوک کو جب ان لوگوں نے بچشم خود دیکھا تو ایک مقررہ مقدار کی ادائیگی پر خلافت کے ساتھ معاہدہ کر لیا تھا۔ اس کے بعد یہ لوگ اپنی جگہ پر مقیم رہے۔ ہر چیز انہی کے قبضہ میں رکھی گئی۔ زمین جائداد وغیرہ سب انہی کے پاس رہنے دی گئی۔ خلافت ہر طرح سے ان کے جان ومال کی حفاظت کرتی تھی اور طے شدہ مقدار کے علاوہ کوئی اور شے ان سے وصول نہیں کرتی تھی[1]۔

تیماء والوں کو رسول اللہؐ نے یہ عہد نامہ لکھ کر دیا تھا۔

ان لھم الذمۃ وعلیھم الجزیۃ ولا عداء ولا اجلاء اللیل مد والنھار شد[2]	ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری ہے ان کو جان ومال کی حفاظت کا معاوضہ (جزیہ) ادا کرنا ضروری ہے نہ ان پر کسی قسم کا ظلم ہوگا اور نہ شہر بدر کیے جائینگے، رات اس معاہدہ کو دراز کیا کریگی اور دن اس میں شدت پیدا کریگا۔

(۱۰)
اہل مکہ سے بھی رسول اللہؐ نے معاہدہ کر لیا تھا اور ان کی منہ مانگی شرطیں منظور فرمالی تھیں لیکن بعد میں انہی کی جانب سے خلاف ورزی ہوئی تھی جس کی بنا پر جنگ کی نوبت آئی تھی۔

ہجرت کے چھٹے سال ذی قعدہ کے مہینے میں حدیبیہ کے مقام پر رسول اللہؐ نے مکہ والوں سے بھی معاہدہ کر لیا تھا یہ وہی مکہ والے تھے جن کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔ اس کے باوجود معاہدہ کے وقت جو جو شرطیں ان لوگوں نے آپؐ کے سامنے پیش کیں وہ سب بلا چون وچرا آپ نے منظور فرمالیں تھیں حالانکہ اس وقت چودہ سو فوجی آپ کے ساتھ تھے اور تقریباً ڈیڑھ

---

[1] فتوح البلدان ذکر وادی القریٰ وتیماء [2] تاریخ ابن سعد

Marfat.com

ہزار مدینہ میں مقیم تھے۔

ان فوجیوں کی طرف سے مکہ والوں کی منہ مانگی شرطیں منظور نہ کرنے کی تحریک پیش کی گئی لیکن رحمۃ للعلمین جس رحمت کو عام کرنے کے لیے تشریف لائے تھے اور جس قسم کی الٰہی حکومت اس زمین پر قائم کرنا چاہتے تھے اس کی سیاستِ خارجہ اس بات کی اجازت نہ دیتی تھی کہ اصل مقصد کو چھوڑ کر چھوٹی چھوٹی باتوں میں الجھا جائے۔ یا مستقبل کی تعمیر کو نظر انداز کر کے حال کی معمولی معمولی چیزوں پر دھیان دیا جائے اس لیے آپ نے ان لوگوں کی تحریک کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں فرمائی اور سمجھا بجھا کر سب کو خاموش کر دیا۔

مکہ والوں کی طرف سے معاہدہ کے سربراہ کار سہیل بن عمرو تھے اور مسلمانوں کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خلیفۂ اسلام) تھے، اور معاہدہ میں درج ذیل قرار دادیں طے پائی تھیں:-

(۱) یہ معاہدہ دس سال کے لیے ہوگا اس درمیان میں دونوں طرف کے لوگ ایک دوسرے سے محفوظ رہینگے۔

(۲) محمدؐ کے ساتھیوں میں سے جو شخص حج اور عمرہ یا تجارت کے لیے مکہ آئیگا تو اس کی جان و مال کو امان ہوگا اسی طرح مکہ کے لوگوں میں سے جو شخص تجارت کے لیے مصر، شام، عراق جاتے ہوئے مدینہ سے گزریگا تو اس کی جان و مال کی حفاظت کی جائیگی۔

(۳) مکہ کے لوگوں میں سے جو شخص اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر (بھاگ کر) محمدؐ کے پاس آئیگا تو وہ اس کو واپس کرنے کے ذمہ دار ہونگے، لیکن محمدؐ کے ساتھیوں میں سے اگر کوئی بھاگ کر آئیگا تو مکہ والے اس کو آپ کے حوالے نہ کرینگے۔

(۴) ہمارے سینے ہر طرح سے بند رہینگے، نہ ایک دوسرے کے خلاف غداری کرینگے اور نہ خفیہ و علانیہ ایک دوسرے کے مخالف کی مدد کرینگے۔

(۵) دوسرے قبیلہ اور علاقہ کے لوگ خود مختار رہینگے جس کا جی چاہے محمدؐ سے معاہدہ

Marfat.com

کرے اور جس کا جی چاہے مکہ والوں سے۔ اس میں کسی طرح کسی پر کسی کا دباؤ نہ ہوگا۔

(۶) اس سال آپ لوگوں کو مکہ آنے کی اجازت نہ ہوگی البتہ آئندہ سال آسکتے ہیں

(۷) قربانی کے لیے جو جانور آپ کے ساتھ ہیں ان کو یہیں ذبح کر دیا جائے مکہ میں ذبح کرنے کی اجازت نہیں دی جائیگی۔

(۸) ہمارے اور آپ لوگوں کے فرائض اور حقوق مساویانہ ہونگے کسی کو کسی پر کسی حیثیت سے برتری نہ حاصل ہوگی۔

اس عہد نامہ پر رسول اللہ اور سہیل بن عمرو کے دستخط تھے۔ اور مسلمانوں کی طرف سے گواہ ابو بکرؓ، عمرؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ۔ ابو عبیدہ بن جراحؓ۔ عبداللہ بن سہیل بن عمرو، محمود بن مسلمہ وغیرہ تھے اور قریش (مکہ) والوں کی طرف سے مکرز بن حفص وغیرہ تھے۔ کاتب حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے[1]

مکہ کے عہد نامہ کے متعلق چند قابل غور باتیں اور اسلامی سیاستِ خارجہ کی ایک مثال (۱۱)

اس عہد نامہ کے سلسلہ میں چند باتیں قابلِ ذکر ہیں:۔

(۱) اسلامی دستور یہ ہے کہ تحریروں کی ابتدا میں پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا جاتا ہے اور عرب جاہلیت کے زمانہ میں باسمک اللّٰھم لکھا جاتا تھا۔ رسول اللہ اسلامی دستور کے مطابق عہد نامہ لکھانا چاہتے تھے اور قریش اپنے قدیم دستور کے مطابق۔ چونکہ ان دونوں میں کوئی خاص بنیادی فرق نہیں تھا اس لیے آپ نے ان کی اس شرط کو منظور فرما لیا تھا۔

(۲) اس حقیقت کے واضح کرنے کے لیے کہ یہ تحریر محمدؐ کی طرف سے ہے آپؐ من محمد رسول اللہ لکھا کرتے تھے لیکن مکہ والوں نے کہا کہ لفظ "رسول" اس تحریر میں ہم نہیں آنے دینگے کیونکہ اسی بنا پر تو آپ سے ہمیں اختلاف ہے۔ رسول اللہ نے ان کی اس بات کو بھی

---

[1] بخاری و مسلم اور رسول اللہ کی سیاسی زندگی ص ۱۲۶۔

Marfat.com

غالباً اس خیال سے منظور فرمالیا تھا کہ آج نہیں تو کل ان لوگوں پر اصل حقیقت واضح ہو کر رہیگی۔ چنانچہ یہی سہیل بن عمرو جو اسم مبارک محمدؐ کے ساتھ رسول اللہ لکھنے پر اعتراض کرتے تھے چند سال کے بعد دلی شوق اور امنگ سے مسلمان ہو گئے تھے اور ان کی تقریریں ہزاروں مسلمانوں کے لیے ایمان کی تازگی کا باعث بنتی تھیں۔

(۳) بلا وجہ اس سال عمرہ کرنے کی اجازت نہ دینے اور واپس چلے جانے کی شرط بھی سخت تھی کیونکہ یہ وہ مہینہ تھا جس میں مکہ والے بھی لڑائی وغیرہ حرام سمجھتے تھے لیکن آپ نے اسے بھی منظور فرمالیا تھا۔

(۴) یہ شرط کہ محمدؐ ہمارا آدمی واپس کر دیں اور ہم ان کا آدمی واپس نہیں کرینگے۔ بالکل ناقابلِ برداشت تھی کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہی شخص بھاگ کر پناہ کے لیے آسکتا تھا جو اسلام قبول کرنے کی وجہ سے مکہ والوں کی سفاکی سے تنگ آچکا ہوتا۔ ظاہر بات ہے کہ ایسی حالت میں اس شخص کو دوبارہ مکہ واپس کر دینا گویا آگ کے الاؤ میں جھونک دینے کے مرادف تھا لیکن رسول اللہ نے اپنی پیغمبرانہ مصلحت بینی و دور اندیشی سے صحابہ کے انکار پر اصرار کے باوجود اس شرط کو بھی منظور فرمالیا تھا۔ چنانچہ بعد میں چند مسلمان پناہ کے لیے مدینہ آئے تو آپ نے انہیں حسب معاہدہ فوراً واپسی کا حکم دیا۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ رسول اللہ نے اس موقع پر اجتماعی مفاد کے تحفظ اور مستقبل کی تعمیر کی خاطر جذباتی چیزوں اور انفرادی مفاد کو کس طرح نظر انداز کیا تھا بلا چون و چرا اہلِ مکہ کی تمام شرطوں کے منظور کرنے کی اس کے علاوہ اور کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ اگر چند دن کے لیے بھی ان کی طرف سے امن و امان ہو جائیگا تو اسلام کی داخلی و خارجی سیاست کو دل کھول کر بروئے کار لانے کا موقع ملیگا اور دوسری تمام مہموں کو سر کرنے کے لیے راہیں آسان ہو جائینگی جن سے ایک طرف تو جماعتی زندگی میں مضبوطی اور پائداری پیدا ہوگی اور دوسری طرف اسلامی رحمت کو عام کرنے کے لیے سہولتیں پیدا ہونگی۔

Marfat.com

اس موقع پر یہ بات فراموش نہ کرنا چاہیے کہ جس وقت یہ معاہدہ ہوا ہے اس وقت قوت وطاقت کے اصل مرکز دو تھے۔ (۱) خیبر (۲) اور مکہ۔ جب دونوں سے بیک وقت مقابلہ کرنے کی طاقت وہمت نہیں تھی تو ایسی حالت میں سیاست دانی کا تقاضا یہی ہو سکتا ہے کہ دونوں دشمنوں میں سے ایک کے ساتھ صلح کر کے دوسرے کے مقابلہ میں اس کو دوست بنا لیا جائے یا کم از کم معاہدہ کی شرطوں کے مطابق غیر جانبدار بنا دیا جائے۔

مکہ والے اپنی مذکورہ شرطوں کے مطابق دوست تو نہیں بن سکے تھے لیکن غیر جانبدار ضرور ہو گئے تھے اس لیے رسول اللہ نے کسی اور بات میں الجھنا مناسب نہ سمجھتے ہوئے ان کی تمام شرطوں کو منظور فرما لیا تھا۔

یہ معاہدہ اسلامی سیاستِ خارجہ کے سمجھنے کے لیے شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے، اور اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ اسلام کی ہر پالیسی خواہ داخلی ہو یا خارجی بڑی چیز کی خاطر چھوٹی چیز کے قربان کر دینے کا مطالبہ کرتی ہے۔ اور اس میں مستقبل کی مستقل تعمیر کے لیے حال کی جذباتی اور وقتی چیزوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک اور بات قابلِ ذکر ہے وہ یہ کہ اس معاہدہ سے پہلے مکہ والوں کو سخت قسم کے قحط سے دوچار ہونا پڑا تھا اور یمامہ جو ان لوگوں کی رسد کا مرکز تھا اس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ رسول اللہ نے نظریۂ رحمت کے پیشِ نظر ایسے موقع پر حسب ذیل طریقوں پر ان کی امداد فرمائی۔

(۱) یمامہ سے جو رسد جاتی تھی اس کو حسب سابق جاری کرا دیا تھا[1]

(۲) ان کے غربار وفقرار کی امداد کے لیے پانچ سو اشرفیاں روانہ کی تھیں[2]

(۳) مختلف سامانِ ضرورت کھجور وغیرہ ابوسفیان کو بھیج کر اس کے معاوضہ میں جانوروں کی کھالیں طلب کی تھیں[3]

---

[1] سیرت ابن ہشام از رسول اللہ کی سیاسی زندگی [2] مبسوط للسرخسی ج ۱۔ اور شرح السیر الکبیر للسرخی۔ ج ۱۔ از حوالہ بالا [3] ایضاً

Marfat.com

اس طرح مکہ کے لوگ اسلامی طاقت کے مقابلہ میں تین مختلف دوروں سے گذرے ہیں

(۱) مسلمانوں سے برسرپیکار رہے، یہ معاہدہ ہونے سے پہلے کا زمانہ تھا ایسے موقع پر رحمۃ للعلمین نے قحط کے زمانہ میں ان کی ہر ممکن امداد فرمائی۔ یہ اسلام کی عالمگیر رحمت ہی کا کارنامہ ہے کہ اس کی رحمت کا دریا اس کے کٹر سے کٹر دشمن کے لیے بھی جوش میں آجاتا ہے۔ ایسے موقع پر دنیا کی قدیم و جدید حکومتوں کا ذکر کرنا ہی فضول ہے کیونکہ ایسی حالت میں ان حکومتوں کو دل کھول کر دشمنی کی آگ بجھانے کا موقع ملتا ہے۔

(۲) مسلمانوں سے باہم گرامون و محفوظ رہنے کا معاہدہ کیا تھا تاریخ شاہد ہے کہ کبھی مسلمانوں کی جانب سے معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کی گئی۔ بلکہ انہی لوگوں نے مسلمانوں کے ایک حلیف قبیلہ کے خلاف خفیہ مدد پہنچائی تھی اور معاہدہ کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے تھے[1]

(۳) مسلمانوں نے بغیر لڑائی جھگڑے کے غلبہ کے ساتھ ان پر فتح حاصل کی اور ان کے ساتھ جس قسم کا شریفانہ برتاؤ کیا تھا اس کی کچھ تفصیل اوپر گزر چکی ہے

مکہ کی پوری تاریخ پر نظر ڈالنے سے اسلام کی خارجی سیاست، عالمگیر رحمت۔ اور مسلم جماعت کی شرافت کا پتہ چلتا ہے اور اسی حیثیت سے اس کا مطالعہ نتیجہ خیز بن سکتا ہے۔

(۱۲)

خلاصہ یہ کہ عہد نبوی میں جتنے معاہدے ہوئے تھے کسی کی خلاف ورزی نہیں کی گئی اور معاہدین کی زمین و جائداد وغیرہ کی حفاظت کی جاتی تھی۔

الغرض پیغمبر اسلام نے ان کے علاوہ اور جتنے معاہدات بھی ہجر، اریحا، طائف وغیرہ کے باشندوں سے کیے تھے بے کم و کاست وہ لوگ معاہدہ پر باقی رکھے گئے تھے اور ان کی زمینیں جائدادیں، تجارت، صنعت و حرفت --- ہر چیز انہی کے قبضہ میں رہنے دی گئی تھی۔

اس کی ایک نظیر بھی تاریخِ خلافت سے نہیں پیش کی جاسکتی کہ خلافت کی جانب

---

[1] رسول اللہ کی سیاسی زندگی۔ ص ۱۳۷۔

Marfat.com

سے کسی معاہدہ کی خلاف ورزی کی گئی ہو یا شرائطِ معاہدہ کے خلاف کبھی کوئی شے طلب کی گئی ہو۔

(۶) آراضی معاہدہ
(عہدِ خلفاء)

رسول اللہ کے بعد خلفاء راشدین نے جتنے معاہدات کیے وہ سب بے کم و کاست پورے کیے گئے۔ (۱)	رسول اللہ کے بعد چند خلفاء بھی آپ ہی کے نقشِ قدم پر چلتے رہے جن علاقوں اور قبیلوں نے

اسلامی رحمت کو دیکھ کر معاہدہ کے لیے ہاتھ بڑھایا ان کو اسلام کے دامنِ رحمت میں چھپا لیا گیا اور شرائطِ معاہدہ کی اتنی سختی کے ساتھ پابندی کی گئی کہ معمولی سی معمولی شے بھی جس کی نظروں میں کوئی اہمیت نہیں ہوتی ہے معاہدہ کے خلاف بلاقیمت نہ لی جاتی تھی۔

اس موقع پر خلفاء کے معاہدات کا بالتفصیل ذکر کرنا طوالت کا باعث ہے اس لیے اس سلسلہ کی چند بنیادی چیزوں کے بتائے جانے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

زمانۂ خلافت کی فتوحات اور معاہدات میں جو روح کارفرما ہوتی تھی وہ ملک گیری کی ہوس اور آزاد قوموں کو غلام بنانے کے جذبہ سے بہت بلند تھی جیسا کہ اس کی وضاحت ابوبکرؓ کی ان نصیحتوں سے ہوتی ہے جو بالعموم لشکر کو روانہ کرتے وقت سردارانِ لشکر کو کیا کرتے تھے ان میں کی چند نصیحتیں یہ ہیں:۔

(۱) ہر حال میں اللہ سے ڈرنا وہ باطن کو بھی اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح ظاہر کو دیکھتا ہے۔

(۲) اپنے ماتحتوں سے اچھا سلوک کرنا اور ان کے ساتھ بھلا برتاؤ کرنا۔

(۳) جب انہیں نصیحت کرنا تو مختصر نصیحت کرنا کیونکہ جب بات لمبی ہوتی ہے تو اس کا ایک حصہ دوسرے کو بھلا دیتا ہے۔

(۴) پہلے اپنے نفس کی اصلاح کرنا دوسرے لوگ دیکھ کر خود بخود اصلاح پذیر ہو جائینگے۔

Marfat.com

(۵) جب تمہارے پاس دشمن کے سفیر آئیں تو ان کی عزت کرنا۔

(۶) اپنے راز کو چھپانا تاکہ تمہارا انتظام درہم برہم نہ ہو۔

(۷) ہمیشہ سچی بات کہنا تاکہ تمہیں صحیح مشورہ ملے۔

(۸) رات کو اپنے ساتھیوں کی مجلس میں بیٹھنا تاکہ تمہیں ہر قسم کی خبریں معلوم ہوں

(۹) لشکر میں پہرہ چوکی کا عمدہ انتظام کرنا کبھی کبھی اچانک پہنچ کر پہرہ داروں کے کام کی نگرانی بھی کرتے رہنا۔

(۱۰) جھوٹوں کی صحبت سے بچنا سچے اور وفادار ساتھیوں کی صحبت اختیار کرنا۔

(۱۱) جن سے ملنا اخلاص کے ساتھ ملنا اور بزدلی و خیانت سے بچنا۔

(۱۲) تم کچھ لوگوں کو دیکھو گے کہ دنیا سے بے تعلق اپنی عبادتگاہوں میں بیٹھے ہیں ان سے ہرگز نہ الجھنا اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا۔

ظاہر بات ہے کہ جس سوسائٹی کے افراد میں خوفِ خدا، ایمانداری۔ راست بازی اخلاص، سنجیدگی وغیرہ اچھی صفتیں جزو زندگی بن چکی ہوں ان کے اخلاق دنیا کے تمام لوگوں کے ساتھ کس قسم کے ہونگے اور مفتوحین و معاہدین کے ساتھ ان کا کیسا برتاؤ ہوگا

(۲)

فتوحات و معاہدات کا مقصد صرف اللہ کے اقتدار کو تسلیم کرانا اور ہر قسم کے امتیازات کو ختم کر کے ایک مرکز پر جمع کرنا ہوتا تھا۔	

زمانۂ خلافت کی فتوحات اور معاہدات کا مقصد صرف اللہ کے بندوں سے اللہ کا اقتدار تسلیم کرانا، اور ذات پات رنگ و نسل کے امتیازات کو مٹا کر مساوات و رواداری کے ایک مرکز پر جمع کرنا ہوتا تھا کیونکہ اسلامی نظریہ کے مطابق دنیا کے تمام انسان اللہ کا کنبہ ہیں اور سب آپس میں بھائی ہیں اور دنیا کی ہر شے اللہ کی ملک ہے اس لیے اس نظام کو بروئے کار لانے میں نہ تبدیلی مذہب کا سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ طبقاتی کشمکش کو باقی رکھا جا سکتا ہے اور نہ دولت و افلاس کی غیر منصفانہ تقسیم ایک لمحہ کے لیے برداشت کی جا سکتی ہے بلکہ ان تمام حد بندیوں اور جکڑ بندیوں سے اللہ کے بندوں کو نجات دلانے

Marfat.com

سکے لیے دنیا کے تمام انسانوں کو اسلام ایک مرکز پر اور ایک جھنڈے کے نیچے جمع کرنا چاہتا ہے جیسا کہ اس مقصد کی تصریح اسلامی فوج کے کمانڈر انچیف حضرت خالدؓ کے اس خط سے ہوتی ہے جو انہوں نے شہنشاہ ایران کے نام لکھا تھا۔ خط کا مضمون یہ ہے:۔

"اما بعد، اللہ کا شکر ہے جس نے تمہارے نظام کو توڑ دیا اور تمہارے مکر کو باطل کر دیا اور تمہاری جماعت کو منتشر کر دیا۔ اگر اللہ ایسا نہ کرتا تو یہ تمہارے لیے برا ہوتا، تم ہمارے (اللہ کے) اقتدار کو تسلیم کر لو۔ ہم تم سے اور تمہارے ملک سے کوئی تعرض نہ کرینگے اور تمہیں چھوڑ کر کسی دوسرے طرف چلے جائینگے، ورنہ بالآخر یہ ہو کر رہیگا اور وہ جماعت (مسلمین) کر کے دکھائیگی، جو موت کی ایسی ہی عاشق ہے جیسے کہ تم زندگی کے عاشق ہو"۔

دوسرا خط جو حضرت خالدؓ نے رؤسا ایران کے نام لکھا تھا اس کا یہ مضمون ہے:۔

"اما بعد، اللہ کا شکر ہے جس نے تمہاری گرم مزاجی کو ٹھنڈا کر دیا۔ تمہاری جماعت کو توڑ دیا، تمہاری عزت کو برباد اور تمہاری شوکت کو ملیامیٹ کر دیا لہذا تم اسلام قبول کر لو اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اپنی جان و مال کی حفاظت کا معاوضہ (جزیہ) ادا کرنا قبول کر لو، ورنہ میں ایسی جماعت لے کر آیا ہوں جو موت کو اتنا ہی پسند کرتی ہے جتنا تم شراب کو پسند کرتے ہو"۔[1]

تاریخ کا ادنیٰ طالب علم بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ جس وقت یہ خط و کتابت ہو رہی تھی روم و ایران کی حالت کس قدر خراب تھی۔ مسلسل بغاوتوں، سفاکانہ خوں ریزیوں اور سیاسی بدامنیوں نے ان حکومتوں کو تہ و بالا کر رکھا تھا۔ بادشاہوں کے ظلم و ستم اور امراء کی عیاشیوں اور خود غرضیوں نے صداقت اور اخلاقی جوہروں کو فنا کر دیا تھا، دولت و افلاس کی کشمکش نے ظلم و غارتگری لوٹ کھسوٹ اور معاشی دستبرد کا بازار گرم کر رکھا تھا سرمایہ دار و جاگیردار طبقہ غریبوں اور مفلسوں کے لیے خونخوار درندہ بنا ہوا تھا اس کے یہاں صبح و

[1] الخراج لابی یوسف و تاریخ ملت ج ۲ ص ۷۹۔

Marfat.com

شام رقص وسرود کی محفلیں گرم ہوتی تھیں۔ جام وسبو سے شرابِ ارغوانی چھلکتی ہوتی تھی۔ حریرو دیبا کے نرم ونازک لباس زیب تن کیے جاتے تھے اور غریب ومفلس طبقہ محنت ومشقت کر کے جان کی بازی لگاتا تھا پھر بھی اس کی اولاد فاقوں مرتی تھی' جفائیں سہتی تھی اور اس کی فریاد وفغاں کی صدائیں قساوتِ قلبی کی نذر ہو کر اسی کے کوچوں اور جھوپڑیوں میں ٹھٹھر کر رہ جاتی تھیں۔

ایک طرف دنیا میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور دوسری طرف کی دنیا عدل ورحمت مساوات ورواداری، دولت کی منصفانہ تقسیم اور فکر ونظر، مذہب وضمیر کی آزادی سے بھرپور تھی دنیا کے اس حصہ میں انسانوں کا انسانوں پر اقتدار تھا اور دنیا کے دوسرے حصہ میں انسانوں پر اللہ کا اقتدار تھا جس حصہ میں اللہ کا اقتدار تھا وہاں کے سب سے بڑے فرد خلیفۃ اللہ کے یہ تاثرات تھے

لوماتت کلب علی شاطی الفرات — فرات کے کنارے اگر کتا بھی بھوک سے مرجائیگا

جوعا لکان عمر مسئولا عنہ — تو قیامت کے دن عمر سے اس کے متعلق

یوم القیامۃ[1] — بازپرس ہوگی۔

اسی احساس کی بنا پر آپ نے عین اس زمانہ میں جبکہ حجاز کو قحط سے دوچار ہونا پڑا تھا گھی اور شہد (جو دسترخوانِ خلافت کی بہترین غذا تھی) نہ کھانے کی قسم کھالی تھی۔ جب لوگوں نے آپ کی صحت وتندرستی کے پیشِ نظر قسم توڑنے پر اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ جب تک میں خود تکلیف نہ اٹھاؤں گا دوسرے کی تکالیف کا اندازہ کیسے کرسکتا ہوں[2]۔

دراصل یہ بنیادی فرق تھا جس کی بنا پر لوگ اسلامی حکومت سے معاہدہ کرتے اور اسلامی فوج کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دیتے تھے۔

(۳) معاہدین ومفتوحین کی آزادی اور زمین وجائداد کی حفاظت سے متعلق چند قانونی دفعات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جتنے معاہدات کیے گئے یا فتح کرنے کے بعد مفتوحین کے مذہب و

---

[1] توفیق الرحمٰن مطبوعہ مصر ص ۳۴۔ از انقلاب مورخہ ۲۲۔ اکتوبر ۵۳ء

[2] اشہر مشاہیر الاسلام۔ ص ۳۶۲۔ از تاریخ ملت ج ۲۔

Marfat.com

ضمیر کی آزادی کا جس قدر خیال رکھا گیا تھا اس کی تصریح مندرجہ ذیل دفعات سے ہوتی ہے جن کو تاریخ نے اب تک محفوظ رکھا ہے۔

(۱) مسلم اور غیر مسلم دونوں کے خون کا معاوضہ مساوی ہے۔

(۲) تعزیرات میں دونوں برابر ہیں، جرائم کی جو سزا مسلمان کو دی جائیگی وہی غیر مسلم کو دی جائیگی۔

(۳) دیوانی قانون میں دونوں برابر ہیں۔

(۴) غیر مسلموں کو کسی قسم کی تکلیف دینا پیٹھ پیچھے ان کی برائی کرنا قانوناً جرم ہے۔

(۵) معاہدہ کی پابندی ضروری ہے

(۶) غیر مسلموں کے معاملات انہی کے مذہبی طریقے پر طے کیے جائینگے اسلامی قانون ان پر جاری نہ ہوگا۔ جن افعال کی حرمت ان کے مذہب سے ثابت ہے ان سے ان کو روکا جائیگا، البتہ جو افعال ان کے مذہب میں جائز اور اسلام میں ناجائز ہیں وہ اپنی بستیوں میں آزادی کے ساتھ کر سکتے ہیں اور خالص اسلامی آبادی میں حکومت کو اختیار ہوگا کہ انہیں جس حد تک چاہے آزادی دے تاکہ فتنہ و فساد نہ ہونے پائے[1]

(۷) غیر مسلم اپنا لباس اور اپنا کلچر اختیار کرینگے مسلمانوں کی وضع قطع اختیار نہ کرینگے۔

(۸) غیر مسلم رات دن میں جس وقت چاہیں ناقوس بجائیں البتہ نماز کے اوقات اس سے مستثنیٰ ہونگے۔

مذکورہ بالا دفعات کی تائید درج ذیل محفوظات سے ہوتی ہے

زمانۂ خلافت کے چند عہد نامے (۴)

حضرت ابوبکرؓ کے زمانۂ خلافت میں حضرت خالدؓ نے جب کوفہ پر فتح حاصل کی تو اہلِ کوفہ کو یہ عہد نامہ لکھ کر دیا تھا:۔

لا یھدم لھم بیعۃ ولا کنیسۃ و   نہ یہودیوں کا عبادتخانہ گرایا جائیگا اور نہ عیسائیوں کا

---

[1] بدائع جلد ۷، ص ۱۱۳۔ از اجتہاد۔

لا یمنعون من ضرب النواقیس	اور نہ یہ لوگ ناقوس بجانے سے روکے جائینگے
ولا من اخراج الصلبان فی یوم	اور نہ اپنی عید کے دن صلیب نکالنے سے روکے
عیدھم۔	جائینگے۔

عانات پر جب حضرت خالدؓ کا گزر ہوا تو وہاں کے پادریوں کو یہ عہد نامہ لکھ کر دیا تھا۔

لا یھدم لھم بیعة ولا کنیسة و	نہ یہودیوں اور نہ عیسائیوں کا عبادتخانہ گرایا جائیگا
علی ان یضربوا نواقیسھم فی	اور یہ لوگ رات و دن میں جس وقت چاہیں
ای ساعة شاؤا من لیل او	ناقوس بجائیں البتہ نماز کے اوقات مستثنیٰ
نھار الا فی اوقات الصلوٰة و	رہینگے اور یہ لوگ اپنے عید کے دن صلیب نکال
علی ان یخرجوا الصلبان فی ایام	سکینگے۔
عیدھم[۲]	

اس موقع پر ایک اور واقعہ قابلِ ذکر ہے اگرچہ وہ واقعہ زمانۂ خلافت کے بعد کا ہے لیکن اپنے اندر غور و فکر کے لیے اور اسلامی مزاج کے سمجھنے کے لیے کافی ذخیرہ رکھتا ہے۔

۱۷۱ھ ہجری میں ہارون الرشیدؒ کے زمانۂ حکومت میں مصر کے گورنر موسیٰ بن عیسیٰ تھے انہوں نے منہدم شدہ گرجوں کی حکومت کی جانب سے تعمیر کرانے کے متعلق علماء سے فتویٰ طلب کیا اس وقت علماء کے سرکردہ لیث بن سعدؒ اور عبداللہ بن لہیعہؒ تھے ان حضرات نے ان کے تعمیر کرانے کا علانیہ فتویٰ دیا اور اس پر جو دلیل قائم کی وہ نہایت ہی قابلِ غور اور نتیجہ کے لحاظ سے دوررس ہے۔

علامہ مقریزی تاریخ مصر میں لکھتے ہیں:۔

فبنیت کلھا بمشورة اللیث بن	عبداللہ بن لہیعہ اور لیث بن سعد کے مشورہ سے
سعد وعبداللہ ابن لھیعہ و	کل عبادت خانے حکومت کی جانب سے

---

[۱] الخراج لابی یوسف ص ۱۴۳ [۲] ایضاً ص ۱۴۶

Marfat.com

قالاھومن عمارۃ البلاد و | بنادیے گئے، اوران دونوں نے کہاکہ یہ تو شہر کی عمارتیں
احتجابان الکنائس التی بمصر | ہیں (جن کی حفاظت حکومت کا فرض ہے) اور دلیل
لم تبن الا فی الاسلام فی | پیش کی کہ مصر کی یہ ساری عمارتیں اسلامی حکومت میں
زمن الصحابۃ والتابعین لہ | اور صحابہ وتابعین کے زمانہ میں بنائی گئی ہیں (تو ان کی حفاظت کیوں نہ فرض ہوگی)

حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں حضرت خالدؓ نے دمشق والوں کو یہ عہد نامہ لکھ کر دیا تھا:

انی امنتھم علی دمائھم واموالھم وکنائسھم ؎ | میری طرف سے ان کی جانیں، اموال اور عبادتخانے سب محفوظ ہیں۔

اہلِ جزیرہ کو عیاض بن غنم نے یہ عہد نامہ لکھ کر دیا تھا۔

انی امنتھم علی دمائھم واموالھم و ذراریھم ونسائھم ومدینتھم و طواحینھم اذا ادوا الحق الذی علیھم شھد اللہ وملائکتہ ؎ | ان کی جانیں، اموال، بچے، عورتیں شہر و چکیاں وغیرہ سب میری طرف سے محفوظ ہونگی جب تک یہ لوگ اس حق کو ادا کرتے رہینگے جو ان کے اوپر ہے۔ اللہ اور اس کے فرشتے گواہ ہیں

بیت المقدس والوں کو حضرت عمرؓ نے درجِ ذیل عہد نامہ لکھ کر دیا تھا۔

"سب کی جانیں، اموال، گرجے، صلیب غرض ان کی ساری چیزیں محفوظ رہینگی۔ یہ امان بیمار، تندرست اور تمام مذہب کے لوگوں کو شامل ہے۔ نہ ان کی عبادتگاہوں کو گرایا جائیگا اور نہ ان پر قبضہ کیا جائیگا نہ ان کے دینی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت کی جائیگی اور نہ انہیں کسی قسم کی تکلیف پہنچائی جائیگی۔ البتہ ان لوگوں پر فرض ہے کہ دوسروں کی طرح یہ لوگ بھی اپنی جان ومال کی اس حفاظت کا معاوضہ ادا کریں اور رومیوں کو اپنے شہر سے نکال باہر کریں اور اگر رومی امن پسند نہ

لہ تاریخ مقریزی ؎ الاموال ص۲۰۱ ؎ ایضاً ص ۲۰۸

Marfat.com

طریقے پر رہنا چاہیں تو انہی شرطوں کے ساتھ ان کو بھی رہنے کی اجازت ہے جو رومی یہاں سے چلا جائیگا اس کی جان و مال سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائیگا۔ یہاں تک کہ وہ سلامتی کے ساتھ اپنے وطن پہنچ جائے۔ اس عہد نامہ پر اللہ اور اس کے رسول اور خلفاء اور جملہ مومنین کی ذمہ داری ہے[1]

حضرت عمرؓ نے امیر بصرہ حضرت عتبہ کو وفاء عہد پر تاکید کرتے ہوئے لکھا تھا کہ "تمہیں جو کچھ اللہ نے دیا ہے وہ وفاء عہد کی وجہ سے دیا ہے لہذا عہد کی پابندی کا ہمیشہ خیال رکھو اور اہلِ ذمہ کے ساتھ حسن سلوک میں اللہ کے حکموں پر چلو اگر تم نے ایسا کیا تو اللہ تمہارا ناصر و مددگار رہوگا"[2]

(۵) معاہدہ زبان، مذہب، کلچر، زمین، جائداد ہر چیز کی حفاظت کا ضامن ہوتا تھا۔

زمانۂ خلافت میں جب مفتوحہ ممالک کے باشندوں کی زبان، مذہب، کلچر غرض ان کی ہر چیز محفوظ و باقی رکھی جاتی تھی (جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے) تو ظاہر ہے کہ معاہدین کی ہر شئے کی حفاظت کس قدر کی جاتی رہی ہوگی۔

اوپر جو معاہدات نقل کیے گئے ہیں ان میں بعض وہ بھی ہیں جن پر غلبہ سے فتح حاصل کی گئی تھی لیکن دونوں کے حقوق و مراعات میں کوئی فرق نہیں نظر آتا ہے۔

الغرض زمانۂ خلافت کا ہر معاہدہ زمین، تجارت، صنعت و حرفت وغیرہ کی حفاظت کا ضامن ہوتا تھا۔

خلافت نے جن معاہدوں کو مصلحتِ ملکی اور مفادِ عامہ کے پیش نظر نقضِ امن کے اندیشے سے دوسری جگہ منتقل کیا تھا۔ پہلے ان کو غور و فکر کا موقع دیا تھا اور معاہدہ کے نشیب و فراز اور اس کی خلاف ورزی کے انجام سے آگاہ کیا تھا۔ جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو بالآخر مجبوراً انہیں دوسری جگہ منتقل کرنا پڑا تھا۔

---

[1] تاریخ طبری و اتمام الوفاء ازاجتہاد۔ ص[2] تاریخ ملت ص ۱۷۰۔ و الفاروق [3] محاضرات خضری ص ۲۳۰

Marfat.com

(۶) یہودیوں کو حجاز سے اور نجرانیوں کو جزیرۂ عرب سے نکالنے کی وجہ اور اس سے متعلقہ روایت کی تشریح

نجران و فدک کے باشندے جن کے منتقل کیے جانے کا اوپر ذکر ہو چکا ہے، ان لوگوں نے پیغمبر اسلام کی زندگی ہی سے معاہدہ کی خلاف ورزیاں اور خفیہ سازشیں شروع کر دی تھیں اسی بناء پر آپؐ نے فرمایا تھا کہ

اخرجوا الیھود من الحجاز واخرجوا اھل نجران من جزیرۃ العرب[۱] — یہودیوں کو حجاز سے نکال دو اور نجرانیوں کو جزیرۃ العرب سے باہر کر دو۔

اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے ابو عبیدؒ کہتے ہیں۔

انما نراہ قال ذلک صلی اللہ علیہ وسلم لنکث کان منھم او لامر احدثوہ بعد الصلح و ذلک بین فی کتاب کتبہ عمر قبل اجلائہ ایاھم منھا[۲] — ہمارے خیال میں رسول اللہؐ نے ان کے نکال دینے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ ان لوگوں نے کوئی عہد شکنی کی تھی یا شرائط صلح کے خلاف کوئی بات ان کی طرف سے پائی گئی تھی حضرت عمرؓ نے منتقل کرنے سے پہلے انہیں جو خط لکھا تھا اس سے بھی یہی بات ظاہر ہوتی ہے۔

قاضی ابو یوسفؒ حضرت عمرؓ کے منتقل کرنے کی یہ وجہ بیان کرتے ہیں:

لانہ خافھم علی المسلمین[۳] — نقض امن کا اندیشہ تھا مسلمانوں کی جان و مال کو خطرہ تھا

ابو عبید کہتے ہیں:

اصابو الربا فی زمانہ[۴] — حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ان لوگوں کی زیادتیاں بڑھ گئی تھیں۔

اس کے باوجود منتقل کرنے کے بعد ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کیا گیا تھا حقوق و مراعات دیے گئے تھے، ان سے تاریخ کا ادنیٰ طالب علم بھی واقف ہے جس کی کچھ تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

---

[۱] الاموال ص ۹۹ [۲] ایضاً [۳] الخراج ص ۷۳ [۴] الاموال ص ۱۸۹۔

Marfat.com

(۷)
پابندیٔ عہد کے چند نظائر جن کی مثال تاریخ کی دنیا میں نہیں ملتی

اب ذیل میں چند نظائر ذکر کیے جاتے ہیں جن سے پابندیٔ معاہدہ کی اصل حقیقت واضح ہو سکیگی۔

(۱) عُبادہ بن صامت کا غوطہ دمشق کے ایک گاؤں پر گزر ہوا۔ رفیق سفر سے آپ نے مسواک لانے کے لیے کہا پھر اس بنا پر آپ نے اس کو منع کر دیا کہ ان لوگوں سے معاہدہ میں مسواک نہیں طے ہوئی تھی[۱]

(۲) ابوہریرہؓ نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ معاہدوں کی چھلنی اور جانور کو کھلانے کے برتن تک سے پرہیز کرنا[۲]

(۳) مقام جابیہ میں ایک مرتبہ بہت سے مسلمان جمع تھے حضرت عمرؓ خلیفۂ وقت بھی اُنہی میں تھے ایک شخص نے ان سے آکر شکایت کی کہ بعض مسلمانوں نے میرے درخت کے انگور جھاڑ کر کھا لیے، یہ سُن کر حضرت عمرؓ نے انگور کا معاوضہ دینے کا حکم دیا۔[۳]

(۴) صعصعہ کہتے ہیں میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ بسا اوقات میرا معاہدین کی زمین پر گزر ہوتا ہے کبھی ان کی کوئی چیز لینے کا بھی اتفاق ہو جاتا ہے کیا میرے لیے یہ جائز ہے۔ ابن عباسؓ نے پوچھا کہ بلاقیمت لیتے ہو یا قیمت سے؟ کہا "بلاقیمت" پھر پوچھا کیا اس کو حلال سمجھتے ہو؟ کہا "ایسی معمولی چیزوں کے لینے میں بظاہر کوئی حرج نہیں معلوم ہوتا ہے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا یہ تمہارا حلال سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ اہل کتاب کہا کرتے تھے کہ عرب جاہلوں کا حق مار لینے میں کوئی حرج نہیں ہے[۴]

قرآن کریم کی اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے:۔

قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّيْنَ سَبِيْلٌ (۳/۷۵) — اہل کتاب کہتے ہیں کہ عرب جاہلوں کے معاملہ میں ہمارے اوپر کوئی الزام نہیں ہے۔

---

[۱] و [۲] الاموال ص ۱۴۹ [۳] و [۴] ایضاً ص ۱۵۰

(۵) فوجی عموماً ظلم و غارتگری اور لوٹ کھسوٹ میں بیباک ہوتے ہیں لیکن معاہدین کے وطن سے ہوکر جب اسلامی فوج گزرتی تو پیش بندی کے طور پر سپہ سالار حضرت خالدؓ فوج میں یہ اعلان کرادیتے تھے کہ کسی معاہد کی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز حتیٰ کہ سوئی اور اس سے کمتر شئے کا لینا بھی قانون اور امنِ عامہ کی خلاف ورزی ہے۔ وہ اعلان یہ تھا:

ولا ترزأ معاهداً ابرة فما فوقها [۱] — کوئی شخص کسی معاہد کی سوئی یا اس سے کمتر شے کا نقصان نہ کرے۔

(۶) معاہدہ کی پابندی میں یہاں تک احتیاط برتی جاتی تھی کہ اگر معاہدین کے وطن میں کسی ایسی شئے کا استعمال کرلیا جاتا جو انتفاع کے لحاظ سے سب میں مشترک ہوتی اور ہر مقیم و مسافر برابر کے اس میں شرکت دار ہوتے جیسے پانی آگ، گھاس، سایہ وغیرہ تو اس کا معاوضہ بھی ادا کیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابو دردا کا جب کسی گاؤں پر گزر ہوتا، اگر وہ وہاں پانی پیتے یا درختوں کے سایہ میں بیٹھتے یا سواری کا جانور چرنے کے لیے چھوڑتے تو روانگی کے وقت ایک ایک پائی ان چیزوں کی قیمت ادا کرکے جاتے تھے [۲]

(۷) جب حضرت عمرؓ شام میں آئے تو اذرعات کے عیسائی اپنے ہاتھ میں ننگی تلواریں لیے ہوئے، پھول برساتے ہوئے، باجہ بجاتے ہوئے اور آپ پر بھی پھول برساتے ہوئے آپ کے استقبال کے لیے آئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو روکنا چاہا، مگر ابو عبیدہؓ بن جراح نے کہا کہ آپ انہیں ایسے ہی رہنے دیجیے اور جو کچھ وہ کررہے ہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجیے یہاں کا دستور ہے اور اگر اس سے روکا گیا تو ان کو معاہدہ پر شک ہوگا [۳]

یہ اور اسی قسم کے سیکڑوں واقعات ہیں جو پابندیٔ عہد کے بارے میں اپنی مثال آپ ہیں اور ان لوگوں کے لیے درس عبرت ہیں جو تعصب کی عینک لگاکر اسلامی نظامِ حیات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

---

[۱] الاموال ص ۱۵۰۔ [۲] ایضاً ص ۱۵۱ [۳] فتوح البلدان للبلاذری ص ۱۴۲۔ از الجہاد

Marfat.com

(۷) آراضیِ مُسلم

مسلم کی زمینیں مفادِ عامہ کے پیش نظر انہی کے پاس رہنے دی جاتی تھیں[1]

جس زمین کے باشندے اسلامی رحمت قبول کرکے مسلمان ہو جاتے تھے ان کی زمین کی تنظیم وتقسیم کے بارے میں عام قانون یہی تھا کہ وہ بھی مفتوحین کی زمینوں کی طرح اللہ کی ملک قرار دی جاتی تھیں، اور خلافت کے انتظام ونگرانی میں انہی کے پاس رہنے دی جاتی تھیں اور سرکاری ٹیکس کے علاوہ ان سے کچھ نہ وصول کیا جاتا تھا۔

عام قانون رسول اللہ کی زبان میں یہ تھا۔

ان القوم اذا اسلموا احرزوا دماءھم واموالھم[1] — جب کوئی اسلام قبول کرلے تو وہ اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کرلیتی ہے۔

یہ قانون عرب، عجم کی تمام زمینوں کے لیے یکساں تھا اور اس میں منقولہ وغیر منقولہ جائدادیں سب شریک تھیں۔

قاضی ابو یوسف صاحب اسی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

فان دماءھم حرام وما اسلموا علیہ من اموالھم و کذلک ارضوھم لھم وھی ارض عشر بمنزلۃ المدینۃ حیث اسلم اھلھا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و — جس زمین کے باشندے اسلام قبول کرلیں ان کا خون حرام ہے قبولِ اسلام کے وقت جو مال ان کے پاس ہوگا وہ انہی کا رہیگا ایسے ہی زمینیں بھی انہی کی رہینگی اور اس قسم کی زمینیں عشری ہونگی جس طرح مدینہ کے باشندوں نے اسلام قبول کیا تو یہ ساری چیزیں انہی کے پاس رہنے دی گئی تھیں اور جس طرح طائف

---

[1] ابوداؤد۔

Marfat.com

كانت ارضهم ارض عشر و — اور بحرین کے لوگوں کے ساتھ یہی معاملہ کیا گیا تھا،
كذلك الطائف والبحران و — اسی طرح بدویوں میں سے جن جن لوگوں نے اسلام
كذلك اهل البادية اذا — قبول کیا تھا وہ اپنے اپنے چشموں اور اپنے اپنے علاقوں
اسلموا على مياههم وبلادهم — پر باقی رکھے گئے تھے قبیلہ والوں میں سے کسی کے
فلهم ما اسلموا عليه وهو فى — لیے جائز نہ تھا کہ وہ ان کی چیزوں میں کوئی ایسا تصرف
ايديهم وليس لاحد من — کریں جس کی بنا پر اس کے وہ مستحق بن جائیں اور نہ
اهل القبائل ان يبنى فى — اس میں کسی کو (بلا اجازت) کواں کھودنا جائز تھا
ذلك شيئا يستحق به منه شيئا — کہ جس کی وجہ سے کچھ حصہ کے وہ مستحق ہو جائیں۔
ولا يحفر فيه بئرا يستحق به — البتہ انہیں گھاس سے کسی کو روکنا جائز نہیں ایسے
شيئا وليس لهم ان يمنعوا — ہی چرواہوں اور مویشیوں کو پانی سے روکنا جائز
الكلاء ولا يمنعوا الرعاء ولا — نہیں اور جانوروں اور اونٹوں کو اس علاقہ
المواشى من الماء ولا خفا — میں داخل ہونے سے روکنا جائز نہیں ہے۔
ولا خفا فى تلك البلدة و — ان کی زمینیں عشری ہونگی بعد میں بھی ان سے
ارضهم ارض عشر لا يخرجون — نکالی نہ جائینگی ان میں وراثت جاری ہوگی اور
عنها فيما بعد و يتوارثونها و — وہ ان کی خرید و فرخت کر سکینگے۔
ويتبايعونها [1]

یہی قاضی صاحب پھر آگے چل کر لکھتے ہیں۔

وكذلك كل بلاد اسلم عليها — ایسے ہی جس شہر و علاقہ کے لوگ اسلام قبول کرلیں تو
اهلها فهى لهم وما فيها [2] — ان کی زمین اور ساری چیزیں (حسب سابق) انہی
کی رہنگی۔

---

[1] الخراج۔ ص ۶۳   [2] ایضاً

Marfat.com

امام ابو عبیدؒ کہتے ہیں :

"جس زمین کے باشندے اسلام قبول کرلیں وہ زمین انہی کی ملک رہیگی اور عشر کے علاوہ کچھ نہ دینا پڑیگا۔" [۱]

پھر آگے چل کر کہتے ہیں :

کل ارض اسلو علیہا اھلھا فھو مالکون لرقابھا کالمدینۃ والطائف والیمن والبحرین[۲]	جس زمین کے باشندے اسلام قبول کرلیں وہ اپنی زمین کے مالک ہونگے رضبط نہیں کی جائیگی اور انہیں انتفاع اور استعمال کا حق رہیگا جیسے مدینہ، طائف، یمن، بحرین وغیرہ میں یہی کیا گیا تھا۔

الغرض زمانۂ خلافت میں مسلموں کی زمین جائداد کا یہی انتظام تھا خواہ وہ غلبہ سے فتح کیے ہوئے ممالک کے باشندے ہوتے یا وہ لوگ ہوتے جن سے پہلے مصالحت ہوگئی ہوتی اور بعد میں اسلام کی حقانیت وصداقت واضح ہونے کے بعد اسلام قبول کرلیا ہوتا۔ لیکن اس کے علاوہ آراضیِ مسلم کے بارے میں ایک اور بات خاص توجہ کے لائق ہے وہ یہ کہ دراصل اسلام کا مقصد ایک ایسی صالح جماعت بنانا ہے جس کا نصب العین دوسروں کے لیے رحمت کا ماحول پیدا کرنا ہوتا ہے خواہ اس کی خاطر اسے جان ومال قربان کرنا ہی کیوں نہ پڑے۔ ظاہر بات ہے کہ یہ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک ان کے دلوں سے ذاتی منفعت اور عیش وعشرت کا بت نکال کر قربانی کا جذبہ نہ پیدا کیا جائے۔ عام طور سے تو یہ ہوتا ہے کہ بااقتدار جماعت میں جب کوئی فرد داخل ہو جاتا ہے تو اسے ہر قسم کی جائز وناجائز رعایتیں دی جاتی ہیں اس کی زیادتیوں پر پردہ ڈالا جاتا ہے اور اس کو اتنی زیادہ چھوٹ ملتی ہے کہ وہ دوسروں

> مسلم ہونے کی حیثیت سے چونکہ ذمہ داری بڑھ جاتی ہے[۲] اس لیے یہ لوگ خود اپنی زمینیں کبھی تو خلافت کے حوالے کردیتے تھے اور کبھی خلافت ان سے لے لیتی تھی۔

---

[۱] الاموال ص ۵۱۲ [۲] ایضاً

Marfat.com

کی حق تلفی کر کے خود عیش کر سکے۔

لیکن اسلامی جماعت میں داخل ہونے والے سے اللہ کے لیے ہر چیز وقف کر دینے کا عہد لیا جاتا ہے اور اپنے کو فنا کر کے دوسرے کی بقاء کا سامان فراہم کرنے کا مطالبہ ہوتا ہے، اسی لیے مسلم کی زمین و جائدادیں خلافت اپنے اختیارات بہ نسبت دوسرے لوگوں کے زیادہ استعمال کرتی ہے۔ کبھی ترغیب و ترہیب کے ذریعہ اور کبھی قانون کے ذریعہ، جیسا کہ تاریخ اسلام میں اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں کہ مسلم باشندے اپنی جائدادیں عام مفاد خلق کے لیے خلافت کے حوالے کر دیتے تھے یا خلافت بوقت ضرورت بذریعۂ قانون ان سے لے لیتی تھی۔ چند مثالیں یہ ہیں۔

مدینہ کے لوگوں نے برضا و رغبت اپنی زمینیں خلافت کے حوالہ کر دی تھیں

(۱) ابتداءِ اسلام میں مدینہ کے مسلم باشندوں نے اپنی زمینیں پانی کی دشواری کی وجہ سے عام مفاد کے پیش نظر رسول اللہؐ کے حوالہ کر دی تھیں کہ آپ جن لوگوں میں چاہیں انہیں تقسیم کر دیں۔

اسی واقعہ کے متعلق ابن عباسؓ کہتے ہیں:

ان رسول اللہ لما قدم المدینۃ	رسول اللہؐ جب مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ
جعلوا لہ کل ارض لا یبلغھا	نے ہر ایسی زمین آپ کے حوالہ کر دی جس میں پانی کا
الماء یصنع بھا ما یشاء [۱]	پہنچنا دشوار تھا، اور آپ کو اختیار دے دیا کہ آپ جو چاہیں کریں۔

زمین ملنے کے بعد آپ نے اس کو زیادہ سے زیادہ مفید اور کارآمد بنانے کی کوشش کی اور ابو عبیدؓ کی رائے کے مطابق آپ نے بلال بن حارث کو اسی زمین سے قطیعہ عطا فرمایا۔

قوم بجیلہ کی زمینیں خلافت نے لے لی تھیں۔

(۲) خالصہ زمین کا کچھ حصہ حضرت عمرؓ نے قوم بجیلہ کو دے دیا تھا دو تین سال تک ان لوگوں نے اس زمین کو اپنے قبضہ میں رکھا،

---

[۱] الاموال ص ۲۸۲ [۲] ایضاً

Marfat.com

لیکن جب خلافت نے مفادِ عامہ کے پیشِ نظر واپس لینا چاہا تو بلا پس و پیش ان لوگوں کو خلافت کے حوالہ کرنا پڑا۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

قیس بن حازم کہتے ہیں جنگ قادسیہ (جو ایرانیوں سے ہوئی تھی) کے دن اسلامی فوج میں قوم بجیلہ کے لوگ چوتھائی تھے حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو سواد کا چوتھائی حصہ دے دیا تھا، دو یا تین سال تک یہ زمین ان کے قبضہ میں رہی۔ ایک مرتبہ کسی ضرورت سے اسی قبیلہ کے چند افراد عمارؓ بن یاسر اور جریر وغیرہ حضرت عمرؓ کے پاس تشریف لائے تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ لوگ اس زمین کو عام مفادِ خلق کے لیے خلافت کے حوالہ کر دیجیے۔ اس پر ان لوگوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور زمین خلافت کے حوالہ کر دی، اس کے بعد حضرت عمرؓ نے سرکاری خزانہ سے جریر کو اسی دینار عطا فرمائے [1]

جب اس واقعہ کی خبر قوم بجیلہ کی ایک عورت "ام کرز" کو ہوئی تو اس نے اپنے حصہ کی زمین واپس کرنے میں پس و پیش کیا اور حضرت عمرؓ کے پاس آ کر عرض کیا کہ

یا امیر المومنین ان ابی ھلک و — اے امیر المومنین میرے والد کی وفات ہو گئی ہے، سواد کی زمین
سھمہ ثابت فی السواد وانی لم — میں اس کا بھی حصہ تھا، جو ترکہ میں مجھے ملا ہے، میں اس کو
اسلم، فقال لھا یا ام کرز ان قومک — کبھی واپس نہ کرونگی حضرت عمرؓ نے کہا کہ اے ام کرز تیری
قد صنعوا ما قد علمت فقالت ان — قوم نے بلا چون و چرا واپس کر دیا ہے اور تجھے اچھی طرح
کانوا قد صنعوا ما صنعوا فانی — اس کا علم ہے، اس نے جواب دیا قوم نے جو کچھ کیا ہے مجھے اس
لست اسلم حتی تحملنی علی ناقۃ — سے کوئی سروکار نہیں ہے میں تو اس وقت تک واپس کرونگی جب
ذلول علیھا قطیفۃ حمراء و تملأ — تک کہ آپ مجھے ایک فرمانبردار اونٹنی نہ دیں جس پر سرخ رنگ
کفی ذھبا قال ففعل عمرؓ ذلک — کی گرم چادر پڑی ہو اور زر و مال سے میرا ہاتھ نہ بھر دیں حضرت
فکانت الدینار نحوا من ثمانین — عمرؓ نے ایسا ہی کیا اور نقدی جو آپ نے اس کو دی تھی اس کی
دینارا [2] — تعداد تقریباً اسی دینار کو پہنچ گئی تھی۔

[1] الاموال ص ۶۱، ۶۲ والخراج لیحیی ص ۳۵، ۳۶ [2] ایضاً

Marfat.com

اس واقعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ خلافت جب چاہے مفادِ عامہ کے پیش نظر مسلم باشندوں کو بیدخل کرکے ان کی زمینیں لے سکتی ہے۔ اسی طرح یہ بات نمایاں ہوتی ہے کہ ایسی صورت میں ہر شخص کے ذاتی مفاد کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے تاکہ اجتماعی مفاد کے ساتھ ذاتی حقوق کی پائمالی نہ لازم آئے۔

لیکن اس واقعہ سے یہ بات لازمی طور سے نہیں ثابت ہوتی کہ خلافت کی جانب سے صاحبِ زمین کو جو کچھ دیا جائے اس کی حیثیت معاوضہ کی ہو یا حضرت عمرؓ نے جو کچھ جریر اور ام کرز کو دیا تھا اس کی حیثیت معاوضہ کی تھی جس کی بنا پر یہ کہا جائے کہ جب مفادِ عامہ کے پیشِ نظر ایسی صورت پیش آجائے تو خلافت کو بلا معاوضہ زمین لینے کا اختیار نہیں ہے، اسی طرح یہ حقیقت بھی نمایاں نہیں ہوتی ہے کہ خلافت کی جانب سے اس قسم کے جو کچھ تصرفات کیے جائیں ان میں صاحبِ زمین کی رضا مندی ضروری ہے جیسا کہ ذیل کی تصریحات اس پر روشنی ڈالتی ہیں۔

ابو عبیدؒ کہتے ہیں:-

"جو لوگ مفتوحہ زمین کو اصل باشندوں کے پاس رہنے دینے میں فوجیوں کی رضا مندی ضروری سمجھتے ہیں (امام شافعی کا یہی خیال ہے) یہ واقعہ ان کے لیے کیسے دلیل بن سکتا ہے جبکہ اسی جیسے واقعے عراق و شام کی فتح میں اصل باشندوں کے پاس زمین رہنے دیے جانے کے بارے میں حضرت بلال وغیرہ نے جب حضرت عمرؓ کی مخالفت کی تھی اور زمین کو فوجیوں پر تقسیم کرنے پر اصرار کیا تھا تو آپ نے ان سب کے متعلق فرمایا: اللّٰھم اکفنیھم (اے اللہ تو ہی ان کے لیے کافی ہے) اُس وقت کون سی ان لوگوں کی رضا مندی مطلوب تھی (جس کی بنا پر یہ کہا جائے کہ یہاں بھی حضرت عمرؓ ام کرز کو راضی کرنا چاہتے تھے اور بغیر رضا مندی کے انہیں بیدخل کرنے کا کوئی حق نہیں تھا) [1]

[1] الاموال ص ۶۲ و ۶۳

Marfat.com

ابوبکر جصاص قوم بجیلہ کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں :۔

"اس واقعہ میں ان کی رضامندی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے کیونکہ حضرت عمرؓ نے یہ بات صاف طور پر کہہ دی تھی کہ زمین کو واپس کیے بغیر چارہ نہیں ہے اور اس میں لوگوں کی بھلائی ہے۔ باقی رہا ام کرز عورت کا معاملہ تو اس کو حضرت عمرؓ نے سرکاری خزانہ سے (بطور امداد) رقم دی تھی، ویسے بھی خلیفہ کو اختیار تھا کہ عورت کے قبضہ کی زمین واپس لیے بغیر سرکاری خزانہ سے اس کو عطیہ دیتے[1]

پھر کہتے ہیں :

"قوم بجیلہ کے اس واقعہ میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ وہ لوگ زمین کے مالک تھے، کیا اس کا امکان نہیں ہے کہ زمین بالکل تقسیم ہی نہ ہوئی ہو اور کل زمین اصل باشندوں کے پاس رہنے دی گئی ہو البتہ خراج کی آمدنی کا چوتھائی حصہ ان کے لیے خاص کر دیا گیا ہو پھر بعد میں عمر فاروقؓ نے مناسب سمجھا ہو کہ اس چوتھائی کے معاملہ کو ختم کر کے ان کو بھی عطایا دینے پر اکتفا کیا جائے تاکہ یہ لوگ بھی سب کے برابر ہو جائیں[1]

جصاصؒ کا یہ شبہ ایسا نہیں ہے کہ جس سے مسئلہ کا رخ ہی بدل جائے کیونکہ اس واقعہ کو محققین نے تسلیم کیا ہے اور ابوعبیدؒ وغیرہ نے بدلائل اس کو ثابت کیا ہے۔

بہر حال مفادِ عامّہ کے پیشِ نظر خلافت جب صاحب زمین کو بے دخل کرنا چاہے تو نہ اس کی رضامندی ضروری ہے اور نہ اس کا معاوضہ ادا کرنا لازمی ہے البتہ اس شخص کے ذاتی حقوق کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ کہیں اس تصرف کی وجہ سے وہ پائمال نہ ہو جائیں۔

حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں مسلمانوں کو زمین و جائداد رکھنے اور کاشتکاری کرنے سے قانوناً منع کر دیا	حضرت عمرؓ نے (۵) مسلمانوں کو زمین جائداد رکھنے سے قانوناً منع کر دیا تھا۔

[1] احکام القرآن ج ۳۔ ص ۵۳۱، ۵۳۲

Marfat.com

تھا اور یہ اعلان کرا دیا تھا کہ جب سب لوگوں کے اہل و عیال تک کے وظیفے سرکاری خزانہ سے دیے جاتے ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ یہ لوگ انسانیت کی خدمت کے لیے وقف نہ ہوں اور بیلوں کی دم کے پیچھے لگے رہیں۔

علامہ طنطاوی جوہری اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں :-

فلما کثرت الاموال فی ایام عمرؓ و وضع الدیوان فرض الرواتب للعمال والقضاۃ ومنع ادخار المال وحرم علی المسلمین اقتناء الضیاع و المزارعۃ والمزارعۃ۔ لان ارزاقھم وارزاق عیالھم تدفع لھم من بیت المال ۱؎	حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں جب مال بہت بڑھ گیا تو باقاعدہ رجسٹر مرتب کیے گئے، لوگوں کے وظیفے مقرر ہوئے عاملوں اور قاضیوں کی تنخواہیں مقرر ہوئیں، سرمایہ جمع کرنے سے روک دیا گیا۔ کاشتکاری خود کرنے یا دوسروں سے کرانے دونوں کی ممانعت کر دی گئی۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا تھا کہ لوگوں کے مع ان کے بال بچوں تک کے وظیفے بیت المال سے مقرر کر دیے گئے تھے۔

کاشتکاری وغیرہ سے ممانعت کے اس قانون نے یہاں تک ترقی پائی تھی کہ اگر کوئی غیر مسلم اسلام قبول کر لیتا تو اس کی تمام جائداد غیر منقولہ ضبط کر کے بستی کے غیر مسلموں میں تقسیم کر دی جاتی اور اس نومسلم کا سرکاری خزانہ سے وظیفہ مقرر کر دیا جاتا تھا ۲؎

غور سے دیکھا جائے تو فاروق اعظم کے اس فیصلہ میں حکومتِ الٰہی کے خلیفہ کی انجام بینی اور مسلم جماعت کی زندگی کا پتہ چلتا ہے۔

دراصل اس ممانعت کے قانون سے خلیفہ کے پیشِ نظر یہ بات تھی کہ اگر یہ لوگ (مسلمان) زمین جائداد اور مال جمع کرنے کے پیچھے پڑ گئے تو ظلم و فساد کے دروازے کھل جائینگے اور

۱؎ نظام العالم والامم ج ۲ ص ۱۸۳ و ۱۸۴ ۲؎ ایضاً

Marfat.com

خدمتِ خلق کے بجائے (جوان کا مقصد زندگی ہے) دیگر حاکموں کی طرح ان کو بھی دوسروں کے خون چوسنے کا موقع مل جائیگا۔ اس کے علاوہ عیش و عشرت میں پھنس کر یہ لوگ اپنے اصلی جوہر جوانمردی، بہادری، جفاکشی، ہمت، عزم وغیرہ کھو بیٹھینگے جس کا نتیجہ بعد میں یہ ظاہر ہوگا کہ جو جماعت محض خدمتِ خلق اور رحمتِ الٰہی کو عام کرنے کیلیے زندہ ہے پھر اسے زندہ رہنے کا حق باقی نہ رہیگا۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ بعد کے مسلمان حب مال و دولت اور جائدادوں کے چکر میں الجھ گئے تو اس جماعت کے بلند اوصاف اور پاکیزہ صفات میں فرق پڑ گیا اور اس کے اصلی جوہر جن سے اس جماعت کی خمیر تیار ہوئی تھی وہ سب ایک ایک کرکے ختم ہو گئے۔

سب سے پہلے ملک شام میں حب مال و جائداد کی ہوس عام ہونے کی داغ بیل پڑ رہی تھی تو حضرت ابو ذر غفاری (جو ایک جلیل القدر صحابی اور اعلیٰ درجہ کے قانع اور زاہد شخص تھے) لوگوں کو حضرت عمرؓ کی مذکورہ ممانعت کے قانون کی طرف توجہ دلاتے تھے اور سختی کے ساتھ اس ہوس کی مخالفت کرتے تھے۔ عام تقریروں میں مجمع اور بازاروں میں کہتے پھرتے تھے کہ۔

یامعشر الاغنیاء وبا اسوء الفقراء والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم ؎	اے مالدارو اور اے بدحال فقیرو اللہ کا یہ فرمان ہے) جو لوگ سونا چاندی اپنے ذخیروں میں ڈھیر کرتے رہتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ نہیں کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کو دردناک عذاب سے خبردار کردو۔

حالانکہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا اور اس وقت حضرت معاویہؓ شام کے گورنر تھے اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ حضرت عثمانؓ سے حضرت معاویہؓ نے اپنے اخراجات کے پیشِ نظر بعض ان قطائع کو لینے کی اجازت چاہی جن کو حضرت عمرؓ نے

؎ نظام العالم والامم ج ۲ ص ۱۸۳ و ۱۸۴۔

Marfat.com

عام لوگوں کے لیے بیت المال میں رکھا تھا اور سرکاری طور پر ان کا انتظام کراتے تھے حضرت معاویہؓ کی دیکھا دیکھی دیگر افسران اور صحابہ مثل طلحہؓ، زبیرؓ، سعدؓ، یعلیؓ وغیرہ نے بھی زمین جائداد رکھنا شروع کر دیا تھا۔[1]

یہ ابتدائی شکل ایسی نہ تھی کہ اس سے کسی کی حق تلفی ہوتی یا سردست مفادِ عامہ کے پائمال ہونے کا خطرہ لاحق ہوتا لیکن حضرت عمرؓ نے جس مقصد کے پیشِ نظر ممانعت کا قانون نافذ کیا تھا اس مقصد کے فوت ہونے کی داغ بیل پڑ رہی تھی جو آج نہیں تو کل اس جماعت کی زندگی کی چولیں ہلا دینے والی تھی۔ اس لیے مورخین اس تبدیلی کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں

(۳) پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز جب خلیفہ ہوئے تو حضرت عمرؓ کے مذکورۂ بالا قانون کو دوبارہ نافذ کیا تھا اور انہی کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ علامہ طنطاوی کہتے ہیں:

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بھی ممانعت کا یہی قانون نافذ کیا تھا۔ (۶)

وابدی هذه القاعدة عمر بن عبدالعزیز وکان یتحدی ابن الخطاب بکل خطواته[1]	اور حضرت عمرؓ کے اس قانون کو عمر بن عبدالعزیزؒ نے نافذ کیا اور وہ حضرت عمرؓ کے ہر نقش قدم پر چلتے تھے۔

وہ قانون یہ تھا:

(۱) فقال ایما ذمی اسلم فان اسلامه یحرزله نفسه وماله وما کان من ارض فانها من فیٔ الله علی المسلمین۔	اعلان کرا دیا کہ جو ذمی (غیر مسلم) اسلام قبول کر لے اس کی جان اور اموال منقولہ محفوظ رہینگے لیکن اموال غیر منقولہ وہ مسلمانوں کے لیے اللہ کی "فے" ہو جائینگے۔
(۲) وایما قوم صالحوا علی جزیة یعطونها فمن اسلم منهم کانت	اور جن لوگوں سے معاہدہ ہو گیا ہے وہ لوگ اگر اسلام قبول کر لیں تو اموال غیر منقولہ اسی قوم

[1] نظام العالم والامم ج۲ ص ۱۸۳ و ۱۸۴۔

Marfat.com

دارہ وار صنف لبقیہ ھر ۵ۂ کے بقیہ لوگوں میں تقسیم کردیے جائینگے۔

یہ چند امثال ہیں جن سے ایک طرف تو مسلم جماعت کی زندگی کا پتہ چلتا ہے اور دوسری طرف یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اسلامی نظام حیات کا اپنے ماننے والوں سے کتنا بلند اخلاق اور قربانی کا مطالبہ ہے اور نہ ماننے والوں کے ساتھ کتنا اور کس قدر منصفانہ سلوک ہے۔

آج بھی دنیا کی مہذب قوموں میں اپنی پارٹی والوں کے ساتھ رو رعایت جائز سمجھی جاتی ہے اور پارٹی اسی لیے اقتدار حاصل کرتی ہے کہ وہ اوروں کا خون چوس کر خود عیش و عشرت کرسکے۔ بخلاف اس کے اسلامی حکومت میں مسلمان ہو کر کسی کا ناجائز طریقے پر مال لینے کا خیال تو الگ رہا جبکہ خود اس کا مال و جائداد غیر مسلموں میں تقسیم کردینے کا حکم ہے۔

(۸) زمینداری اور جاگیرداری کا تاریخی پس منظر

مستقل ملکیت[۱] کا تصور کس طرح قائم ہوا۔

ابتدائی زمانہ میں زمین تمام انسانوں کی ملکیت سمجھی جاتی اور انتفاع کے لحاظ سے سب میں مشترک تھی۔ جو شخص پہلی مرتبہ کسی زمین کو استعمال کرنا شروع کردیتا اس پر اس کی عارضی ملکیت قائم ہوجاتی تھی اور یہ ملکیت اس وقت تک قائم رہتی جب تک اس پر اس کا قبضہ رہتا تھا۔ قبضہ کے ہوتے ہوئے اس کو بے دخل کرکے کسی دوسرے شخص کا قابض ہوجانا انصاف اور قانون فطرت کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ البتہ قبضہ باقی نہ رہنے کی صورت میں دوسرے شخص کو اس زمین کے استعمال کرنے کا حق حاصل تھا۔ چونکہ ایسے قبضہ کی صورت میں طاقت کا ہونا ضروری تھا اور اس بات کا قوی امکان رہتا تھا کہ اگر اس سے زیادہ طاقتور شخص کو یہ مقام پسند آگیا تو اس کو بے دخل کرکے وہ خود اس پر قبضہ کریگا اس لیے اس عارضی ملکیت پر انسان زیادہ دنوں قناعت نہ کرسکا بلکہ اس حقیقت کے واضح ہونے کے بعد ہی مستقل ملکیت کا تصور قائم ہوا۔

پہلے تو صرف زمین استعمال کرنے کا حق تھا لیکن مستقل ملکیت کا تصور قائم ہونے کے

۱ سو الہ بالا

Marfat.com

بعد زمین کی ذات کی بنیاد پڑگئی۔ ابتداءً قبضہ نے بلا شرکتِ غیرے ایک حق پیدا کیا تھا اگرچہ وہ عارضی تھا لیکن یہی حق بعد میں رفتہ رفتہ مستقل ملکیت کا سبب بن گیا۔ اس کے متعلق بلیک اسٹون کا یہی نظریہ ہے، اور جرمنی کا مشہور مقنن سوگنی بھی تقریباً اسی رائے کا موید ہے۔ اہل روما میں جائداد کا ابتدائی تصور یہی پایا جاتا ہے، اور جے کے ملیخلی ایک حد تک اس کی تائید میں ہے[1]۔

مستقل ملکیت کا تصور قائم ہونے کے بعد زمین اور جائداد کا مالک ایک شخص یا ایک خاندان نہ ہوتا تھا بلکہ اس زمانہ میں پدرسری خاندان کے نمونہ پر جو جماعتیں قائم تھیں وہی اس کی مالک ہوتی تھیں اور انہی کے ذمہ اس کا پورا انتظام ہوتا تھا۔ اس کے بعد ان جماعتوں کے مشترکہ حقوق سے رفتہ رفتہ شخصی حقوق علیحدہ ہوتے گئے اور بالآخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ شخصِ واحد اس کا مالک سمجھا جانے لگا[2]۔

قانونِ اشخاص پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ذاتی ملکیت کی موجودہ شکل جو ہمارے سامنے ہے وہ جماعت کے مشترکہ حقوق سے شخصی حقوق کے علیحدہ ہوجانے سے پیدا ہوئی ہے اس طرح پر کہ خاندان بڑھ کر یک جدی رشتہ داروں کا مجموعہ ہوجاتا ہے۔ پھر یہ مجموعہ مختلف گھرانوں میں تقسیم ہوجاتا ہے اور بالآخر گھرانوں کی جگہ اشخاص قائم ہوکر وہی مالک سمجھے جانے لگتے ہیں لیکن تبدیلی کے ہر مرحلہ پر ملکیت کی نوعیت بدلتی رہتی ہے۔

(۲) پہلے کاشتکار غلام ہوتے تھے تاریخ کی ورق گردانی سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ابتدائی زمانہ کے مالکانِ زمین آزاد آسامیوں کے ذریعہ کاشت کرانے سے ناواقف تھے۔ اس زمانہ میں بالعموم غلاموں کی جماعتیں کاشت کیا کرتی تھیں اور اس کی شکل یہ تھی کہ ادنیٰ درجہ کے غلام چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں تقسیم کردیے جاتے اور انہیں اعلیٰ اور معتبر قسم کے غلاموں کی ماتحتی میں دے کر ان کی نگرانی میں وہ کاشتکاری کا کام انجام دیتے تھے۔ مدتوں

---

[1] قدیم قانون فصل ہشتم ص ۲۰۳ و نظریۂ سلطنت ص ۲۶۲ [2] ایضاً

Marfat.com

کاشت کا یہی طریقہ جاری رہا اور اسی طرح غلاموں کی جماعت کاشت کرتی رہی۔

لیکن جب اس صورت میں بدنظمی حد سے بڑھ گئی اور زمینداروں کو اس بات کا احساس ہوا کہ جب تک کاشتکاروں کی ذاتی اغراض کا تعلق پیداوار سے نہ ہوگا نہ زمین کی قدر و قیمت میں اضافہ ہو سکتا ہے اور نہ پیداوار بڑھائی جا سکتی ہے۔ تو غلاموں کی جان بچنے کی یہ شکل پیدا ہوئی کہ بعض زمینداروں نے دوامی پٹہ اور مقررہ لگان پر آزاد آسامیوں کو زمین دینے کا طریقہ رائج کیا۔

اس احساس کو مزید تقویت پہنچانے والی یہ چیز بھی ہوئی کہ ایک ایک شخص کے پاس زمینیں اتنی زیادہ ہو گئی تھیں جن کا انتظام بغیر مذکورہ شکل رائج کیے ہوئے سخت دشوار تھا۔ چنانچہ پہلی مرتبہ روما میں تنہا ایک فرد کے پاس اتنی بڑی جائدادوں کا ذکر ملتا ہے کہ جن کی کاشت خاندان کا سردار اپنے گھر کے لڑکوں اور غلاموں سے نہیں کرا سکتا تھا بلکہ وہ آزاد آسامیوں کے ذریعہ کاشت کرانے پر مجبور تھا۔

نظام محدود ملکیت کا قیام (۳) اور کاشتکار کے اختیارات

الغرض اس طریقے کے رائج ہو جانے کے بعد کاشتکاروں کو دو قسمیں ہو گئیں: (۱) غلام کاشتکار اور (۲) آزاد آسامی کاشتکار۔

ان نئے کاشتکاروں کے ساتھ زمین دینے کا یہ معاملہ پہلے تو معاہدہ کے ذریعہ طے ہوتا تھا لیکن جب بعد میں اس شکل کو زیادہ ترقی ہوئی تو اس کے لیے ایک خاص اصطلاحی نام "محدود ملکیت" مقرر کر دیا گیا۔

اس محدود ملکیت کو بالخصوص روما میں اتنی زیادہ مقبولیت حاصل ہو گئی تھی کہ کاشتکاروں کو زمین کے ساتھ دلچسپی پیدا کرانے کا واحد ذریعہ یہی سمجھا جانے لگا تھا۔ اور اس میں کاشتکاروں کو اتنے وسیع اختیارات ملنے لگے تھے کہ روما کے حکام کاشتکار ہی کو مالک سمجھتے تھے اور جب تک وہ وقت پر محصول ادا کرتے رہتے زمین کے مالک کو بھی کسی قسم کی مداخلت کرنے کا اختیار نہ ہوتا تھا۔ البتہ محصول ادا نہ کرنے کی صورت میں مالک کو بیدخل کر دینے

Marfat.com

کا اختیار حاصل تھا۔

اس بے دخلی کی صورت میں بھی کاشتکاروں کو اس بات کا حق حاصل تھا کہ وہ جائداد غیر منقولہ پر دخلیابی کی نالش کر کے اس پر دوبارہ قبضہ حاصل کر لیں۔

یہ واضح رہے کہ کاشتکاروں کو اتنے اختیارات ملنے کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ زمینداروں کی ملکیت اس زمین سے زائل ہو جاتی تھی یا ان کے اختیارات بالکلیہ سلب کر لیے جاتے تھے بلکہ اس قسم کی آراضی میں دوہری ملکیت کا اصول کارفرما تھا یعنی اگر کاشتکاروں کے اختیارات پر نظر کی جاتی تو یہ شبہ ہونے لگتا کہ زمین کے اصل مالک کاشتکار ہیں اور زمیندار کی حیثیت برائے نام ہے۔ اور اگر ان اختیارات پر غور کیا جاتا جو زمینداروں کو حاصل ہوتے تھے تو حقیقی مالک وہ معلوم ہوتے اور کاشتکار کی حیثیت صرف آزاد کاشتکار کی ہوتی تھی۔

روما میں بھی دوہری ملکیت کا اصول ان زمینوں میں بھی پایا جاتا ہے جو سرحد کے فوجیوں کے پاس تھیں یہ سرحدی لوگ زمینوں پر بظاہر مالکانہ حیثیت سے قابض ہوتے تھے لیکن زمین حقیقۃً حکومت ہی کی رہتی تھی البتہ ان لوگوں کو جب تک یہ فوجی خدمت انجام دیتے رہتے اس زمین پر کاشت کرنے کی پوری اجازت ہوتی تھی اور اس صورت میں ان کی فوجی خدمتیں معمولی درجے کے محدود حقوق والے کاشتکاروں کے برابر سمجھی جاتی تھیں۔

نظامِ محدود ملکیت کی بگڑی ہوئی شکل جاگیری نظام کی بنیاد ہے

محققین مورخین کی نظر میں یہی محدود ملکیت کی شکل اصل اور بنیاد قرار پائی ہے اور زمیندارانہ اور جاگیردارانہ نظام کی تمام اچھی اور بری شکلیں اسی سے پیدا ہوئی ہیں، مثلاً

(۱) حقوقِ استفادہ نے موروثی شکل اسی محدود ملکیت سے اختیار کی ہے کیونکہ اس طرح کی دی ہوئی تمام زمینیں عام طور پر آزاد آسامیوں کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جایا کرتی تھیں۔

(۲) انہی آزاد آسامیوں سے کھیت کو بٹائی پر دینے کا طریقہ رائج ہوا کیونکہ یہ لوگ اپنی سالانہ

Marfat.com

پیداوار کا ایک حصہ زمین کے مالکوں کو نذر کیا کرتے تھے۔

(۳) غالباً کچھ غلاموں کی حیثیت میں ترقی اور کچھ آزاد آسامیوں کی حالت میں تنزلی سے رعایا کا درمیانی طبقہ پیدا ہوا ہے جو نہ تو غلام کاشتکار کی طرح مجبور محض اور بے بس ہوتا تھا اور نہ آزاد آسامیوں کی طرح اس کو پورے اختیارات حاصل تھے۔

یہ درمیانی طبقہ اس وقت پیدا ہوا ہے جبکہ آزاد آسامیوں کو پہلے جیسے حقوق و مراعات نہ حاصل ہوتے تھے اور رفتہ رفتہ زمینداروں کی گرفت سخت سے سخت ہوتی گئی تھی۔

(۴) اسی محدود ملکیت کے نظام کو دیکھ کر جاگیری نظام قائم کیا گیا جس کی صورت یہ ہوئی ہے کہ غیر مہذب قوموں کے بادشاہ تقریباً سو سال تک اس بگڑی ہوئی شکل کا بغور مطالعہ کرتے رہے اور ان کو اس کے اندر کچھ ایسے جراثیم نظر آئے کہ وہ اس پر ایک نئے نظام کی داغ بیل ڈالنے میں کامیاب ہو گئے۔

ابتداء میں تو یہ جاگیر صرف بادشاہ کے مصاحبوں کو درباداری کے صلہ میں ملا کرتی تھی اور یہ لوگ اپنی ذاتی آزادی (جو خاندانی جائداد کے مالکوں کا معزز ترین حق تھا) اس کے صلہ میں قربان کر دیا کرتے تھے لیکن بعد میں اس کا رواج عام ہو گیا اور نوبت بایں جا رسید کہ اس نظام میں کاشتکار کی حیثیت زرعی غلام کی ہو گئی تھی اور ابتدائی زمانہ کے غلام کاشتکار اور نام نہاد آزاد کاشتکاروں میں کوئی زیادہ فرق باقی نہیں رہا تھا

اس سلسلہ میں یہ بات بھی واضح کر دینی ضروری ہے کہ جاگیرداری کی بالکل ابتدائی شکل جس میں جاگیر بادشاہ کے خاص مصاحبوں کو ملا کرتی تھی اگرچہ اس وقت بھی ظاہر نظر میں یہ خدمت بڑی شاندار معلوم ہوتی تھی لیکن اس سے ایک قسم کی غلامانہ ذلت کی بو آتی تھی کیونکہ اس کے عوض اپنی ذاتی آزادی کو قربان کرنا پڑتا تھا۔

الغرض اس طرح زمینداری اور جاگیرداری کی بنیاد پڑی اور اس کی شکلیں ساری دنیا

Marfat.com

میں پھیلیں۔ یہ ابتدائی تصورات دنیا کی کسی خاص قوم کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ یہ تقریباً ہر قوم میں پائے جاتے تھے اور تمام رومی و یونانی دنیا میں رائج تھے۔ ان تصورات کے رواج پانے اور ان کی پیدائش کے اسباب میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے بلکہ ہر جگہ اور ہر قوم میں یکساں حالات کے ماتحت ظاہر ہوئے اور ہر جگہ اسباب پیدائش بھی قریب قریب ایک ہی تھے [۱]

(۵) زمینداری و جاگیرداری کا بھیانک منظر اور انسانی زندگی پر طبقاتی کشمکش کا اثر

اس کے بعد زمینداری و جاگیرداری نے یہاں تک ترقی پائی کہ اللہ کی زمین جو سب میں مشترک تھی اور جس کے مساویانہ حیثیت سے سب حقدار تھے۔ زمینداروں اور جاگیرداروں کے ایک محدود طبقہ میں سمٹ کر رہ گئی اور کاشتکاروں کا طبقہ جبر و تحکم کے شکنجہ میں جکڑا ہوا ہر قسم کے وحشیانہ مظالم برداشت کرنے پر مجبور ہوگیا۔ اس کے لیے نہ آزاد کاشتکار جیسے حقوق باقی رہے اور نہ رعایا کے ابتدائی حقوق، بلکہ وہ اپنی فطری صلاحیتوں اور طبعی استعدادوں کو چھوڑ کر زرعی غلام میں تبدیل ہوگیا۔

ان دونوں طبقوں میں پہلے کو ہر طرح سے آزادی حاصل تھی اور دوسرا ہر حیثیت سے غلام و بے بس تھا۔ اس کو زمین چھوڑ کر دوسرا پیشہ اختیار کرنے کی اجازت تھی اور نہ اپنی محنت سے منتفع ہونے کی سکت تھی، نہ آقاؤں کی تبدیلی کا اختیار تھا اور نہ اپنے آقا سے سرخروئی کی امید تھی۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی عجمیوں اور رومیوں کے تذکرہ میں کہتے ہیں۔

"طبقۂ امراء کے لیے عیش و عشرت کے ساتھ زندگی گزارنے کی بس یہ شکل باقی رہ گئی تھی کہ کاشتکاروں، تاجروں اور دیگر کارپردازوں سے بھاری بھاری لگان اور کثیر مقدار ٹیکس وصول کیا جاتا تھا جس کی وجہ سے ان کی زندگیاں تنگ ہوگئی تھیں، اگر یہ لوگ اس سے انکار کرتے تو انہیں سخت سے سخت سزائیں دی جاتیں اور اطاعت کرتے تو اتنی زیادہ محنت و مشقت برداشت کرنی پڑتی کہ ان کی زندگیاں گدھوں،

---

[۱] پوری تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو قدیم قانون فصل ہشتم ص ۱۹۶ تا ۲۴۶۔

Marfat.com

بیلوں کی طرح ہو جاتیں۔

یہ بیچارے ہر وقت محنت و مشقت اور خدمت گزاری میں لگے رہتے تھے، انہیں اتنا وقت بھی نہ ملتا تھا کہ وہ اپنے دنیوی ذاتی مفاد کے متعلق کچھ سوچ سکیں۔ اور اُخروی سعادت کی طرف نظر اٹھانے کی توان میں بالکل ہمت ہی نہیں رہی تھی، بسا اوقات ملک میں ایک شخص بھی نہ ہوتا کہ اس کو دین کی کچھ فکر ہو۔[1]

یونان، روم، ایشیا وغیرہ کے حالات کا مختصر جائزہ

یونان اسی طبقاتی کشمکش میں مبتلا رہا جس کی وجہ سے لوگوں کی عام زندگی میں سکون اور سادگی کی جگہ عیش پرستی آگئی تھی اور سیاسی اقتدار شخصی آرزوؤں کو پورا کرنے کا وسیلہ بن گیا تھا، انفرادیت کا بھوت سب کے سر پر سوار تھا اور ریاست کی بنیاد مخصوص طبقہ کی اغراض پر رکھی جاتی تھی جس کی بنا پر امراء اور عوام کے درمیان زبردست خانہ جنگیاں ہوا کرتی تھیں اور مظلوم عوام کی شورشوں کو ظالمانہ طور پر دبا دیا جاتا تھا۔ ایسی صورت میں ان کے گھروں کو جلانا، کھیتوں کو تباہ کرنا، قتل کرنا، غلام بنانا غرض ہر قسم کا وحشیانہ سلوک عوام اور کاشتکاروں کے ساتھ مباح سمجھا جاتا تھا۔[2]

روم بھی دو طبقوں میں بٹا ہوا تھا۔ ایک طبقہ ظالم تھا اور دوسرا مظلوم۔ پہلا ظلم کرنے کے لیے ہر طرح سے آزاد تھا، اور دوسرا ظلم سہنے کے لیے ہر طرح سے مجبور تھا۔ امراء روم کی ساری زندگی انہی کی محنت اور جفاکشی سے چل رہی تھی اور بیلوں کی طرح یہ لوگ دن رات کام میں جُتے رہتے تھے۔

بالعموم کاشتکار اور عوام کی زندگی بیلوں اور گدھوں جیسی ہوگئی تھی۔ حکام کے اختیارات غیر محدود تھے اور سزا دینے میں وہ ہر طرح سے آزاد تھے۔ تحصیل وصول میں ہر قسم کی عبرتناک اور دردناک سزائیں دی جاتی تھیں۔[3]

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ [2] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو جمہوریہ افلاطون مقالۂ ہشتم ص ۲۲۸ و ۲۵۰ اور ریاست ص ۵۱۸ - مقدمہ ریاست ص ۲۸ -

[3] تاریخ زوال روما ج ۱ ص ۵۲ و ۶۱ و ۹۴ و ۹۸ - و روما الکبریٰ ص ۱۸ و ۱۹ -

اس میں شک نہیں کہ بعض فرمانروائے روم مثلاً آگسٹس وغیرہ نے اصلاحات کی کوششیں کی تھیں اور ان میں رعایا پروری کا جذبہ بھی پایا جاتا ہے لیکن ان کی یہ کوششیں زیادہ دیرپا نہ ثابت ہو سکیں۔ کیونکہ جب پورا نظام ہی زہریلا ہو تو محض جزوی تبدیلی سے اس کی اصلاح ہو سکتی ہے اور نہ سلطنت کے اجزاء میں نظم و ضبط کا اعلیٰ معیار قائم ہو سکتا ہے۔

ایشیا کی شخصی سلطنتوں کا حال بھی اس سے کم درد انگیز نہ تھا وہاں بھی عیش پرستی اور ظلم و تعدی کا بازار گرم تھا جس کی بنا پر حکومت و اقتدار کی جڑیں کھوکھلی ہو گئی تھیں اور عوام پر سے حکومت کی گرفت اتنی ڈھیلی ہو چکی تھی کہ حکّام اور تحصیلدار بغیر فوجی طاقت کے اپنا پورا کام نہ کر پاتے تھے حتیٰ کہ سلطنت کے مراکز بھی اس وبا سے محفوظ نہیں رہے تھے وہاں بھی ظلم و ستم کی چکی چل رہی تھی[۱]

ظاہر ہے کہ جب سماج اس قسم کی طبقاتی کشمکش میں مبتلا ہو تو اس کا نتیجہ لازمی طور سے یہ ہوگا کہ لوگوں کے حوصلے پست ہو جائیں گے اولوالعزمی اور بلند پروازی کے سرچشمے خشک ہو جائیں گے۔ لوگوں کے افکارِ عالیہ اور اخلاقِ حمیدہ سے نفرت ہونے لگیگی اور جدتِ طبع ختم ہو کر کورانہ تقلید میں عافیت نظر آنے لگیگی۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب کہتے ہیں:

"جب یہ مشاغل زیادہ ہو جائیں گے تو لوگوں میں خسّت و دنائت سرائت کر جائیگی اور وہ اعمالِ صالحہ و اخلاقِ فاضلہ سے اعراض کرنے لگینگے[۲]

اور مشہور مؤرخ ایڈورڈ گبن کہتا ہے:

"یہ غیر ممکن تھا کہ اس زمانہ کے لوگ تن آسانیوں میں رہ کر زوال کے اسباب نہ دیکھتے رومی زندگی میں ایک زہریلا اثر سرایت کرنے لگا تھا، عقلمندی اور ہوشیاری کا کہیں پتہ و نشان نہ تھا، شعراء اور مقررین کی لوگ غلامانہ تقلید کرتے تھے، جدتِ طبع ختم ہو چکی تھی اور یہ ایسا تنزّل تھا جس سے ان کے جذبات ذلیل و پست اور قوا پژمردہ ہو گئے تھے

[۱] تاریخ زوال روما [۲] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ [۳] تاریخ زوال روما ج ۱ ص ۶۵

Marfat.com

(۹) اسلامی انقلاب اور آراضیِ خالصہ

الغرض یہی فضا اس وقت تقریباً تمام دنیا پر محیط تھی کہ اسلام ایک عالمگیر انقلاب کی شکل میں امانت و عدالت، افادیت و رحمت، اُخوّۃ و مساوات اور ایثار و قربانی کا پیام لے کر وادیٔ "غیر ذی زرع" سے نمودار ہوا، اور کچھ ہی عرصہ کے بعد اس نے دنیا کی زہریلی ہواؤں کو نسیمِ سحر کے جھونکوں میں تبدیل کر دیا اور ایک ایسی فضا پیدا کر دی کہ نہ تو ملکیت کی آڑ میں جور و استبداد کی گنجائش باقی رہ گئی اور نہ روٹی کی خاطر انسان غیر اللہ کی غلامی پر مجبور رہا۔ اس نے ذرائع پیداوار کی تنظیم و تقسیم میں مذہب و ملت کا فرق کیے بغیر ضرورت و صلاحیت اور حسنِ عمل کے اصول کو ملحوظ رکھا۔ اور اپنے زمانہ کے زمیندارانہ و جاگیردارانہ نظام کو ختم کر کے ایک نئے نظام کی بنیاد ڈالی جس میں زمین کی ملکیت کا تصور نہیں بلکہ اس کے امانت ہونے کا تصور غالب تھا۔

چنانچہ خلافتِ الٰہی میں ایک قسم ان آراضی کی ملتی ہے جو مفادِ عامہ کے پیشِ نظر خلافت کی جانب سے لوگوں کو	(۱) زمانۂ خلافت میں قطائع صرف مفادِ عامہ کے پیشِ نظر دیے جاتے تھے۔

دی جاتی تھیں جس کو عربی زبان میں "قطائع" کہتے ہیں۔ اس انتظام کی دو صورتیں رائج تھیں

(۱) کاشت کے لیے کسی کو زمین دی جاتی تھی اور وہ خود اس زمین پر کاشت کرتا تھا

(۲) اگر مفادِ عامہ کی کوئی خدمت سپرد ہونے کی بنا پر وہ خود کاشت نہ کر سکتا تو دوسرے کے ذریعہ کاشت کراتا تھا اور آمدنی یا پیداوار میں دونوں شریک ہوتے تھے۔

خلافت کی جانب سے اس عطیہ کی کبھی تو یہ شکل ہوتی کہ اس کو صرف زمین کی منفعت کا مالک بنا دیا جاتا اور ذاتِ زمین پر کسی قسم کے تصرف بیع ہبہ وغیرہ کا اختیار نہ ہوتا تھا۔ اور کبھی زمین اور اس کی منفعت دونوں کا مالک بنا دیا جاتا تھا۔ اس آخری

Marfat.com

صورت میں ہر قسم کے تصرفات بیع، ہبہ وغیرہ کے اختیارات بھی اس کو حاصل ہوتے تھے۔

لیکن قطائع کی کوئی شکل بھی سرکاری قانون اور ٹیکس سے مستثنیٰ نہ تھی بلکہ اجتماعی مفاد کے لیے خلیفہ کے اختیارات بہ نسبت دوسری زمینوں کے "قطائع" پر زیادہ ہوتے تھے چنانچہ انہی اختیارات کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے بعض قطائع کو جلیل القدر صحابیوں سے واپس لے لیا تھا، اور اس واپسی میں مفادِ عامہ کے علاوہ اور کوئی جذبہ کارفرما نہ تھا جس طرح رسول اللہ نے مفادِ عامہ کی خاطر "قطیعہ" دیا تھا اسی طرح حضرت عمرؓ نے اسی کے پیش نظر واپس لے لیا تھا۔ دراصل قطائع دینے اور ان کے واپس لینے دونوں میں مفادِ عامہ کی روح کام کر رہی تھی۔

اس بحث کو ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی ضرورت ہے تاکہ زمانۂ خلافت کے "قطائع" کی اصل حقیقت واضح ہو سکے اور یہ بھی معلوم ہو سکے کہ بعد میں اس کی اصل حقیقت کس قدر مسخ ہوئی اور اب اس لفظ کو موجودہ زمینداری و جاگیرداری کی حمایت میں کس بُری طرح آلۂ کار بنایا جا رہا ہے۔

زمانۂ خلافت کے قطائع کی اصلی شکل اور بعد کی بگڑی ہوئی شکل (۲)

خلافتِ الٰہی میں قطائع کی جو نوعیت تھی اُس کو سامنے رکھ کر اُن کی یوں تعریف کی جا سکتی ہے "مفادِ عامہ کی حفاظت کی خاطر غیر آباد زمین کو آبادکاری کے لیے کسی کو دینا اور حسب حاجت و مصلحت اس سے سرکاری ٹیکس وصول کرنا"

مندرجہ ذیل تصریحات سے اسی کی تائید ہوتی ہے:۔

الاقطاع اعطاء الارض للاحیاء سواء وجب فیہ العشر او الخراج ؎۱

"اقطاع" کسی کو آبادکاری کے لیے زمین دینا خواہ اس میں عشر واجب ہو یا خراج۔

علامہ مقریزیؒ اس سلسلہ میں کلامِ عرب کا یہ محاورہ نقل کرتے ہیں:۔

؎۱ فیض الباری للعلامہ انور الکشمیری ج ۳ ص ۳۰۸۔

Marfat.com

اقطعہ نھراً وارضاً اباح لہ ذلک[1] نہر اور زمین "قطیعۃً" دیا یعنی اس کے لیے مباح کر دیا۔

علامہ بدرالدین عینیؒ شارح بخاری فرماتے ہیں:

"قطائع" قطیعہ کی جمع ہے۔ خلیفہ کے قطائع دینے کی یہ شکل ہے کہ جس شخص میں وہ اہلیت وصلاحیت دیکھے اللہ کے اموال میں سے کچھ حصہ خلافت کی جانب سے اس کو عطا کرے اکثر اس لفظ کا استعمال زمین کے بارے میں آتا ہے اور اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ (۱) یا تو زمین کی ذات اور منفعت دونوں کا مالک بنا دیا جاتا ہو (۲) یا صرف زمین کی منفعت کا مالک بنایا جاتا ہے ذات کا نہیں[2]

قاضی ابوبکر بن علیؒ شارح ترمذی کہتے ہیں:

"اقطاع" ہبہ ہے جس میں ایک کا حصہ دوسرے شرکا سے جدا کر دیا جاتا ہے کیونکہ اصولاً آراضی میں تمام لوگ برابر کے شریک ہوتے ہیں[3]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا بیان ہے:

وللسلطان اقطاعہ علی الملک وکذا علی عدمہ[4] — خلیفہ کو قطائع دینا جائز ہے چاہے تو زمین کا مالک بنا دے اور چاہے تو مالک نہ بنائے (صرف انتفاع کا موقع دے)۔

ان تمام تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خلافتِ الٰہی میں "قطائع" کی حقیقت صرف اتنی تھی کہ کسی شخص کو آبادکاری کے لیے خلافت کی جانب سے زمین دی جاتی تھی اور وہ زمین سرکاری قانون اور ٹیکس سے مستثنیٰ نہ ہوتی تھی بلکہ خلیفہ کے اختیارات اس پر بہ نسبت دیگر آراضی کے زیادہ ہوتے تھے۔ بعض متاخرین نے "قطائع" کی یہ تعریف کی ہے:

ھو تملیک الارض مرفوعۃ عن المؤن فلا یکون فیھا العشر — "قطائع" کسی کو زمین کا اس طرح مالک بنا دینا کہ اس پر ٹیکس وغیرہ نہ عشر کی صورت میں واجب ہو اور نہ

---

[1] کتاب الخطط للمقریزی ج ۱ ص ۱۵۴ [2] عمدۃ القاری ج ۶ ص ۳۶

[3] ایضاً ص ۱۵۰۔ از فیض الباری [4] مسوّیٰ ص ۲۰۵

Marfat.com

اوالخراج. [۱]   خراج کی صورت میں۔

ظاہر ہے کہ "قطائع" کی یہ تعریف مذکورۂ بالا تعریفوں سے کتنی مختلف اور حقیقت سے کس قدر دور ہے، زمانۂ خلافت میں نہ اس قسم کی تنظیم کا کوئی ثبوت ملتا ہے اور نہ یہ مزاجِ اسلامی ہی کے موافق بیٹھتی ہے۔ اسلام تو دراصل اسی قسم کی زیادتیوں کو ختم کرنے کے لیے آیا ہے نہ کہ ان کو باقی رکھنے اور رواج دینے کے لیے۔

(۳) قطائع جن زمینوں سے دیے جاتے تھے اُن کی تفصیل

احادیث و روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تین قسم کی آراضی ایسی تھیں جو خلافت کی جانب سے لوگوں کو بطور "قطیعہ" دی جاتی تھیں۔

(۱) بنجر زمین جو ہمیشہ سے غیر مزروعہ اور غیر آباد چلی آتی تھی۔ ان کی ویرانی اور سختی دیکھ کر عام لوگوں کو انہیں قابل کاشت بنانے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ خلافت نے ایسی زمینوں کی طرف توجہ کرکے انہیں قابل کاشت بنانے کے لیے لوگوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ چنانچہ "نقیع" میں جو زمین حضرت زبیر کو دی گئی تھی وہ اسی زمین سے تھی۔ [۲]

(۲) افتادہ زمین جس میں قابلِ زراعت ہونے کے باوجود کسی وجہ سے کاشت نہ ہوتی تھی اس میں تمام وہ زمینیں شامل تھیں جو بستیوں کے اُجاڑ ہو جانے کے بعد بیکار پڑی رہتی تھیں اور انہیں کوئی آباد کرنے والا نہ رہ جاتا تھا۔ مدینہ کی وہ زمینیں بھی اسی میں شامل تھیں جو آبپاشی کی دشواری کی وجہ سے رسول اللہ کے حوالہ کر دی گئی تھیں اور ان کو آپ نے لوگوں میں زراعت کی خاطر ــــــ تقسیم کر دیا تھا چنانچہ بلال بن حارث کو رسول اللہ نے "وادی عقیق" اسی زمین سے عطا فرمائی تھی۔ [۳]

(۳) خالصہ زمین۔ اس میں مفتوحہ علاقوں کی تمام وہ زمینیں شامل ہوتی تھیں جو خلافت کے لیے خالصہ قرار دی جاتی تھیں۔ ایسی زمینوں کی کئی قسمیں تھیں جن کی تفصیل یہ ہے :-

---

[۱] فیض الباری ج ۳ ص ۳۰۸ [۲] الاحکام السلطانیہ ماوردی ص ۱۸۳ [۳] الاموال ابی عبید ص ۲۸۲

Marfat.com

ا۔ جن زمینوں کے مالک جنگ میں مارے جاتے۔

ب۔ یا بھاگ جاتے

ج۔ شاہی جاگیریں جو بادشاہ کے صرفِ خاص کے لیے "خالصہ" ہوتی تھیں

د۔ شاہی خاندان اور افسران کی جاگیرین

ہ۔ ترائی، جھیلیں، جھاڑیاں وغیرہ

یہ اور اسی قسم کی تمام وہ زمینیں جن پر چند افراد قابض ہو کر عیش کرتے تھے اور اسلامی غلبہ کے بعد ان کا کوئی مالک اور آباد کرنے والا نہ رہ جاتا تھا۔ ایسی تمام زمینیں خلافت کے لیے "خالصہ" ہو کر مفادِ عامہ کے لیے وقف ہو جاتی تھیں[1]

ابو عبیدؒ 'خالصہ' زمین کی تفصیل بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں :۔

فلم یبق بھا ساکن ولا لھا عامر فکان حکمھا الی الامام[2] ۔ مذکورہ خالصہ زمینوں میں نہ کوئی رہنے والا باقی رہتا تھا اور نہ آباد کرنیوالا اس لیے ان کا معاملہ خلیفہ کے سپرد ہو جاتا تھا۔

قاضی ابو یوسف فرماتے ہیں

وذلک بمنزلۃ المال الذی لم یکن لاحد ولا فی ید احد[3] ۔ ایسی زمین کی حیثیت اس مال جیسی ہوتی تھی جو نہ کسی کا ہو اور نہ کسی کے قبضہ میں ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ زمانۂ خلافت میں انہی زمینوں سے "قطائع" دیے جاتے تھے جو نہ تو کسی کے قبضہ میں ہوتیں اور نہ کوئی ان کا مالک اور وارث ہوتا۔ نہ کسی کے آباد کرنے کا کوئی نشان ہوتا، اور نہ ایسی زمین ہوتی جو قانوناً کسی کو نہ دی جا سکتی تھی مثلاً چراگاہ، جنگل، نمک کی جھیل، وغیرہ اور نہ ایسی صورت ہوتی جس میں کسی کے نقصان کا سوال پیدا ہوتا[4]

---

[1] الاموال ص ۲۸۲۔ والخراج ص ۵۷، ۵۸ [2] الاموال ص ۲۸۲

[3] والخراج ص ۵۸ [4] الخراج ص ۵۹ والاموال ص ۲۷۶، ۲۷۷۔

Marfat.com

ایسی زمینوں کے متعلق دو ہی صورتیں ہو سکتی تھیں (۱) یا تو وہ بیکار پڑی رہتیں اور حقوقِ عامہ جو زمین سے متعلق ہیں وہ پائمال ہوتے رہتے (۲) اور یا وہ صورت اختیار کی جاتی جو مفادِ عامہ کے لحاظ سے مناسب اور بہتر ہوتی۔

خلافت نے نفعِ خلق کے پیشِ نظر دوسری صورت اختیار کی تھی، یہ اسی انتظام کا نتیجہ تھا کہ زمانۂ خلافت میں تمام بنجر و افتادہ زمینیں آباد ہو گئی تھیں اور آباد شدہ زمینوں سے غلہ اُگلنے لگا تھا۔

حکومتِ الٰہی میں قطائع دینے کا مقصد زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کرنا	قطائع لوگوں کو مفادِ عامہ کے پیشِ نظر دیے جاتے تھے جب اس کی خلاف ورزی ہوتی یا کوئی اور عمدہ صورت سمجھ میں آتی تو واپس لے لیے جاتے تھے

اور خلق اللہ کا عام مفاد ہوتا تھا۔ جب تک یہ مقصد پورا ہوتا رہتا خلافت کو دخل دینے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی تھی لیکن اگر اس میں کوتاہی ہوتی یا اور کوئی عمدہ صورت آراضی کے تنظیم کی سامنے آتی جس میں نفعِ خلق زیادہ معلوم ہوتا تو خلافت کو بے دخل کرنے کا پورا حق حاصل ہوتا تھا۔

چنانچہ تاریخ میں چند ایسے واقعات ملتے ہیں جن میں بلا پس و پیش اسی نظریہ کے ماتحت صاحبِ زمین کو بیدخل کر دیا گیا تھا۔ چند واقعات یہ ہیں:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارث کو پوری "وادیٔ عقیق" دے دی تھی لیکن وہ اس کا بڑا حصہ آباد نہ کر سکے تھے۔ خلیفۂ ثانی حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا کہ رسول اللہ نے آپ کو یہ زمین اس لیے نہ دی تھی کہ نہ خود آباد کریں اور نہ دوسروں کو آباد کرنے دیں لہٰذا جتنی زمین آپ آباد کر سکتے ہوں اپنے پاس رکھیے اور بقیہ خلافت کے حوالہ کر دیجیے۔

یہ سُن کر حضرت بلالؓ نے کہا کہ میں رسول اللہ کی دی ہوئی زمین کبھی واپس نہ کرونگا خواہ میں اُسے آباد کروں یا نہ کروں۔ حضرت عمرؓ نے واپسی پر اصرار کیا اور بالآخر آباد شدہ حصہ کو چھوڑ کر بقیہ زمین واپس لے لی۔[1]

اس موقع پر قابلِ غور بات یہ ہے کہ بلال بن حارثؓ رسول اللہ کے قریب ترین صحابی تھے

---

[1] الاموال ص ۲۹۰۔ والخراج لیحییٰ ص ۹۳۔

Marfat.com

اور انہیں زمین کا عطیہ خود رسول اللہ نے عطا فرمایا تھا جس کی بنا پر اُس عطیہ کے ساتھ خصوصی لگاؤ ہونا فطری بات تھی۔ مگر حضرت عمرؓ نے مفادِ عامہ کے لیے نہ بلالؓ جیسے جلیل القدر صحابی کا خیال کیا اور نہ اس جذبہ کا کہ رسول اللہ کا دیا ہوا عطیہ کس طرح واپس لیا جائے۔

اس واقعہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حکومتِ الٰہی میں خلیفۃ اللہ کے سامنے خلق اللہ کا عام مفاد ہوتا تھا۔ وہ اس کے لیے نہ اپنے بزرگ ساتھیوں کے ساتھ کسی قسم کا ترجیحی سلوک کرنے کے لیے تیار ہوتا تھا اور نہ محض جذباتی امور سے متاثر ہو کر عام مفاد کو نظر انداز کر سکتا تھا۔ ظاہر بات ہے کہ جب رسول کا دیا ہوا عطیہ مفادِ عامہ کے پیش نظر بلال جیسے جلیل القدر صحابی سے واپس لیا جا سکتا ہے تو دیگر نا اہل لوگوں کے پاس سے بیکار زمین یا اُن کی ضرورت سے زائد زمین واپس لینے میں کیسے غور و فکر کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ اور اس میں حقوقِ ملکیت "کا گورکھ دھندا" کیسے حائل بن سکتا ہے۔

(۲) رسول اللہ نے ایک اور شخص کو زمین دی تھی حضرت عمرؓ نے زمین کے آباد شدہ حصہ کو چھوڑ کر بقیہ زمین لے لی تھی[1]

(۳) قوم بجیلہ کا واقعہ اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے خالصہ زمین کا کچھ حصہ انہیں دے دیا تھا، اور دو تین سال تک وہ اس کو آباد کرتے رہے تھے لیکن جب خلقِ خدا کے نفع کی اس سے عمدہ صورت سمجھ میں آئی تو خلافت نے بلا پس و پیش وہ زمین ان لوگوں سے واپس لے لی تھی

(۴) حضرت عمرؓ اور عمر بن عبد العزیز کا عام قانون کے ماتحت مسلمانوں کو زمین جائداد سے بیدخل کر کے ان کا وظیفہ مقرر کر دینا اس بات کی شہادت کے لیے کافی ہے کہ حکومتِ الٰہی میں قطائع دینے کا سلسلہ عام مفاد کے پیش نظر ہوتا تھا جب تک یہ مقصد پورا ہوتا رہتا قطائع باقی رکھے جاتے تھے ورنہ جس صورت کے اختیار کرنے میں نفع خلق زیادہ نظر آتا حتی الامکان ذاتی مفاد کو ملحوظ رکھ کر وہی صورت اختیار کرنے کی پوری گنجائش ہوتی تھی۔

[1] الخراج لیحییٰ ص ۸۷۔

Marfat.com

اس نظریہ کی مزید وضاحت ان اصول سے ہوتی ہے جو قطائع کے بارے میں نافذ تھے اور اس طرزِ عمل سے بھی ہوتی ہے جو خلفاء کا اس سلسلہ میں تھا۔

قطائع انہی لوگوں کو دیے جاتے تھے جن کا عام مفاد سے تعلق رہتا تھا۔

حکومتِ الٰہی میں انہی لوگوں کو قطائع دیے جاتے تھے جو کاشتکار ہوتے یا جن کے ذمہ مفادِ عامہ کی کوئی خدمت سپرد ہوتی تھی۔ جس کی بنا پر وہ خود کاشت نہ کر سکتے بلکہ دوسروں سے کاشت کرا کے اس کے ذریعہ اپنی گزر بسر کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں علامہ مقریزی اور قاضی ابو یوسف یہ کلیہ بیان کرتے ہیں :۔

قد اقطع رسول اللہ وتألف علی الاسلام اقواماً واقطع الخلفاء من رأوا ان فی اقطاعہ صلاحاً [1]	پیغمبر اسلام اور آپ کے جانشینوں نے انہی لوگوں کو قطائع دیے تھے جن کے دینے میں ملک وملت کی بھلائی ہوتی تھی اور قطائع دینے میں تالیفِ قلوب مقصود ہوتی تھی۔

علامہ بدر الدین عینی فرماتے ہیں: "خلیفہ کے قطائع دینے کی شکل یہ ہے کہ اللہ کے مال سے وہ ان لوگوں کو عطا یا دے جن میں اس کی اہلیت وصلاحیت دیکھے" [2]

زمانۂ خلافت میں جن کو قطائع دیے جاتے تھے ان کی تفصیل یہ ہے :۔

۱۔ جن میں آباد کاری اور کاشتکاری کی صلاحیت ہوتی تھی۔

۲۔ جن کے سپرد مفادِ عامہ کی کوئی خدمت ہوتی تھی۔

۳۔ فوجی اور تمام وہ لوگ جو ملک وقوم کی حفاظت پر مامور ہوتے تھے۔

۴۔ نومسلموں کو تالیفِ قلوب کے لیے قطائع دیے جاتے تھے۔

بسا اوقات لوگ اسلام قبول کر کے اپنے آپ کو نادار اور محتاج پاتے تھے اور ان کے پاس گزر بسر کی کوئی شکل نہ رہ جاتی تھی۔ ایسی صورت میں خلافت انہیں قطائع دے کر کسبِ معاش کے قابل بناتی تھی۔ اس حسنِ سلوک سے ایک طرف تو یہ ہوتا تھا کہ نومسلموں کو اسلام

---

[1] الخراج ص ۶۱ والخطط للمقریزی ج ۱ ص ۱۵۴ [2] عینی ج ۶ ص ۳۶

Marfat.com

قبول کرنے کے بعد معاشی پریشانیوں سے دوچار ہونا نہیں پڑتا تھا اور وہ مطمئن ہو کر خدمتِ خلق اور رحمتِ الٰہی کو عام کرنے میں اپنی توجہ خرچ کرتے تھے اور دوسری طرف یہ کہ غیر مسلموں کو یہ حسنِ سلوک دیکھ کر سوچنے اور سمجھنے کا موقع ملتا تھا اور اسلام قبول کرنے کے لیے راہیں کھلتی تھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ خلافت کے پیشِ نظر 'قطائع' کا مقصد اللہ کی مخلوق کے لیے زیادہ سے زیادہ پیداوار بڑھانا اور عام خوشحالی کی فضا پیدا کرنا ہوتا تھا اس لیے بالعموم انہی لوگوں کو قطائع دیے جاتے جو زمین کو زیرِ کاشت لا کر پیداوار بڑھا سکتے تھے۔ اور اگر کوئی خدمت سپرد ہونے کی بنا پر خود کاشت نہ کر سکتے تو دوسروں کے ذریعہ کاشت کرا کے اس مقصد کو پورا کرتے تھے۔ جیسا کہ قاضی ابو یوسفؒ نے فرمایا

ولولا ذلك لم يأتوه ولم يقطعوا حق مسلم ولا معاهد[1]	اگر یہ مقصد نہ ہوتا تو رسول اللہ اور خلفاء کسی کو کسی مسلمان یا معاہد کا حق نہ دیتے (اس لحاظ سے کہ زمین میں سب شریک ہیں)

قطائع لوگوں کو مفادِ عامہ کے پیشِ نظر ضرورت و صلاحیت کے مطابق دیے جاتے تھے

باقی رہی یہ بات کہ زمانۂ خلافت میں ایک شخص کو زمین کی کتنی مقدار دی جاتی تھی اس سلسلہ میں تاریخ خلافت کا مطالعہ کرنے سے پہلے بنیادی حیثیت سے چند باتیں لائقِ توجہ ہیں۔

۱۔ اس زمانہ میں بنجر اور افتادہ زمینیں بکثرت تھیں اور آباد کرنے والے کم تھے۔

۲۔ پیداوار آج کے مقابلہ میں کم تھی خصوصاً عرب کی زمینوں کی۔

۳۔ رسول اللہؐ اور ابو بکرؓ کے زمانۂ خلافت تک فوجیوں اور دیگر کارپردازوں کی تنخواہیں مقرر نہیں ہوتی تھیں۔

۴۔ حضرت عمرؓ نے رجسٹر مرتب کر کے تنخواہوں اور وظیفوں کا باقاعدہ انتظام کیا تھا

[1] مزید تحقیق و تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الخراج ص ۶۰، ۶۱ و ۶۲۔ والاموال ص ۷۹، ۸۰، ۸۱ و ۲۸۲۔

Marfat.com

۵۔ تنخواہ اور وظیفہ مقرر نہ ہونے کی صورت میں ان لوگوں کے لیے جن کے مفادِ عامّہ کی خدمت سپرد ہوتی تھی دو ہی صورتیں ہو سکتی تھیں (۱) ڈیوٹی چھوڑ کر خود کاشت کے ذریعہ اپنی گزر بسر کرتے (۲) یا زمین کاشتکاروں کے حوالہ کر کے پیداوار میں یا اس کی آمدنی میں دونوں شریک ہوتے اور اس طرح کاشتکار اور صاحبِ زمین دونوں حسب حیثیت مفادِ عامہ کی خدمت کرتے رہتے۔

۶۔ تنخواہوں اور وظیفوں کے مقرر ہو جانے کے بعد حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کی زمین جائداد کے بارے میں جو طرزِ عمل اختیار کیا تھا جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے وہ قابلِ غور ہے۔

مزید وضاحت کے لیے چند واقعات یہ ہیں

(ا) صدیق اکبرؓ نے حضرت طلحہؓ کو قطیعہ دیا تھا اور اس پر چند لوگوں کو گواہ بنا کر حکمنامہ ان کے حوالہ کر دیا تھا، ان گواہوں میں حضرت عمرؓ کا نام بھی تھا حضرت طلحہؓ حسب دستور حضرت عمرؓ کے پاس حکمنامہ پر دستخط کرانے کے لیے گئے تو انہوں نے یہ کہہ کر دستخط کرنے سے انکار کر دیا تھا:

اھذا کلہ لك دون الناس کیا یہ سب آپ ہی کو ملجائے اور دوسرے لوگ محروم ہیں

اس کے بعد حضرت طلحہؓ غصہ میں بھرے صدیق اکبرؓ کے پاس آئے اور کہا:

واللہ ما ادری انت الخلیفۃ ام عمر واللہ میں نہیں سمجھ سکا کہ کون خلیفہ ہے آپ ہیں یا عمر

حضرت صدیق اکبرؓ نے جواب میں کہا: بل عمر (بلکہ عمر ہیں)

الغرض حضرت عمرؓ کی مخالفت کی وجہ سے صدیق اکبرؓ کا یہ حکم منسوخ کر دیا گیا تھا۔[۱]

(ب) حضرت عیینہؓ کو صدیق اکبرؓ نے قطیعہ دیا تھا جب وہ دستخط کرانے حضرت عمرؓ کے پاس گئے تو انہوں نے دستخط سے انکار ہی نہیں کیا بلکہ لکھے ہوئے حکم کو مٹا دیا تھا۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر حضرت عیینہؓ حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس آئے اور دوسرا حکمنامہ لکھ کر دینے کی درخواست کی۔ صدیق اکبرؓ نے ان سے جواب میں فرمایا:۔

[۱] الاموال ص ۲۸۳۔

Marfat.com

واللہ لا اجدد شیئاً ردہ عمر[1] واللہ میں وہ کام دوبارہ نہ کرونگا جس کو عمر نے رد کیا ہو

یہ بات کہ حضرت عمرؓ نے دستخط سے کیوں انکار کیا تھا جبکہ رسول اللہ اور ابو بکرؓ اور خود عمرؓ سے قطیعہ دینا ثابت ہے اس وجہ حضرت عمرؓ نے خود ہی ان الفاظ میں بیان کر دی تھی۔

اھذا کلہ لک دون الناس کیا یہ سب آپ ہی کو ملجائے اور دوسرے محروم رہیں

اصل بات یہ ہے کہ صدیقؓ و فاروقؓ دونوں کا ایک ہی مقصد تھا یعنی قطائع دے کر زمین کو زیر کاشت لانا تاکہ خلق اللہ کے لیے زیادہ سے زیادہ غذا مہیا ہو سکے مگر یہ بات ہر وقت دونوں کو ملحوظ رہتی تھی کہ زمین چند افراد کے ہاتھ میں پڑ کران کے عیش و آرام طلبی کا سامان نہ بن جائے یا انتظام نہ ہو سکنے کی وجہ سے بیکار نہ پڑی رہے اور حقوق عامہ جو زمین سے متعلق ہیں وہ پائمال ہوتے رہیں۔ اس لیے قطائع دینے میں یہ احتیاط ضروری تھی کہ صرف انہی لوگوں کو دیے جائیں جو اس کے اہل تھے اور اس مقدار میں دیے جائیں جن کو زیادہ سے زیادہ مفید اور کارآمد بنایا جا سکے۔

مذکورہ صورتوں میں حضرت عمرؓ نے جب دستخط سے انکار کیا تھا تو صدیق اکبرؓ کے سامنے یہ حقیقت واضح ہو گئی تھی کہ حضرت عمرؓ کے انکار کی یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ یہ زمین کسی حیثیت سے مفادِ عامہ کے خلاف جا رہی ہے اور فلاں شخص کو قطیعہ دینے میں کسی حد تک مقصد کی پائمالی ہو رہی ہے ورنہ حضرت عمرؓ کو انکار کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی، اس لیے حضرت ابو بکرؓ نے اپنے پہلے حکم کو منسوخ قرار دے کر دوسرا حکمنامہ لکھنے کی درخواست رد کر دی تھی۔

حکومتِ الٰہی میں نہ تو کسی فرد کو بیکار رہنے دیا جاتا تھا اور نہ دوسرے کی محنت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر کسی کو عیش و عشرت کا موقع دیا جاتا تھا۔ اگر کسی فرد میں کاشتکاری کی اہلیت و صلاحیت دیکھی جاتی تو زمین اس کے حوالہ کر کے اسے خلق اللہ کی خدمت پر مامور کر دیا جاتا تھا، اور اگر وہ شخص دیگر مفادِ عامہ کے کاموں کے لیے موزوں ہوتا تو اس مقدار میں

---

[1] الاموال۔ ص ۲۸۳۔

Marfat.com

'قطیعہ' دیے جاتے تھے کہ وہ دوسروں کے ذریعہ کاشت کرا کے اپنی گزربسر کے لائق آمدنی یا پیداوار حاصل کر سکے تاکہ اس کو دیگر کام اطمینان کے ساتھ انجام دینے میں سہولت ہو ایسی صورت میں کاشتکار اپنی صلاحیت کے مطابق خدمتِ خلق کرتا تھا اور صاحبِ زمین اپنی صلاحیت کے مطابق اس فرض کو انجام دیتا تھا۔ نہ کوئی شخص بیکار رہنے پاتا تھا اور نہ کسی کو اس کو صلاحیت اور طبیعت کے خلاف ڈیوٹی سپرد کی جاتی تھی۔ اس سے ایک طرف تو یہ ہوتا تھا کہ ہر شخص مفادِ عامہ کے کاموں میں لگا رہتا تھا اور سب کام نہایت خوش اسلوبی سے انجام پاتے رہتے تھے اور دوسری طرف یہ کہ ہر شخص اپنی ضمیر کی آزادی اور صلاحیت کے لحاظ سے اپنی اپنی لائن میں زیادہ سے زیادہ ترقی کرتا تھا، نہ کسی کے ذہنی طور پر خودکشی کا سوال پیدا ہوتا تھا اور نہ کسی کو مزاج اور طبیعت کے خلاف محض سرمایہ اور روپیہ کی خاطر کسی کام کے کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ غرض زمانۂ خلافت میں جماعت جماعتی حیثیت سے خوش تھی اور فرد اپنی انفرادی حیثیت سے خوش تھا۔ نہ فرد کو جماعت سے شکایت تھی اور نہ جماعت کو فرد پر اعتراض تھا۔

قطائع کے بارے میں اسی پوزیشن کو واضح کرنے کے لیے علامہ بدرالدین عینیؒ نے فرمایا:۔

یجوز للجندی الذی یقطع لہ ان یوجر ما اقطع لہ[1] — لشکری اور فوجی کے لیے اپنے قطائع کرایہ پر دینا جائز ہے۔

اور شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں:

ولا یقطع الا قدر ما یتاتی العمل علیہ[2] — اسی مقدار قطیعہ دیا جائے جس پر اس کا کام کرنا آسان ہو۔

پھر کہتے ہیں:۔

امام را باید کہ اقطاع کند بقدر حاجت[3] — خلیفہ کو بقدر ضرورت قطیعہ دینا چاہیے۔

---

[1] عمدۃ القاری ج ۶ ص ۳۶   [2] مسوی ص ۲۰۵   [3] مصفی ص ۲۰۵

Marfat.com

ان تصریحات سے دو باتیں واضح ہوئیں (۱) پہلی تو یہ کہ حاجت و ضرورت سے زائد کسی کو قطیعہ نہ دیا جائے (۲) دوسری یہ کہ بوقت ضرورت و مصروفیت اپنے قطیعہ کو کرایہ وغیرہ پر دیا جا سکتا ہے۔

(۷) قطائع پر خلافت کے اختیارات بہ نسبت دوسری زمینوں کے زیادہ ہوتے ہیں۔

زمانۂ خلافت کے دیئے ہوئے "قطائع" سرکاری قانون اور ٹیکس سے مستثنیٰ نہ ہوتے تھے بلکہ بہ نسبت دیگر آراضی کے خلافت کے اختیارات قطائع میں زیادہ وسیع ہوتے تھے۔ کیونکہ خلافت کا براہِ راست تعلق "خالصہ" زمینوں سے ہوتا تھا اور قطائع بالعموم انہی زمینوں سے دیئے جاتے تھے۔ اس لیے ان کے نظامِ تنظیم و تقسیم میں خلافت کی ذمہ داری زیادہ رہتی تھی۔ جب اس میں خلافت کی ذمہ داری زیادہ ہوتی تھی تو اس کے اختیارات کا وسیع ہونا ایک فطری امر تھا تاکہ دونوں جانب توازن قائم رہ سکے۔ جیسا کہ امام ابو یوسف اختیارات کی وسعت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں "قطائع اگر عشری زمین سے دیئے گئے ہیں تو عشر واجب ہوگا اور خراجی زمین سے دیئے گئے ہیں تو خراج واجب ہوگا"۔[۱]

پھر آگے چل کر اسی حقیقت کو ان الفاظ میں واضح کرتے ہیں:

"جس کسی کو خراجی زمین سے قطائع دیئے جائیں تو ٹیکس کے بارے میں خلیفہ کو اختیار ہے کہ پیداوار کا دسواں، پندرہواں، بیسواں حصہ یا اس سے بھی زیادہ یا خراج بہرحال جو مناسب سمجھے وہ ٹیکس مقرر کر دے"۔[۲]

پھر کہتے ہیں:۔

وارجوان یکون ذلک موسعا علیہ فکیف ماشاء من ذلک فعل[۳] مجھے امید ہے کہ اس بارہ میں خلافت جو بھی مناسب سمجھ کر کرے گی اس کے لیے وسعت اور گنجائش ہے۔

یہی امام ہارون الرشید کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

---

[۱] الخراج ص ۵۹، ۶۰ [۲] ایضاً [۳] ایضاً

Marfat.com

واعمل بما ترى انه اصلح للمسلمين واعم نفعا لخاصتهم وعامتهم و اسلم لك فی دینك [1]

مفادِ عامہ کے پیشِ نظر جس میں مسلمانوں کی اور تمام لوگوں کی فلاح وبہبودی ہو آپ کو اس میں بالکلیہ اختیار ہے اور دین و ملت کے لحاظ سے بھی وہی زیادہ محافظ ہے۔

حاصل یہ کہ حکومتِ الٰہی میں زمین جائداد نہ ذاتی وقار اور اقتدار بڑھانے کے لیے ہوتے تھے اور نہ کاشتکاروں کی محنت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر مفت خوروں کا طبقہ پیدا کرنے کے لیے بلکہ یہ ساری چیزیں پیداوار حاصل کر کے مفادِ عامہ کی راہوں میں صرف کرنے کے لیے اور خلقِ خدا کی خدمت کے لیے ہوتی تھیں اسی لیے قانون اور ٹیکس کے معاملات میں خلافت کے اختیارات وسیع ہوتے تھے۔

جس طرح خلق اللہ کی ضروریات مہیّا کرنا خلافت کا فرض تھا اور جانوروں تک کا انتظام اس کی ڈیوٹی میں داخل تھا اسی طرح قدرت کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں خلافت کے اختیارات کی وسعت اس کا حق تھا تاکہ آزادی کے ساتھ حقیقی معنوں میں وہ نیابت کے فرائض انجام دے سکے

مذکورہ بالا تصریحات کے پیشِ نظر یہ فیصلہ کرنا آسان ہے کہ موجودہ زمینداری و جاگیرداری کی شکل زمانۂ خلافت کے قطائع سے بالکل مختلف ہے کیونکہ اس نظام میں جاگیردار و زمیندار ایک وسیع حصّۂ زمین کا مالک ہو کر کاشتکاروں اور مزدوروں سے کام لیتا ہے اور بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے ان کے منافع سے عیش و آرام کرتا ہے۔

اس سے ایک طرف تو راحت طلبوں اور مفت خوروں کا طبقہ پیدا ہوتا ہے جو دوسروں کی محنت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر سوسائٹی کے لیے بار بنتا ہے اور دوسری طرف کاشتکاروں کو ان کی محنت کا پورا حق نہیں ملتا جس کی بناء پر انہیں رات دن کی محنت کے باوجود فراغت کے ساتھ روٹی میسر نہیں آتی۔

---

[1] الخراج ص ۵۹، ۶۰۔

قطائع سے اس قسم کی تنظیم کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں نکل سکتی، بلکہ اسلام ایسے نظام کو سختی کے ساتھ ختم کرنا چاہتا ہے اور زمانۂ خلافت کی متعدد مثالیں اوپر گزر چکی ہیں جن سے اسی حقیقت کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔

(۸)
زمانۂ خلافت کے چند اہلِ قطائع کا ذکر اور ایک مسلمہ حقیقت پر استشہاد۔

ذیل میں چندان لوگوں کے نام درج کیے جاتے ہیں جن کو رسول اللہ اور آپ کے بعد آپ کے جانشینوں نے "قطائع" دیے تھے۔ جنہیں دیکھ کر یہ اندازہ لگایا جا سکیگا کہ حکومتِ الٰہی میں اہلِ قطائع مفادِ عامّہ کی خدمت پر مامور ہوتے تھے یا دوسروں کی محنت سے عیش و عشرت کرنے والے ہوتے تھے۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکرؓ اور عمرؓ کو قطیعہ دیا تھا (الخراج لابی یوسف)

(۲) آپ نے علقمہؓ کو حضرموت میں ایک زمین عطا کی تھی (ترمذی)

(۳) حضرت زبیرؓ کو زمین کا ایک بڑا حصہ دیا تھا۔ (الخراج لابی یوسف)

(۴) حضرت بلالؓ بن حارث کو "وادی عقیق" عطا فرمایا تھا (الاموال)

(۵) آپ نے فرات بن حیان عجلی کو یمامہ میں ایک زمین دی تھی (〃)

(۶) یمامہ کے بعض دوسرے لوگوں کو بھی بنجر زمین عطا فرمائی تھی (〃)

(۷) آپ نے عبداللہ بن مسعودؓ کو مدینہ میں مکان دیے تھے (مشکوٰۃ)

(۸) اور ابو رافعؓ کے خاندان کو بنجر زمین کا ایک بڑا حصہ عطا فرمایا (الخراج لابی یوسف)

(۹) آپ نے انصار میں سے ایک شخص سلیطؓ نامی کو زمین دی تھی (الاموال)

(۱۰) عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو زمین دی تھی (مسند امام احمد)

(۱۱) بنجر زمین کو قابلِ کاشت بنانے کے لیے آپ نے اعلانِ عام کر دیا تھا کہ زمین اللہ کی ہے اور انسان اللہ کے بندے ہیں بنجر زمین کو جو شخص بھی زیر کاشت لانا چاہے اس کو پورا اختیار ہے ایسی صورت میں زمین اسی کی ملک ہوگی۔

(نصب الرایہ و الخراج لابی یوسف)

Marfat.com

(۱۲) رسول اللہ کے بعد بھی قطائع دینے کا یہ سلسلہ قائم رہا اور متعدد صحابہ مثلاً سعد بن وقاصؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، نافعؓ، خبابؓ، زبیرؓ، اسامہ بن زیدؓ، عمار بن یاسرؓ، سعد بن مالکؓ وغیرہ کو قطائع دیے گئے۔ (بخاری والاموال والخراجین)

(۱۳) اور آپؐ کے بعد بھی یہ اعلانِ عام کر دیا گیا تھا کہ جو شخص بنجر زمین کو زیر کاشت لائیگا وہ اس کی ہو جائیگی (ایضاً)

ان اعلانات کی وجہ سے بہت سی بنجر زمینیں لوگوں کے استعمال میں آگئی تھیں اور غیر آباد زمینیں جو پہلے بیکار پڑی تھیں اب ان سے خلق خدا کو فائدہ پہنچنے لگا تھا۔

تاریخ کے طلبا پر یہ بات واضح ہے کہ جن بزرگوں کے نام قطائع کے سلسلہ میں اوپر درج کیے گئے ہیں وہ سب ایسے تھے جو خدمتِ خلق اور مفادِ عامہ کے کاموں کے لیے وقف تھے ان کے علاوہ بہت سے اہلِ قطائع کاشتکار ہوتے تھے جو زمین کو زیر کاشت لا کر خود بھی اس سے فائدہ اٹھاتے تھے اور سرکاری ٹیکس کی ادائیگی کے ذریعہ وہ مفادِ عامہ کی خدمت کرتے رہتے تھے خلافت کی پوری تاریخ میں ایک نظیر بھی ایسی نہیں پیش کی جا سکتی جس سے ثابت ہوتا ہو کہ قطائع کسی کے پاس عیش و آرام کا سامان بنے ہوں یا یہ دوسروں کی محنت کھانے والا مفت خور طبقہ پیدا کرنے کا ذریعہ بنے ہوں۔ جیسا کہ قاضی ابو یوسفؒ زمانۂ خلافت کے مجموعی حیثیت سے تمام قطائع کے متعلق یہ کلیہ بیان کرتے ہیں:

فقد جاءت ھذہ الآثار بان النبی	یہ آثار اس بات کے ثبوت کے لیے کافی ہیں
صلی اللہ علیہ وسلم اقطع اقواماً و	کہ رسول اللہ اور آپ کے بعد خلفاء نے
ان الخلفاء من بعدہ اقطعوا ورائ	لوگوں کو قطائع دیے تھے اور اسی میں لوگوں
رسول اللہ الصلاح فیما فعل من	کی فلاح و بہبود سمجھی تھی۔ رسول اللہ نے
ذلک اذ کان فیہ تالف علی الاسلام	نومسلموں کو تالیفِ قلوب کے لیے اور
وعمارۃ للارض وکذالک الخلفاء	زمین کو زیر کاشت لانے کے لیے قطائع دیے

Marfat.com

انما اقطعوا من رأوان لہ غناء	تھے ایسے ہی خلفا نے جن لوگوں کو قطائع دیے
فی الاسلام ونکایۃ للعدو ورأوان	وہ وہی لوگ تھے جن کا اسلام میں کوئی فائدہ
الافضل ما فعلوا ولولا ذلک لم	تھا اور وہ لوگ امن وامان کے قیام پر مامور
یاتوہ ولم یقطعوا حق مسلم ولا	ہوتے تھے اگر یہ بات نہ ہوتی تو پھر کسی کو کسی
معاھد [1]	مسلم یا معاہد کا حق دینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا

حاصل یہ کہ زمانۂ خلافت میں لوگوں کو اس لیے قطائع نہ دیے جاتے تھے کہ ان کے ذریعہ اہلِ قطائع عیش وعشرت کریں بلکہ یہ قطعات انہیں معاش کی فکر سے آزاد کر کے خدمتِ خلق کے لیے وقف ہو جانے کا سامان کیا کرتے تھے۔

یہ حقیقت اس بات سے اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ حکومتِ الٰہی کی طے شدہ ومقرر کردہ پالیسی یہ ہے کہ زمین اور جائداد ذاتی وقار اور اقتدار بڑھانے کے لیے نہ ابتداءً کسی کو دی جا سکتی ہے اور نہ بعد میں کسی کے پاس باقی رکھی جا سکتی ہے، یہ صرف مفادِ عامہ کے پیشِ نظر لوگوں کو دی جاتی ہے اور اس کو سامنے رکھ کر ان سے واپس لے لی جاتی ہے۔ حکومتِ الٰہی میں اصل چیز مفادِ خلق ہے، جب تک یہ حاصل ہوتا رہتا ہے خلافت کو اس میں دخل دینے کی کوئی ضرورت نہیں پڑتی لیکن جب یہ فوت ہونے لگتا ہے تو خلافت اس وقت ہر تصرف کی مجاز ہوتی ہے۔ چنانچہ زمانۂ خلافت میں قوم بجیلہ سے قطائع کا واپس لے لینا اور بلال بن حارث مزنی کے قبضہ سے غیر آباد اراضی کا نکال لینا اور اس قسم کے جتنے واقعات اوپر مذکور ہو چکے وہ سب اسی حقیقت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

قطائع پر خلافت کے اختیارات کے بارے میں چند تصریحات

اسی بنا پر حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر فرمایا تھا:۔

لنا رقاب الارض [2] زمینیں دراصل ہماری (خلافت کی) ہیں

اور حضرت علیؓ نے ایک شخص سے اس کے اسلام قبول کرنے کے بعد فرمایا تھا۔

---

[1] الخراج۔ ص ۶۲ [2] الاموال ص ۲۷۹

Marfat.com

ان ارضک فلنا [1] — بیشک تیری زمین ہماری (خلافت کی) ہے۔

اسی حقیقت کو حافظ ابوبکر جصاصؒ یوں ادا کرتے ہیں:

"ہر وہ زمین جس کی آبادکاری سے لوگ عاجز ہیں اور حقوقِ عامہ جو زمین سے متعلق ہیں پامال ہونے لگیں تو اس کے انتظام کے بارے میں خلافت کو پورا اختیار ہے [2]"

قاضی ابو یوسفؒ فرماتے ہیں:

ولا یخرج من یدہ من ذلک شیئا — اہلِ قطائع کو خلافت (بلاوجہ) بیدخل نہ کرے

الا بحق یجب لہ علیہ فیاخذ لہ — البتہ اگر حقوق واجبہ کی ادائیگی نہ ہو رہی ہو تو

بذالک الذی وجب لہ [3] — اس کو بیدخل کرنے کا پورا اختیار ہے۔

قاضی صاحب کا یہ جملہ "الا بحق یجب لہ علیہ" نہایت قابلِ غور ہے اور اپنے عمومِ مفہوم کی بناء پر حقوقِ عامہ کے ہر جائز حق اور خلیفہ کے ہر جائز تصرف کو شامل ہے۔ اسی سلسلہ میں امام ابوحنیفہ کی یہ تصریح ہے:-

ان نواحی دار الاسلام تحت ید امام المسلمین [4] — دارالاسلام کے جملہ حصے خلیفۃ المسلمین کے زیرِ اقتدار ہوتے ہیں۔

اور امام مالکؒ کا یہ ارشاد ہے:

تصیر الارض للسلطان [5] — زمینیں دراصل بادشاہ (حکومت) کی ہوتی ہیں۔

ایک موقع پر علامہ عینی کہتے ہیں:-

ان حکم الاراضی الی الامام [6] — دراصل زمین کا معاملہ خلیفہ (خلافت) کے سپرد ہے

چونکہ اراضی کے معاملہ میں خلافت کے اختیارات وسیع ہوتے ہیں اس لیے خلیفہ کو مفادِ عامہ کے پیشِ نظر موقوفہ اراضی میں بھی واقف کی مقرر کردہ شرطوں کی مخالفت جائز

---

[1] احکام القرآن ج ۳ ص ۵۳۲ [2] ایضاً [3] الخراج ص ۶۰ [4] مبسوط ج ۱ ص ۳۹ از اسلام کے معاشی نظریے [5] المحلی ج ۸ از مقالہ اسلامی اشتراکیت [5] عینی ج ۶ ص ۲۹ [6] درالمختار ج ۱

سمجھی جاتی ہے۔ آراضیِ موقوفہ کی بحث میں فقہا نے تصریح کی ہے:۔

اِن السلطان یجوز لہ مخالفۃ الشرط اذا کان غالب جھات الوقف قریٰ ومزارع فیعمل بامرہ وان غایر شرط الواقف لان اصلھا لبیت المال[1]	جب وقف کی اکثر جہات گاؤں اور مزروعہ زمینیں ہوں تو خلافت اپنے صوابدید کے مطابق انتظام کرے اگرچہ واقف کی شرطوں کی مخالفت پائی جاتی ہو کیونکہ گاؤں اور زمینیں دراصل بیت المال (خلافت) کی ہوتی ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ حکومتِ الٰہی میں زمین اور جائداد پر کسی کے قبضہ ہونے کا صرف یہ مطلب ہے کہ قابض کو بحیثیت 'امین' اس کے استعمال کا حق حاصل ہو۔ یہ امانت اس کے قبضہ میں یا یہ حق استعمال اس کے پاس اسی وقت تک باقی رکھا جاتا ہے جب تک خلق اللہ کے مفاد میں وہ خلافت کا ہاتھ بٹا سکے اور ایسی فضا پیدا کرنے میں مددگار بنے جو مخلوق کی خوشحالی اور ترقی کی ضامن ہو لیکن جب اس کی خلاف ورزی ہونے لگے یا امانت میں خیانت کا اندیشہ پیدا ہو جائے تو خلافت کو بلا پس وپیش زمین سے بیدخل کر دینے یا جو بہتر صورت اس کی سمجھ میں آئے اس پر عمل کرنے کا پورا اختیار ہے۔

خلافت کے اس اقدام میں نہ حقوقِ ملکیت کا گورکھ دھندا حائل ہوتا ہے اور نہ محض جذباتی چیزیں رکاوٹ بن سکتی ہیں۔

چونکہ خلافت کے ہر تصرف اور ہر فیصلہ میں ہر شخص کے ذاتی مفاد کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے اس لیے اس قسم کے تمام مواقع میں وہ ذاتی وانفرادی مفاد کا پورا پورا لحاظ رکھتی ہے البتہ انفرادی اور اجتماعی مفادات کے ٹکراؤ کی شکل میں وہ اجتماعی مفاد کو ترجیح دیتی ہے۔

دراصل اسی انفرادی حق کے تحفظ کے ماتحت زمانۂ خلافت میں بعض ایسی شکلیں ملتی ہیں جن میں صاحبِ زمین کو ان کی زمین لے لینے کے بعد کچھ رقم ادا کی گئی تھی تاکہ اس شخص

---

[1] در مختار۔ ج ۱۔

Marfat.com

کے ذاتی حقوق پامال نہ ہونے پائیں۔ کبھی تو اس کی شکل معاوضہ کی ہوتی تھی جیسے کہ حضرت عمرؓ نے جب وادی القریٰ کے باشندوں کو منتقل کرنا چاہا تو ان کی آراضی اور نخلستان کی ایک ایک پائی قیمت لگا کر جو نوّے ہزار کے قریب ہوتی تھی ان کے حوالہ کیا تھا[1]

اور جس طرح نجران کے باشندوں کو جب سیاسی مصلحت کی بنا پر منتقل کیا گیا تو زمین کے عوض زمین دی گئی اور فدک کے لوگوں کو منتقلی کے وقت زمین کی قیمت ادا کی گئی تھی ہر ایک کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے اور جس طرح مدینہ کے یہودیوں کو ان کے منتقل کرنے سے پیشتر اپنی اپنی زمینیں فروخت کرنے کا حکم دیا تھا[2]

اور کبھی حکومت کی جانب سے دی ہوئی رقم کی حیثیت معاوضہ کی نہ ہوتی تھی بلکہ بطور امداد ہوا کرتی تھی جس طرح حضرت عمرؓ نے قوم بجیلہ کے ابن جریرؓ اور ایک عورت ام کرز کو اسّی دینار کے قریب دیا تھا، اس کی حیثیت امداد کی تھی نہ کہ معاوضہ کی جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

(۱۰) صاحبِ زمین کے اختیارات

اسلام جس طرح اجتماعی مفاد کی خاطر ذاتی مفاد کو قربان کر دینے کا حکم دیتا ہے اسی طرح وہ ہر شخص کی ذاتی آزادی اور انفرادی حقوق کا بھی خیال رکھتا ہے تاکہ ایک طرف انسان کی صلاحیتوں کو آزادانہ نشوونما ملتی رہے اور دوسری طرف جدوجہد اور سعی و عمل کے میدان میں ترقی کا جذبہ سرد نہ ہونے پائے۔ اسلام میں فرد کو نہ اس طرح کی بالکلیہ آزادی ہے کہ وہ دوسروں کے حقوق پر جارحانہ حملہ کرے یا ایک کی وجہ سے بہتوں کے حقوق پامال ہوں اور نہ فرد کو جماعتی شکنجہ میں اس طرح جکڑا جاتا ہے کہ اس کے ضمیر کا استقلال نہ باقی رکھ سکے

[1] الاحکام السلطانیہ ماوردی ص۱۶۳ [2] بخاری کتاب البیوع ص ۱۹

اسلام کے اسی نظام کے ماتحت زمانۂ خلافت میں صاحبِ زمین کو اپنی زمین پر کئی قسم کے اختیارات حاصل ہوتے تھے لیکن چونکہ خلافت کے ذمہ ہر شخص کی بنیادی ضرورت کا پورا کرنا لازم ہوتا تھا اس لیے اس کو اس بات کا حق حاصل تھا کہ ہر اس شخص کے ان ذاتی تصرفات کو ممنوع یا محدود قرار دے جن کی وجہ سے براہ راست اس کے حقوق ذاتیہ پر زد پڑتی ہو اور بعد میں خلافت کے لیے اس کا انتظام کرنا ناگزیر ہو جائے۔ زمانۂ خلافت میں ان اختیارات کی مختلف شکلیں تھیں مثلاً:

(۱) صاحب زمین کو اپنی زمین وقف کرنے کی اجازت تھی۔

ہر شخص اپنی زمین وقف کر سکتا تھا جیسا کہ تاریخ خلافت میں اس متعدد مثالیں ملتی ہیں کہ لوگوں نے متعدد چیزیں مفادِ عامہ کے لیے وقف کر دی تھیں اور خلافت نے بھی اس وقف کو قائم و باقی رکھا تھا۔

۱۔ اسلام میں سب سے پہلے واقف حضرت عمرؓ ہیں جنہوں نے اپنا خیبر کا حصہ جو فوجیوں میں تقسیم کے وقت آپ کو ملا تھا فی سبیل اللہ وقف کر دیا تھا۔[1]

۲۔ ایسے ہی حضرت طلحہؓ نے اپنا محبوب ترین باغ اللہ کی راہ میں وقف کر دیا تھا۔[2]

۳۔ حضرت علیؓ نے مصر کی زمین اور مکان وقف کیا تھا۔

۴۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے مکہ اور مدینہ کے مکانات وقف کیے تھے۔

۵۔ حضرت سعدؓ نے ایک مکان مدینہ میں اور ایک مصر میں وقف کر دیا تھا۔

۶۔ حضرت ارقمؓ نے اپنا وہ مکان وقف کر دیا تھا جس میں مدینہ پہنچنے کے بعد رسول اللہ نے قیام فرمایا تھا۔

۷۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت زبیر بن العوامؓ نے اپنے مکہ کے مکان وقف کیے تھے۔

۸۔ حضرت عمرؓ نے مکہ میں مروہ کے پاس کا مکان وقف کیا تھا۔ ان کے علاوہ زمانۂ خلافت میں بکثرت اوقاف کا ثبوت متعدد احادیث و آثار سے ملتا ہے۔[3]

---

[1] بخاری و مسلم [2] بخاری کتاب التفسیر [3] نصب الرایہ

Marfat.com

اس وقت زمین جائداد کے صدقہ کرنے کا رواج بھی پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ ایک شخص نے اپنی ماں کے انتقال کے بعد اپنا ایک باغ صدقہ کر دیا تھا[۱]

عینی بخاری کی شرح میں کہتے ہیں کہ وقف اور صدقہ دونوں قریب المعنیٰ ہیں اور دونوں کا ایک حکم ہے[۲]

وقف صحیح ہو جانے کے بعد پھر واقف کو مالکانہ تصرف کا اختیار نہ رہتا تھا بلکہ اس کا پورا انتظام خلافت کے ذمہ ہو جاتا تھا۔ موقوفہ زمین کے متعلق رسول اللہ نے فرمایا:

لا تباع ولا توهب ولا تورث[۳] وہ زمین نہ بیچی جائے نہ ہبہ کی جائے اور نہ اس میں وراثت جاری ہو

چونکہ آراضی کا اصل تعلق خلافت سے ہوتا تھا اس لیے ایسی صورت میں جبکہ وقف کی شرطیں مفادِ عامہ کے خلاف ہوتیں یا اور کسی حیثیت سے وہ مضر ثابت ہوتیں خلافت کو واقف کی مقرر کردہ شرطوں کی مخالفت جائز تھی۔ اس بارے میں فقہ کی یہ تصریح کہ

"جب وقف کی اکثر جہات گاؤں اور مزروعہ زمین ہو تو خلیفہ کا حکم نافذ العمل ہوگا اگرچہ وہ حکم واقف کی شرطوں کے مخالف ہو کیونکہ گاؤں اور زمینیں دراصل بیت المال کی ہوتی ہیں[۴]"

(۲) زمین کی خرید و فروخت کی اجازت صاحبِ زمین کو اپنی ضرورت اور مقصد کے پیش نظر زمین کو فروخت کرنے کا حق حاصل ہے جیسا کہ زمانۂ خلافت میں متعدد صحابہ سے ثابت ہے مثلاً ابو رافع صحابی نے رسول اللہ کے دیے ہوئے قطائع کو فروخت کر دیا تھا[۵]

اسی طرح کئی صحابیوں سے زمین خریدنا ثابت ہے۔ مثلاً عبداللہ بن مسعود، عتبہ بن فرقد، حسن، حسین، خباب بن ارت وغیرہ نے خراجی زمینیں خریدی تھیں اور حسب سابق وہ ٹیکس ادا کیا کرتے تھے[۶]

---

[۱] عینی ج ۶ ص ۲۱۴ [۲] ایضاً [۳] بخاری و مسلم [۴] در المختار [۵] الخراج لابی یوسف ص ۶۱ [۶] الخراج لیحییٰ ص ۵۷، ۵۸

Marfat.com

ابوبکر جصاص رح کہتے ہیں :

لایکرہ للمسلم ان یشتری ارض الخراج [1] | مسلمان کے لیے خراجی زمین کے خریدنے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

اور صاحب ہدایہ کہتے ہیں :۔

وقد صح ان الصحابۃ اشتروا اراضی الخراج [2] | یہ بات صحت کو پہنچ چکی ہے کہ صحابہ نے خراجی زمینیں خریدی تھیں۔

بہر حال زمانۂ خلافت میں زمین کی خرید و فروخت دونوں پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہیں اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے جن بعض اقوال و آثار سے خراجی زمین خریدنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ عموماً فاتح قومیں مفتوحین کے ساتھ معاملات میں دباؤ ڈالتی ہیں اور ظلم و زیادتی کرتی ہیں اسلام نے اس سلسلہ میں یہاں تک احتیاط کی کہ محض اس احتمال کی بناء پر کہ کہیں آئندہ مفتوحین کے ساتھ معاملات میں دباؤ ڈالتی ہیں اور ظلم و زیادتی کرتی ہیں۔ اسلام نے اس سلسلہ میں یہاں تک احتیاط کی کہ محض اس احتمال کی بناء پر کہ کہیں آئندہ مفتوحین کے ساتھ معاملات میں ظلم و زیادتی کا دروازہ نہ کھل جائے فاتحین کے اس جائز حق کو بھی پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا اور آنحضرتؐ نے فرمایا کہ خراجی زمینیں خریدنا مناسب نہیں ہے۔

البتہ جہاں اس احتمال کا اندیشہ نہیں تھا وہاں دونوں کی آزادی رائے و ضمیر کو برقرار رکھنے کے لیے خرید و فروخت کی اجازت تھی جیسا کہ متعدد صحابیوں کا خریدنا مذکور ہو چکا ہے۔

(۳) شریک اور پڑوسی کو حق شفعہ پہنچتا تھا۔

زمین اور جائداد فروخت کرنے کی صورت میں "حق شفعہ" بھی مستحقین کو پہنچتا تھا۔ "شفعہ در اصل ایک حق ہے جو جائداد غیر منقولہ کی بیع کے وقت شریک کو اور اگر شریک نہ ہو تو پڑوسی کو پہنچتا ہے"۔ اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے۔

[1] احکام القرآن ج ۳ ص ۱۲۷ [2] ہدایہ ج ۱

Marfat.com

الخلیط احق من الجار والجار	شریک بہ نسبت پڑوسی کے زیادہ حقدار ہے،
احق من غیرہ ؎۱	اور پڑوسی بہ نسبت غیر کے زیادہ مستحق ہے۔

دوسرے موقع پر آپ نے فرمایا۔

الشریك احق بالشفعة فان	شریک شفعہ کا زیادہ حقدار ہے اگر وہ نہ ہو تو
لم یکن شریك فالجار ؎۲	پھر پڑوسی کو یہ حق پہنچتا ہے۔

اس حق کا مطلب یہ ہے کہ شریک کی موجودگی میں اس کو اطلاع کیے بغیر اور اگر وہ نہ ہو تو پڑوسی کو اطلاع دیے بغیر زمین جائداد کا فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ اطلاع کے بعد اگر وہ لینا چاہیں تو پھر کسی دوسرے کو اس کے خریدنے کا حق نہیں ہے۔ البتہ اگر وہ انکار کردیں یا کم قیمت پر لینا چاہیں اور بازار میں اس کی زیادہ قیمت ملتی ہو تو پھر صاحب زمین کو اختیار ہے کہ جس کے ہاتھ چاہے فروخت کرے۔ اور اگر فروخت کرنے کی اطلاع انہیں نہیں دی گئی ہے تو معاملہ ہو جانے کے بعد انہیں بیع کو فسخ کرا کے خود خریدنے کا حق ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ نے فرمایا۔

"شریک کو اطلاع دیے بغیر کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا حلال نہیں ہے۔ اطلاع کے بعد شریک چاہے تو لے لے چاہے نہ لے۔ اور اگر کسی نے اطلاع دیے بغیر فروخت کر دیا تو شریک کو اختیار ہے کہ بیع فسخ کر کے خود معاملہ کر لے ؎۳

اسی طرح آپ نے پڑوسی کے متعلق فرمایا:

"پڑوسی زیادہ حقدار ہے، اگر وہ موجود نہ ہو تو اس کا انتظار کیا جائے ؎۴

(۴) امداد باہمی کے طور پر کسی کو اپنی زمین جائداد ہبہ کر دینا جائز سمجھا جاتا تھا۔

زمانۂ خلافت میں جائداد غیر منقولہ زمین، مکان، باغ وغیرہ کسی کو ہبہ کر دینا قانوناً صحیح مانا جاتا تھا۔

کلام عرب میں اس قسم کے ہبہ کے لیے کئی لفظ مستعمل تھے بعض تو ایسے تھے جو منقولہ اور

؎۱ مصنف عبدالرزاق از نصب الرایہ و عمدۃ القاری ؎۲ مصنف ابن ابی شیبہ از نصب الرایہ
؎۳ مسلم و دارقطنی فی القضاء ؎۴ نصب الرایہ ص ۱۷۲۔

Marfat.com

غیر منقولہ ہر قسم کی جائداد کے ہبہ کے لیے رائج تھے اور بعض صرف غیر منقولہ کے ہبہ کے لیے مخصوص تھے اسی طرح بعض ایسے لفظ تھے جنہیں کسی کو کسی شے کے صرف منافع کا مالک بناتے وقت استعمال کیا جاتا تھا اور بعض ایسے تھے جن کو ذات اور منافع دونوں کا مالک بناتے وقت استعمال کیا جاتا تھا۔

(۵) لفظ منحہ کی تحقیق و تفصیل

لفظ ہبہ کا استعمال دونوں قسم کی جائدادوں کے ہبہ کے لیے ہوتا تھا یہی حال لفظ "منحۃ" کا تھا۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

من کانت لہ ارض فلیزرعھا او — جس کے پاس زمین ہو وہ خود کاشت کرے یا
لیمنحھا اخاہ [۱] — اپنے بھائی کو مفت دیدے۔

ابن بطال کہتے ہیں: "منحۃ" کا لفظ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جبکہ شئے کے منافع کا مالک بنایا جائے نہ کہ اس کی ذات کا۔" [۲]

نووی شارح مسلم کہتے ہیں: "منحۃ" کا لفظ جس عطیہ میں بولا جاتا ہے اس کی حیثیت "عاریت" کی ہوتی ہے [۳]

علامہ سید محمد انور شاہ فرماتے ہیں: "منحۃ" کے معنیٰ ہیں کسی کو انتفاع کے لیے مفت زمین دے دینا۔ [۴]

المنجد میں ہے: المنحۃ العطیۃ [۵] (منحہ کے معنیٰ عطیہ کے ہیں)

مذکورۂ بالا تصریحات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کلام عرب میں زمین کے ہبہ کرنے کے موقع پر منحہ کے معنیٰ کسی کو کاشت کے لیے مفت زمین دے دینے کے ہوتے تھے اور اس میں ملکیت کے معنیٰ پائے جانا ضروری نہیں تھا۔

تاریخ خلافت سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت امدادِ باہمی کی ایک شکل یہ بھی تھی کہ کسی کو کاشت کے لیے مفت زمین دے دی جاتی تھی اور کاشتکار اپنے اخراجات اور محنت سے کاشت

[۱] مسلم، ابوداؤد وغیرہ [۲] عینی ج ۶ ص ۳۱۶ [۳] نووی ج ۲ ص ۱۲ [۴] فیض الباری ج ۳ ص ۳۰۲

Marfat.com

کرتا تھا، اس صورت میں پوری پیداوار کاشتکار کی ہوتی تھی، اور زمین صاحبِ زمین ہی کی رہتی تھی۔

اس قسم کے عطیۂ زمین کا یہ حکم تھا کہ جب کاشتکار اس سے مستغنی ہو جاتا یا جتنی مدت کے لیے اس کو زمین دی گئی ہے وہ مدت ختم ہو جاتی تو زمین اصل مالک کے حوالہ کی جاتی تھی جس طرح رسول اللہ ﷺ نے کھجور کے پھلدار درخت کو جو بطور عطیہ چند دن کے لیے آپ کو ملا تھا اس سے مستغنی ہو جانے کے بعد اُمّ انس (اصل مالک) کو واپس کر دیا تھا، اور جس طرح مہاجرین نے انصار کے وہ بہت سے عطایا ان سے مستغنی ہو جانے کے بعد واپس کر دیے تھے جن کو انصار نے مدینہ آنے والے مہاجرین کو امدادِ باہمی وحسنِ سلوک کی بناء پر دیا تھا۔[۱]

(۶) لفظ عمریٰ کی تحقیق و تفصیل

لفظ عمریٰ بھی اس کے لیے رائج تھا قرآن کریم میں اس کا مادہ اس آیت میں مذکور ہے :۔

وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا (۱۱/۶۱) اللہ نے تم کو زمین میں بسایا

اس آیت کے معنی حضرت مجاہد سے یہ منقول ہیں :۔

معناه اعمركم بان جعلها لكم طول اعماركم[۲] — آیت کے معنی زمین میں تم کو اس طرح اللہ نے بسایا کہ اس نے عمر بھر کے لیے تمہیں دے دیا۔

علامہ ابو بکر جصاص رحؒ کہتے ہیں :

العمرىٰ هى العطية الا ان معناها راجع الى تمليكه طول عمره[۳] — عمریٰ کی شکل عطیہ جیسی ہے ایسا عطیہ کہ جس میں کسی چیز کو پوری زندگی کے لیے مالک بنا دینے کے معنی پائے جاتے ہیں۔

فقہ کی یہ تصریح ہے :۔

والعمرىٰ كالهبة فى جميع ما وصفنا — عمریٰ ہبہ جیسا ہی تمام ان باتوں میں جو ہبہ کے

---

[۱] عینی ج ۶ ص ۳۱۶ [۲] احکام القرآن ج ۳ ص ۲۰۳ [۳] ایضاً

Marfat.com

وھی ان یقول الرجل لرجل قد اعمرتك داری ھذہ حیاتك ویسلمھا ویقبضہا منہ علی ذلك [1]	سلسلہ میں ہم نے بیان کیا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے یہ کہے کہ تیری پوری زندگی کے لیے اپنا یہ گھر تجھ کو رہنے کے لیے دیدیا یہ کہہ کر اس کے حوالہ کرے اور وہ شخص اس پر قبضہ کرلے

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کہتے ہیں:۔

"عمریٰ عبارت ازان است کہ در زمین خود آباد کند بشرطا آنکہ مدتِ حیات خود درانجا ساکن باشد" [2]

لفظِ عمریٰ کے استعمال کے بارے میں اہلِ زبان کا یہ محاورہ تھا:

اعمرتك داری ھذہ یعنی ملکتك طول عمرك [3]	جب اہلِ زبان کسی سے کہتے کہ "اعمرتک داری ہذہ" تو اس کا مطلب ہوتا کہ میں نے پوری زندگی کے لیے تجھ کو اس کا مالک بنا دیا

غرض محدثین وفقہا کے اقوال اور اہلِ زبان کے محاورہ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ کلامِ عرب میں لفظ عمریٰ کے معنیٰ "زمین، باغ، مکان کسی کو پوری زندگی کے لیے دیدینے اور اس کو مالک بنا دینے کے ہوتے تھے۔

(۷) عمریٰ کی شکلیں

عرب میں اس قسم کے عطیات عموماً تین طرح دیے جاتے تھے اور ان تینوں کے لیے عمریٰ کا لفظ استعمال ہوتا تھا۔ وہ تین صورتیں یہ ہیں۔

(۱) کسی کو زمین کاشتکاری کے لیے یا مکان رہنے کے لیے دے دیا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی صاف کردی کہ تو اس کا مالک ہے اور تیرے بعد تیرے ورثا اس کے مالک ہونگے

(۲) دیتے وقت صرف اتنا کہا کہ "یہ زمین یا مکان تجھ کو دیتا ہوں" اس صورت میں مرنے کے بعد کا کچھ ذکر نہ ہوتا تھا کہ اسی کے پاس یہ زمین رہیگی یا میری طرف واپس آجائیگی۔

(۳) مذکورہ الفاظ کہہ کر زمین دے دی لیکن دیتے وقت یہ شرط بھی کرلی کہ تیرے مرنے

---

[1] مختصر الطحاوی ص ۱۳۹ [2] مصفیٰ شرح موطا [3] ملاحظہ ہو احکام القرآن ج ۲ ص ۲۰۲

Marfat.com

کے بعد اگر میں زندہ رہا تو میری طرف اور مرگیا تو میرے وارثوں کی طرف واپس آجائیگی۔
ان تینوں صورتوں میں موہوب لہٗ (جس کو دی گئی ہے) اس شئے کا مالک ہو جاتا تھا، اور اس کے مرنے کے بعد اسی کے ورثا میں تقسیم ہو جاتی تھی۔ دینے والے کا دے دینے کے بعد پھر اس میں کوئی حق نہ رہ جاتا تھا اور واپسی کے سلسلہ کی جتنی شرطیں ہوتی تھیں وہ سب لغو قرار دی جاتی تھیں۔ جیساکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من اعمر عمریٰ فہی لہٗ ولعقبہ ترثہا من یرث من عقبہ[1] جس شخص کو عمریٰ دیا گیا پس وہ اس کے لیے اور اس کے پسماندگان کے لیے ہے جس طرح وہ اور چیزوں کے وارث ہوتے ہیں اس کے بھی ہونگے۔

ایک اور موقع پر فرمایا:۔

العمریٰ لمن وھبت لہٗ[2] عمریٰ اس شخص کا ہو جائیگا جس کو دیا گیا ہے

عام طور پر لوگ اس قسم کا عطیہ دیتے وقت واپسی کی شرطیں کرلیا کرتے تھے اور بعض حدیثوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ معاملات میں شرطوں کے مطابق فیصلہ ہونا چاہیئے لیکن اس کے باوجود رسول اللہ نے شرطوں کو باطل قرار دیا تھا اور اصل ہبہ کو جائز رکھا تھا[3]

شرطوں کے مطابق فیصلہ کرنے کی حدیث یہ ہے: المسلمون عند شروطہم

یہ اور اس قسم کی جتنی روایتیں ہیں ان سب کا مطلب یہ ہے کہ معاملات میں وہی شرطیں باقی رکھی جائینگی جن کے جواز میں نص صریح ہو یا کم از کم رسول کے قول و فعل سے ان شرطوں کی تردید نہ ہوتی ہو، باقی رہیں وہ شرطیں جو اصولاً باطل اور لغو ہوں یا باہمی نزاع اور فساد پر مبنی ہوں تو ان کے جائز ہونے اور باقی رکھنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے جیساکہ بعض روایتیں مذکورہ بالا حدیث کی تشریح کرتی ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

کل شرط لیس فی کتاب اللہ فھو ہر ایسی شرط جس کا جواز کتاب اللہ سے نہ ہو اگرچہ

---

[1] ابوداؤد و نسائی [2] بخاری و مسلم وغیرہ [3] مسلم ج ۲ باب العمریٰ نیز عینی ج ۶ ص ۲۱۰ نیز احکام القرآن ج ۳ ص ۲۰۳۔

Marfat.com

باطل وان کان مأتہ شرط — وہ سو شرطیں ہوں جب بھی وہ باطل قرار دی جائینگی۔

ایک اور جگہ آپ نے فرمایا

المسلمون عند شروطھم الا — مسلمانوں کا معاملہ ان کی شرطوں کے مطابق ہونا چاہیے

شرطاً احل حراماً او حرم — البتہ جو شرطیں حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھرائیں

حلالاً [1] — ان کا اعتبار نہیں۔

چونکہ عمریٰ کی شرطیں عموماً جہالت و نزاع پر مبنی ہوتی تھیں اس لیے آپ نے شرطوں کو باطل قرار دے کر اصل ہبہ کو جائز و باقی رکھا۔

(۸) ممانعت کی حدیثوں کی تحقیق

اس سلسلہ میں ایک اور بات قابلِ ذکر ہے، وہ یہ ہے کہ احادیث کے ذخیرہ میں بعض اس قسم کی روایتیں بھی ملتی ہیں جن سے اس قسم کے عطایا کی بظاہر ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ اس کی دو وجہ ہیں:

۱۔ عام طور سے لوگ انہی شرطوں کے ساتھ عطیہ دیتے تھے جو شرطیں زمانہ جاہلیت میں رائج تھیں [1]۔ اور وہ عموماً باہمی نزاع اور فساد پر مبنی ہوتی تھیں۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت خلیفہ اس قسم کے تصرفات سے محض اس بنا پر روک دیا کرتے تھے کہ خلافت کے ذمہ لوگوں کی بنیادی ضروریات کی کفالت لازمی تھی، ابتدا کسی شے کا دے دینا آسان ہوتا ہے لیکن بعد میں اس کا خمیازہ بھگتنا مشکل ہوتا ہی خلافت چونکہ تمام نشیب و فراز سے واقف ہوتی تھی اس لیے اگر وہ دیتے وقت انہیں بالکلیہ آزاد چھوڑ دیتی تو اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے خلافت کو دوسرا انتظام کرنا پڑتا اور یہ بسا اوقات مشکل ہوتا تھا اس لیے پہلے ہی سے اس قسم کی صورتوں کا حسب موقع سدِ باب کر دیا جاتا تھا۔ علامہ عینی کی ان تصریحات کا یہی مطلب ہے

رسول اللہ کو اصل مالکوں کی ضرورت اور ان کے صبر نہ کر سکنے کا علم ہوتا تھا

---

[1] ہر ایک کے لیے ملاحظہ ہو شرح معانی الآثار اور نووی شرح مسلم ج۲ ص ۳۰ ۔ [2] عینی جلد ۶ ص ۳۱۱

Marfat.com

اس بنا پر آپ نے انہیں منع فرما دیا تھا"[1]

نووی کہتے ہیں :

"اس ممانعت سے رسول اللہ کا مقصد یہ تھا کہ آپ لوگوں کو صحیح حقیقتِ حال سے آگاہ کر دیں کہ اس قسم کے عطایا اسلامی اصول کے مطابق تمہاری ملکیت سے بالکل نکل جائینگے۔ اب پہلے کی طرح ایسا نہ ہوگا کہ دینے کے بعد اپنی شرائط کے مطابق جب چاہو واپس لے لو...... اس لیے اس معاملہ میں جو کچھ کرو سوچ سمجھ کر کرو"[2]

خلاصہ یہ ہے کہ زمانۂ خلافت میں عمریٰ اسی وقت قابلِ تسلیم سمجھا جاتا تھا جبکہ دینے کے حالات اس کی اجازت دیتے ہوں ورنہ خلافت کو روک دینے کا حق حاصل تھا۔

(۹) لفظ رقبیٰ کی تحقیق و تفصیل

زمانۂ خلافت میں لفظ رُقبیٰ کے ساتھ بھی زمین و جائداد کو بطور عطیہ دینے کا رواج پایا جاتا ہے اور اس کی دو صورتیں منقول ہیں۔

۱۔ کوئی شخص کسی سے یہ کہتا کہ میں نے اپنا گھر یا زمین تجھ کو دے دیا اس شرط پر کہ اگر پہلے میں مر جاؤنگا تو تیرے ہی پاس رہیگا اور تو پہلے مریگا تو میرے پاس آجائیگا (تیرے ورثاء میں تقسیم نہیں ہوگا)[3]

اس صورت میں تملیک دراصل مرنے کے بعد پر معلق رہتی تھی یعنی جسے زمین یا مکان دینے کو کہا گیا ہے وہ صاحبِ مکان کے مرنے کے بعد مالک قرار دیا جاتا تھا اس کی زندگی میں نہیں دوسری صورت یہ ہے۔

۲۔ کوئی شخص کسی سے کہتا کہ میں نے گھر یا زمین کا اس شرط پر تجھ کو مالک بنا دیا کہ اگر تو پہلے مرے تو یہ میری طرف واپس آجائیگا اور میں پہلے مروں تو یہ تیرے ہی پاس رہیگا[4]

اس صورت میں دوسرے شخص کی ملکیت فوراً ثابت ہو جاتی تھی البتہ واپسی اور عدم

---

[1] عینی ج ۶ ص ۳۱۱ [2] نووی ج ۲ ص ۳۸ [3] عینی ج ۶ ص ۳۰۹
[4] المنتصر از فیض الباری للعلامہ انور شاہ کشمیری رح

Marfat.com

واپسی کے متعلق انتظار رہتا تھا۔

رُقبیٰ کی یہ دوسری صورت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے اور المنجد میں بھی یہی مذکور ہے۔
اس بارے میں فقہ کی یہ تصریح ہے۔

والرقبیٰ وھی ان یقول الرجل للرجل قد ارقبتك داری ھذہ ویقبضہ ایاھا علیٰ ذلك [1]
رقبیٰ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے کہے کہ میں نے اپنا یہ گھر تجھ کو زندگی بھر کے لیے دے دیا اور اس گھر پر اس کو قبضہ دے دے۔

رُقبیٰ کے حکم کے بارے میں امام نسائی نے حضرت ابن عباس سے موقوفاً درج ذیل روایت نقل کی ہے:۔

العمریٰ والرقبیٰ سواء [2]
عمریٰ اور رقبیٰ دونوں برابر ہیں۔

اس روایت سے دو باتیں معلوم ہوئیں (۱) رقبیٰ اور عمریٰ دونوں کا ایک حکم ہے (۲) رسول اللہ کے زمانہ میں رُقبیٰ کی جو صورت رائج تھی وہ عمریٰ سے زیادہ مختلف نہ تھی یعنی دونوں کی ایسی شکلیں مروج تھیں جن میں فی الحال تملیک پائی جاتی تھی اسی لیے دونوں کا یکساں حکم بیان کیا گیا ہے۔ اور اگر ایک میں فی الحال تملیک پائی جاتی اور دوسرے میں مرنے کے بعد پر تملیک معلق رہتی تو پھر دونوں میں یکسانیت کے کوئی معنی نہیں رہ جاتے ہیں کیونکہ اگر لغوی اعتبار سے یکساں کہیں تو عمریٰ کے معنی "آباد کرنا" اور رُقبیٰ کے معنی "انتظار کرنا" ہوتے ہیں، ظاہر ہے کہ ان معنوں میں یکسانیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، لامحالہ حکم کے لحاظ سے دونوں کو ایک ماننا پڑیگا، ورنہ حدیثِ مذکور کا کوئی محل نہیں رہیگا۔ اسی بنا پر محققین کے نزدیک رُقبیٰ کی دوسری تعریف صحیح مانی جاتی ہے اور زمانۂ خلافت کے مروجہ رُقبیٰ کا حکم عمریٰ جیسا بیان کیا جاتا ہے یعنی جس زمین یا مکان کو رُقبیٰ کے لفظ کے ساتھ کسی کو دیا جاتا تھا وہ ہمیشہ کے لیے اس کا مالک ہوجاتا تھا اور اس کے مرنے کے بعد دیگر اموال کی طرح وہ بھی اس کے ورثاء پر منتقل ہوجاتا تھا اور

[1] مختصر الطحاوی ص ۱۳۹ [2] عمدۃ القاری ج ۶ ص ۳۰۸۔

Marfat.com

دینے والے کا اس میں کسی قسم کا حق نہ باقی رہتا تھا۔

اس باب میں ممانعت کی جو حدیثیں بیان کی جاتی ہیں ان سب کے وہی جوابات ہیں جو ابھی عُمریٰ کی بحث میں مذکور ہو چکے ہیں۔ اور ائمہ قانون کا جو اختلاف نقل کیا جاتا ہے وہ حکمی اور حقیقی اختلاف نہیں ہے بلکہ عرف و رواج کی بنا پر ہے۔ جس کے زمانہ میں رُقبیٰ کی پہلی شکل رائج تھی جس میں فی الحال تملیک نہیں پائی جاتی، اس نے رُقبیٰ کو ناجائز قرار دیا اور جس کے پیشِ نظر دوسری صورت تھی جس میں فی الحال تملیک پائی جاتی ہے اس نے اس کو جائز کہا

خلاصہ یہ کہ جس صورت میں فی الحال تملیک پائی جاتی ہو اس کو سب ائمہ جائز کہتے تھے اور جس میں فی الحال تملیک نہیں پائی جاتی اس کو کوئی بھی جائز نہیں کہتا [1]

(۱۰) صاحب زمین کو وصیت کرنے کا حق تھا اور مرنے کے بعد ترکہ میں زمین جائداد کو تقسیم کیا جاتا تھا۔

صاحبِ زمین دیگر اموالِ منقولہ کی طرح اپنے مرضِ وفات میں زمین جائداد کے تہائی حصّہ کی کسی کو وصیت کر سکتا ہے، یہ وصیت خواہ عزیز و قریب کے لیے ہو یا دوست احباب کے لیے دونوں صورتوں میں اس کا یہ حق تسلیم کیا گیا ہے۔ البتہ جب اپنے کسی وارث کو وصیت کرنا چاہے تو اس کے لیے دیگر ورثار کی منظوری ضروری ہے تاکہ کسی کی دل شکنی اور آگے چل کر بدمزگی کی گنجائش باقی نہ رہے۔ ایسے ہی صاحبِ زمین کے انتقال کے بعد اس کی جائداد منقولہ وغیر منقولہ حسب دستور شریعت اس کے ورثار میں تقسیم کر دی جاتی تھی۔ اس سے ایک طرف تو یہ ہوتا تھا کہ زمین کسی کے پاس اتنی زیادہ نہ رہنے پاتی تھی جو دوسرے کی حق تلفی کا باعث بنے یا دوسروں کی محنت سے خود عیشی کے سامان پیدا ہو سکیں اور دوسری طرف یہ کہ جائداد تقسیم ہو کر خاندان کے بہت سے افراد میں پھیل جاتی تھی اور ہر ایک اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق اس کو زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کی کوشش کرتا تھا۔

اس موقع پر یہ بات فراموش نہ کرنی چاہیے کہ اسلامی قانون کے مطابق جائداد صرف

[1] ملاحظہ ہو حاشیہ شرح وقایہ و کنز الدقائق و تقریر الترمذی لشیخ الہندؒ و فیض الباری ج۳ و عمدۃ القاری ج۶ ص ۳۰

Marfat.com

بڑے بیٹے ہی کو ملتی تھی (جیسا کہ نظامِ زمینداری وجاگیرداری میں ہوتا ہے) بلکہ خاندان کے بیٹوں بیٹیوں اور بیوی وغیرہ رشتہ داروں میں تقسیم ہوتی تھی۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے :۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ مردوں کے لیے حصّہ ہے جو ماں باپ اور دوسرے
وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ رشتہ دار چھوڑ جائیں ایسے ہی عورتوں کےلیے
مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ حصّہ ہے جو ماں باپ اور دوسرے رشتہ دار
مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ (پ۴) چھوڑ جائیں خواہ ترکہ چھوٹا ہو یا بڑا سب کو
مقررہ حساب کے مطابق دیا جائیگا۔

ترکہ و تقسیمِ ترکہ اور حصۂ مقررہ اور حصہ دار وغیرہ کی تفصیلی بحثیں آپ کو "علم فرائض" میں ملینگی۔ جن میں ہر ایک کے حصّہ پر ترتیب وار بحث کی گئی ہے۔

تقسیمِ ترکہ میں بعض مواقع ایسے بھی پیش آتے تھے جہاں ترکہ کے کم ہونے کے باعث زمین جائداد تقسیم ہوتے ہوتے گزوں اور انچوں تک نوبت پہنچ جاتی تھی، اور کبھی بعض ایسی چیزیں تقسیم کرنی پڑتی تھیں کہ ان کی تقسیم کے بعد ان سے فائدہ اٹھانے کی کوئی شکل باقی نہ رہ جاتی تھی مثلاً دکان، مکان وغیرہ تو اس کے لیے خلافت نے بعض ایسی شکلیں نکالی تھیں جن سے اصل شے اپنی جگہ بدستور محفوظ اور باقی رہتی تھی اور اس کا منافع ترکہ کے حصہ داروں میں تقسیم ہوتا رہتا تھا۔

صاحبِ زمین کے اختیارات کے بارے میں ایک شبہ کا جواب (۱۱)

ممکن ہے اس موقع پر بعض حضرات کو تاریخِ خلافت کے بعض ان واقعات سے شبہ ہو جن پر اگر ظاہری طور پر نظر ڈالی جائے تو صاحبِ زمین کے مذکورہ بالا اختیارات نہیں ثابت ہوتے ہیں، مثلاً یہ واقعہ کہ

(۱) عتبہ بن فرقد نے فرات کے کنارے کچھ زمین خریدی تھی حضرت عمرؓ کو جب اس کا پتہ چلا تو انہوں نے عتبہؓ سے پوچھا کہ یہ زمین آپ نے کس سے خریدی ہے؟ عتبہؓ نے کہا زمین والوں سے حضرت عمرؓ نے مہاجرین اور انصار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ زمین والے تو یہ لوگ

Marfat.com

ہیں کیا ان سے آپ نے خریدی ہے۔ انہوں نے جواب دیا نہیں (بلکہ زمین کے اصل باشندے جو اصل مالک ہیں ان سے خریدی ہے) حضرت عمرؓ نے یہ سُن کر فرمایا کہ جس سے زمین خریدی ہو اسے واپس کر کے اس کی قیمت لے لو۔[۱]

(۲) اور جیسا کہ حضرت علیؓ نے عراق کے ایک پرانے باشندے سے اسلام قبول کرنے کے بعد فرمایا تھا کہ تمہاری زمین خراجی ہی رہیگی کیونکہ وہ ہماری ہے حضرت امیرؓ کے بعینہٖ الفاظ یہ ہیں:

ان ارضك فلنا[۲] — بیشک، تیری زمین ہماری (خلافت کی) ہے۔

ان دونوں واقعات کی حقیقی اور اصلی شکلیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں جن سے اہل شبہ کی حقیقت واضح ہو جائیگی۔ پہلا عتبہ بن فرقد کا واقعہ زیادہ صحیح سند کے ساتھ مذکورہ واقعہ کے خلاف منقول ہے۔ چنانچہ زیلعیؒ نے بیہقی کے حوالہ سے جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

قال لعمر انی اشتریت ارضاً	عتبہ نے عمر سے کہا کہ میں نے سواد میں ایک زمین
من ارض السواد فقال عمر انت	خریدی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ (خراج کے معاملہ میں)
فیہا مثل صاحبہا[۳]	تم صاحبِ زمین جیسے ہو (جس طرح وہ ادا کرتا تھا) ویسے ہی تم بھی ادا کرو)

دونوں روایتوں کا مضمون ایک دوسرے کے خلاف ہے اس لیے دونوں کا صحیح ہونا مشکل ہے، ظاہر ہے کہ ایک روایت صحیح ہوگی اور دوسری غلط جس واقعہ کے راوی قوی ہونگے وہ روایت قوی مانی جائیگی۔ دونوں روایتوں کے راویوں کی تحقیق ہم ذیل میں درج کرتے ہیں تاکہ اصل حقیقت بے نقاب ہو جائے۔

ان دونوں روایتوں میں پہلے راوی عتبہ ہیں اور ان سے روایت کرنے والے شعبیؒ ہیں جن کا نام عامر ہے یہاں تک تو دونوں میں اتفاق ہے لیکن آگے چل کر اختلاف ہو جاتا ہے،

---

[۱] الاموال ص ۷۴، و ۷۷ [۲] ایضاً

یعنی پہلی روایت میں شعبی سے روایت کرنے والے "بکیر" ہیں جو شعبی کے صاحبزادہ ہیں۔ اور جن کی کنیت ابو اسماعیل ہے۔ دوسری روایت میں شعبی سے روایت کرنے والے مجالد بن سعید ہیں نہ کہ ان کے بیٹے ابو اسماعیل بکیر۔

محدثین نے راویوں کے جانچنے کے جو اصول مقرر کیے ہیں ان کے لحاظ سے بکیر ضعیف ہے اور مجالد قوی ہے[1]۔ اس لیے دوسرا واقعہ صحیح مانا جائیگا۔ رہ گیا حضرت علیؓ کا واقعہ، تو اس کی پوری تفصیل یہ ہے:۔

"ایک دہقانی زمیندار نے اسلام قبول کیا حضرت علیؓ نے اس سے فرمایا کہ اگر تم اپنی زمین پر قائم رہو گے تو تمہاری جان و مال کی حفاظت کا معاوضہ (جزیہ) جو کچھ وصول کیا جاتا ہے وہ ہٹا دیا جائیگا اور اس کا بدل تمہاری زمین سے وصول کیا جائیگا۔ اور اگر زمین چھوڑ دو گے تو اس کے ہم زیادہ حقدار ہیں"

الفاظ یہ ہیں:۔

وان تحولت عنها فنحن احق بها[2] اگر تم نے زمین چھوڑ دی تو اس کے ہم زیادہ حقدار ہیں۔

حافظ ابو بکر جصاص ان الفاظ کی یہ تشریح کرتے ہیں:۔

"اگر تم زمین کی آبادکاری سے عاجز ہو گے تو اُسے ہم آباد کرائینگے۔ تاکہ حقوقِ عامہ جو زمین سے متعلق ہیں وہ پامال نہ ہونے پائیں"[3]

پھر آگے چل کر کہتے ہیں۔

"یہ قانون مفتوحین ہی کی زمین کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ وہ تمام زمینیں جن کی آبادکاری سے لوگ عاجز ہیں ان کا انتظام و بندوبست خلافت کے ذمہ ہوتا ہے"[4]

پہلی روایت کے الفاظ چونکہ زیادہ واضح نہیں تھے اس لیے شبہ پیدا ہونے کا امکان ہو سکتا تھا لیکن دوسری روایت کے الفاظ بالکل صاف اور واضح ہیں اس لیے شبہ کی

---

[1] حاشیہ کتاب الخراج لیحیٰی ص ۵۰ [2] احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۵۳۲ [3] ص ۵۳۳ [4] ایضاً

Marfat.com

گنجائش باقی نہیں رہتی۔

حاصل یہ ہے کہ مذکورہ واقعات سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ زمانۂ خلافت میں آراضی مفتوحہ میں اصل باشندوں کو اور اہلِ قطائع کو قطائع میں تصرفات کی آزادی حاصل نہیں تھی اگر وہ تصرفات اجتماعی مفاد کے خلاف نہ ہوتے اور اگر ان سے اجتماعی مفاد کے پامال ہونے کا اندیشہ ہوتا یا خود اس شخص کے ذاتی و بنیادی حقوق کے تلف ہونے کا شبہ ہوتا تو خلافت کو تصرفات سے روک دینے کا حق حاصل تھا کیونکہ ایک طرف خلافت انفرادی اور اجتماعی حقوق کی نگراں ہوتی تھی اور دوسری طرف حقوق کے پورا کرنے کی ذمہ دار۔ اس لیے اسے ہر ایک کے مفاد کا ہر حیثیت سے خیال رکھنا ناگزیر تھا۔

اس سلسلہ میں ایک بات اور قابلِ لحاظ ہے وہ یہ کہ اسلامی جنگوں میں مفتوحہ زمین کے باشندے غلام نہیں قرار دیے جاتے تھے، کیونکہ اسلام تو غلامی کا طوق گردن سے اتار پھینکنے کے لیے آیا ہے نہ کہ اس کو قائم اور باقی رکھنے کے لیے۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعض سیاسی و معاشی حالات کی مجبوری کی وجہ سے پہلے کے رائج شدہ نظامِ غلامی کے لیے ابتداءً ممانعت کا قانون نافذ نہ کر سکا اور بتدریج اس نظام کو ختم کرنے کی راہیں نکالیں جیسا کہ اس قسم کی سماجی تبدیلی کے لیے عموماً وقت اور مہلت درکار ہوتی ہے، اور ایک کی جگہ دوسری چیز لانے کے لیے رفتہ رفتہ کئی منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے[۱]۔

غرض اسلامی قبضہ کے بعد جب مفتوحین باشندے اپنی فطری حریت پر باقی رہتے تھے تو جب تک اجتماعی مفاد کی پامالی کا اندیشہ نہ ہوتا زمین جائداد پر ان کو تصرفات میں آزادی دینی لازمی تھی تاکہ وہ ہر لحاظ سے مصئون و مامون ہو کر خوشحالی و فارغ البالی کی زندگی بسر کر سکیں اور اسلام ہر طرح سے ان کے لیے رحمت و عدالت کا نظام ثابت ہو۔

---

[۱] علامہ ابوبکر جصاص نے احکام القرآن جلد ثالث میں اصل باشندوں کے اختیارات اور اہلِ سواد (جن پر غلبہ سے فتح حاصل کی گئی تھی) کے غلام نہ قرار دیے جانے پر نہایت محققانہ بحث کی ہے جس کے مطالعہ کے بعد کسی شبہ کی گنجائش نہیں باقی رہ جاتی ہے ۱۲

Marfat.com

اگر اسلام ان کی ذاتی ملکیتوں کو ضبط کر لیتا یا ان کے اختیارات کو محدود کر دیتا تو ان کی فطری آزادی پر پابندی عائد ہو جاتی اور یہ ظاہر ہے کہ اسلام بلا کسی وجہ اور ضرورت کے اس قسم کی پابندیاں عائد کرنا جائز نہیں سمجھتا۔

اصل بات یہ ہے کہ خلافت کی نظر میں ساری زمینیں اللہ کی ملک ہوتی تھیں اور خلافت کے انتظام و نگرانی میں رہتی تھیں اور کاشتکار اور صاحبِ زمین کی حیثیت "امین" کی ہوتی تھی جب تک اس زمین سے مقصد (خلق اللہ کا عام مفاد) پورا ہوتا رہتا نہ خلافت کو بیدخل کرنے کی ضرورت پڑتی اور نہ صاحبِ زمین کے تصرفات و اختیارات کے محدود کرنے کا سوال پیدا ہوتا اور جب یہ مقصد پائمال ہونے لگتا اور حقوقِ عامہ جو زمین سے متعلق ہیں ان کے فوت ہونے کا اندیشہ ہوتا تو بلا تخصیص فاتح و مفتوح مسلم و غیر مسلم ہر ایک کو زمین سے بیدخل کر دینے یا اس کے تصرفات کو محدود کر دینے کا خلافت کو پورا اختیار رہتا تھا۔

(۱۱) بنجر زمینیں

کس قسم کی زمینیں بنجر ہوتی تھیں؟ (۱)

احادیث و آثار اور فقہاء کے بیان کے مطابق زمانۂ خلافت میں مندرجہ ذیل قسم کی زمینیں بنجر سمجھی جاتی تھیں:۔

(۱) سخت پتھریلی یا ریتلی زمین (۲) چٹیل میدان (۳) خشک ٹیلے (۴) وہ زمین جو جھاڑیوں دلدلوں اور سیلابوں کی زد میں آگئی ہو (۵) ندیوں کا رخ تبدیل ہو جانے سے جو زمین ناقابلِ کاشت ہو گئی ہو (۶) ترائی، جھیلیں اور اسی قسم کی وہ تمام زمینیں جن سے عدمِ صلاحیت کی وجہ سے انتفاع منقطع ہو گیا ہو۔[1]

ایسی تمام زمینیں بنجر قرار دی جاتی تھیں اور خلافت ان کو قابلِ کاشت بنانے کے لیے

[1] الخراج ص ۶۳ و قدوری ص ۱۷۳ و عالمگیری ج ۴ ص ۱۶۷

Marfat.com

ہر ممکن کوشش کرتی تھی۔ اس سلسلہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اپنے گورنر کو یہ خط لکھتے ہیں۔
"جتنی خالصہ زمینیں ہوں ان سب کو لوگوں میں تقسیم کر دو اور پیداوار کی حیثیت کے مطابق جتنا ٹیکس وہ خلافت کو ادا کریں اس کو منظور کر لو۔ اگر زمین زیادہ خراب ہو اور اس میں محنت اور اخراجات کی زیادہ ضرورت پڑے تو لوگوں میں مفت (بلا کسی قسم کے ٹیکس کے) تقسیم کر دو اور اگر اس کے لیے بھی کوئی تیار نہ ہو تو سرکاری خزانہ کے اخراجات سے اس میں کاشت کراؤ اگر زمین خالی نہ رہنے دو۔"[1]
لیکن اس سے وہ تمام زمینیں مستثنیٰ قرار دی جاتی تھیں جن کا تعلق شہری ضروریات سے ہوتا تھا، اور جن میں تمام لوگ قانوناً برابر کے شریک سمجھے جاتے تھے۔ مثلاً قبرستان، چراگاہ، جنگلات ریوڑوں کے بیٹھنے کی جگہیں وغیرہ۔[2]
ایسے ہی وہ زمینیں بھی مستثنیٰ ہوتی تھیں جو کنواں، باؤلی، تالاب، چشمہ وغیرہ کی حفاظت کے لیے ان کے اردگرد چاروں طرف چھوڑی جاتی تھیں جن کو کلامِ عرب میں "حریم" کہتے ہیں۔ تفصیلی بحث آگے آئیگی۔

آبادکاری کی شکلیں[3] (۱) ایک شکل تو یہ تھی کہ خلافت اپنے مصارف سے اس کو آباد کراتی تھی جیسا کہ یحییٰ بن آدم قرشی کہتے ہیں:۔

(۱) وان شاء انفق علیہا من بیت مال المسلمین واستاجر من یقوم فیہا — خلافت اگر مناسب سمجھے تو سرکاری خزانہ کے صرفہ سے کسی کاشتکار کے ذریعہ اس میں کاشت کرائے۔

اس صورت میں کاشتکار کو طے شدہ مقررہ معاوضہ ملتا تھا اور پیداوار خلافت کی ہوتی تھی۔
(۲) دوسری شکل یہ تھی کہ کاشتکار کو اپنی محنت اور اخراجات سے زمین کو آباد کرنے کی اجازت دے دی جاتی تھی اور یہ کہہ دیا جاتا تھا کہ اس زمین پر انہیں صرف کاشت کا حق حاصل ہوگا بیچنے یا ہبہ کرنے وغیرہ جیسے اختیارات حاصل نہ ہونگے یعنی اس صورت میں اس کو صرف زمین کی منفعت

---

[1] الخراج لیحیٰی ص ۶۳ [2] ایضاً و حجۃ اللہ البالغہ۔ باب ابتغاء الرزق [3] الخراج لیحیٰی ص ۲۲۔

Marfat.com

کا مالک بنایا جاتا تھا۔ اس کی ذات کا نہیں اسی لیے بیع، ہبہ وغیرہ کا اختیار نہ ہوتا تھا۔ اس بارے میں فقہ کی یہ تصریح ہے :۔

(۲) امام امر رجلا ان یعمر ارضا میتة علی ان ینتفع بها ولا یکون للملك لہ فاحیاها لم یملکها[1] — خلیفہ کسی کو اس شرط پر بنجر زمین کے آباد کرنے کا حکم دے کہ آباد کرنے والا صرف زمین کے منافع کا مالک ہوگا اس کی ذات کا نہیں تو اس صورت میں آباد ہو جانے کے بعد وہ ذات کا مالک نہ ہو سکیگا۔

(۳) تیسری شکل یہ تھی کہ خلافت کسی کو حق ملکیت دے کر آبادکاری کی اجازت دے اس صورت میں آباد کرنے والے کو ہر قسم کے تصرفات اور جملہ حقوق حاصل ہوتے تھے۔ جیسا کہ قاضی ابو یوسفؒ ہارون الرشید کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں :۔

(۳) ولك ان تقطع ولك من احببت ورأیت تواجره وتعمل بما تری انه صلاح[2] — آپ جو صورت مناسب سمجھیں اور جس میں فلاح اور بہبودی ہو اس میں آپ کو بالکلیہ اختیار ہے مناسب ہو تو کسی کو قطیعہ دے دیجیے یا اجرت دے کر اجیر سے کاشت کرائیے۔

بہرحال آبادکاری کی جو بھی صورت ہوتی کبھی تو خلیفہ کی عام اجازت ہوتی اور کبھی اجازت لینا ضروری سمجھا جاتا تھا کیونکہ زمین دراصل خلافت کی ہوتی تھی اور وہی زمین کی حیثیت اور مفاد عامہ کو بہتر طریقہ پر سمجھ سکتی تھی اس لیے آبادکاری کے سلسلہ میں آخری فیصلہ خلافت ہی کا سمجھا جانا مناسب بھی تھا۔ طبرانی کی درج ذیل روایت سے یہی حقیقت واضح ہوتی ہے:

لیس للمرء الا ما طابت به نفس امامه[3] — آدمی کے لیے وہی کچھ ہے جس پر خلیفہ خوش ہو۔

---

[1] مختصر الطحاوی ص ۱۳۳ و فتاوی عالمگیری ج ۴ ص ۱۶۷۔ [2] الخراج لابی یوسف ص ۶۴
[3] نصب الرایہ ج ۴ ص ۲۹۰۔

Marfat.com

فقہ کی تصریح بھی اسی کی موید ہے:

ولا یملکہ الا بتملیک الامام[1] بغیر خلیفہ کے مالک بنائے ہوئے اس کا مالک نہیں ہو گا

خلافت کی جانب سے اجازت ملنے کے بعد کاشتکار اگر زمین کو بیکار پڑی رہنے دیتا تو اس کو بیدخل کیا جا سکتا تھا تین سال کی مہلت دینا لازمی اور ضروری نہ تھا۔

حضرت عمرؓ نے جب دیکھا کہ لوگ اتنی زمینیں روکتے جا رہے ہیں کہ وہ اُسے آباد نہ کر سکینگے تو آپ نے عام اعلان کر دیا تھا کہ "جو شخص آباد کریگا اسی کی ملکیت ثابت ہو گی صرف قبضہ کر کے روک لینا آبادکاری کے بغیر ملکیت کے لیے کافی نہ ہو گا"[2]

حقیقت یہ ہے کہ خلافت کا مقصد غیر مزروعہ آراضی کو قابلِ کاشت بنانا ہوتا تھا تاکہ حقوقِ عامہ اور عام مفاد جو زمین سے متعلق ہیں وہ پائمال نہ ہونے پائیں ظاہر ہے کہ یہ مقصد اسی وقت پورا ہو سکتا تھا جبکہ زمین پر کاشت کی جاتی اور اسی کو علتِ ملک قرار دیا جاتا۔ رسول اللہؐ کے اس فرمان میں یہی روح کام کر رہی ہے۔

ان الارض ارض اللہ والعباد عباد اللہ من احیا ارضا میتۃ فھی لہ[3]

زمین بھی اللہ کی ہے اور بندے بھی اللہ کے ہیں۔ جو شخص بنجر زمین کو آباد کریگا وہ اسی کی ہو گی۔

زمین بیکار ڈال رکھنے کی صورت میں جب پرانے قابضین کو بے دخل کر دیا جاتا تھا تو نئے لوگوں کے لیے جواز کی کیسے گنجائش نکل سکتی تھی۔

اس کی تائید میں تمام وہ آثار و احادیث ہیں جن میں رسول اللہؐ اور خلفاءؓ نے آبادکاری کو علتِ ملک قرار دیا تھا کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں ملتی جس میں بلاوجہ روک رکھنے کو سببِ ملک بتایا گیا ہو۔

---

[1] مختصر الطحاوی ص ۱۳۴ [2] الاموال ص ۲۹۰ ۔ والخراج لیحییٰ ۔ ص ۹۰

[3] ابو داؤد و نصب الرایہ

Marfat.com

آبادکاری کے لیے تین سال کی مہلت دینا ضروری نہیں ہے (۳)

ممکن ہے بعض ظاہر ہیں حضرات کو ان روایتوں سے شبہ ہو جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ روک رکھنے والے (قابض) کو تین سال تک مہلت دی جانی ضروری ہے، اس سے پہلے بیدخل کرنا درست نہیں ہے اور اس اثناء میں کسی اور کو آباد کرنا جائز نہیں جیسا کہ یہ روایت ہے:

ولیس لمحتجر حق بعد ثلث سنین ۱؎	روک رکھنے والے کو تین سال کے بعد کوئی حق نہیں ہے۔

یہ اور اس قسم کی تمام روایتوں کا مطلب یہ ہے کہ قابض کو بوقت ضرورت تین سال تک کی مہلت دیجا سکتی ہے مگر لازمی طور سے یہ اس کا حق نہیں ہے۔ عدل کا تقاضا یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ فرد کا بھی خیال رکھا جائے اور مفادِ عامہ پر کوئی سخت چوٹ نہ پڑتی ہو تو اسے اصلاح کی مہلت دی جائے اور تین سال تک کسی اور کو آبادکاری کی اجازت نہ دی جائے لیکن جب کوئی دوسرا کاشت کے لیے تیار ہے تو اسے حسب مصلحت اجازت ملجائیگی۔ یا مفادِ عامہ کی پامالی کی صورت میں خلافت کوئی اور بہتر انتظام کرنے کی ذمہ دار ہوگی۔ ایسی حالت میں تین سال بیکار ڈالنے کی اجازت دینا خلافت کو بھی جائز نہ ہوگا۔ اس بارے میں کتب فقہ کی یہ تصریح ہے:

وھذا من طریق الدیانۃ واما الحکم فاذا احیاھا غیرہ قبل مضیھا ملکھا ۲؎	تین سال کی قید بطریق دیانت ہے قانون یہ ہے کہ ایسی صورت میں جب کوئی دوسرا شخص تین سال گزرنے سے پہلے آباد کرلیگا تو اس کا مالک ہوجائیگا۔

اور اسلام میں ایک عام قانونی کلیہ یہ ہے:

لاضرر ولاضرار فی الاسلام ۳؎	اسلام میں نہ خود نقصان اٹھانا ہے اور نہ دوسرے کو نقصان پہنچانا ہے۔

۱؎ الخراج لابی یوسف ص ۶۵ ۲؎ فتاوی عالمگیری ج ۴ ص ۱۶۰ ۳؎ الخراج لیحیی ص ۹۷

Marfat.com

آبادکاری میں وہی صورت شامل ہوتی جو زمین کے لائق ومناسب ہوتی تھی۔

زمانۂ خلافت میں بنجر زمین کی آبادکاری میں تمام وہ صورتیں داخل تھیں جو حالات ومقامات کے لحاظ سے زمین کے لائق ومناسب ہوتیں مثلاً اس جگہ کنواں کھودنا، چشمہ نکالنا، نہر نالیاں بنانا، درخت لگانا، عمارت تعمیر کرنا، کھیتی کرنا، دوسرے سے کھیتی کرانا، زمین کو کرایہ پر دینا۔

قاضی ابو یوسف فرماتے ہیں

ویعمرھا بما فیہ مصلحتہا[۱] اور جس میں زمین کی مصلحت ہو اس کے مطابق اس کو آباد کرے

یعنی زمین جس قسم کے کام کے لائق ہو اس میں وہی کام ہونا چاہیے ایسا نہ تھا کہ زمین تو کاشتکاری کے لیے موزوں ہے لیکن محض روک رکھنے کے لیے کوئی اور کام اس پر شروع کر دیا۔ ایسی صورت میں آبادکاری کا حکم اس زمین پر نہ لگایا جاتا تھا اور نہ ایسے شخص کو آباد کرنے والا سمجھا جاتا تھا۔

(۱۲) قدرتی پیداوار والی زمینیں

انسانوں کی طرح حیوانوں کا انتظام بھی خلافت کے ذمہ ہوتا تھا۔

مقدمہ میں اشارہ کیا جا چکا ہے کہ خلافتِ الٰہی میں اللہ کی صفتیں منعکس ہوتی ہیں اور رب العالمین کے خلیفہ کا فرض ہوتا ہے کہ وہ حتی الوسع تمام مخلوق کا خیال رکھے، جہاں عام انسانوں کے لیے وہ کاشت و زراعت کا انتظام کرنے کا ذمہ دار ہے وہاں جانوروں کے لیے ان کے گھاس اور چارہ کا انتظام کرنے کا ذمہ دار ہے۔ اسی لیے زمانۂ خلافت میں چراگاہوں کا مسئلہ خاص توجہ کا مرکز بنا رہتا تھا، اور اس کا انتظام کرنا خلافت اپنا فرض سمجھتی تھی۔ حیوانات کے متعلق حضرت عمرؓ کے یہ تاثرات تھے۔

انہ قال لومات کلب علی شاطی الفرات جوعا لکان عمر مسئولا

عمرؓ نے فرمایا کہ اگر فرات کے کنارے بھوک کی وجہ سے ایک کتا بھی مرجائیگا تو قیامت کے دن اس کے

---

[۱] الخراج لابی یوسف ص ۶۵۔

Marfat.com

عنہ یوم القیامۃ [1] متعلق عمر سے باز پرس کی جائیگی۔

چراگاہوں کا انتظام | اسلام سے پہلے دستور تھا کہ زمیندار اور قبیلہ کے سردار چراگاہ اور جنگلات پر بلا شرکت غیرے قبضہ رکھتے تھے اور غریب عوام کو زمین کی قدرتی چیزوں، خودرو گھاس اور جنگل کی لکڑی وغیرہ سے محروم رکھتے تھے۔ اسلام نے آکر اس ظالمانہ روش کو ختم کیا اور اعلانِ عام کر دیا کہ تمام وہ چیزیں جن کی پیدائش اور کارآمد بنانے میں کسی کی محنت و قابلیت کو دخل نہیں ہے اس میں تمام انسان برابر کے شریک ہیں۔ چنانچہ زمانۂ خلافت میں اس قسم کی تمام چیزیں جن میں کسی کی محنت اور قابلیت کو دخل نہ ہوتا تھا وہ نہ کسی فردِ خاص کی ملکیت ہوتی تھیں اور نہ ان کے استعمال کرنے میں کسی کو حقِ اولیت حاصل ہوتا تھا۔ رسول اللہ صلعم نے اس بارے میں فرمایا تھا:

لا حمی الا للہ ولرسولہ [2] حمی صرف اللہ اور اس کے رسول (خلافت) کی ہی

'حمی' زمین کے ان قطعات کو کہتے ہیں جو گھاس، چارہ اُگنے کے لیے اور جانوروں کے چرنے کے لیے خالی چھوڑ دیے جاتے ہیں اور ان پر کاشت نہیں کی جاتی ہے۔

اس حدیث کے متعلق ابو عبیدؒ کہتے ہیں کہ اس میں تمام ان قدرتی چیزوں سے روکنے کی ممانعت داخل ہے جن میں رسول اللہ صلعم نے سب کو شریک ٹھہرایا تھا اور سب انسان برابر کے شریک ہیں۔" [3]

علامہ عینیؒ اس حدیث کے ذکر کے بعد کہتے ہیں

یدل علی ان حکم الاراضی الی الامام [4] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اراضی کا معاملہ دراصل خلافت کے سپرد ہوتا ہے۔

اور شاہ ولی اللہ حدیث کے یہ معنی بیان کرتے ہیں:

[1] توفیق الرحمن طبع مصر ص ۳۴ از انقلاب مورخہ ۲۲۔ اکتوبر ۵۳ء [2] بخاری ج ۲ و ابوداؤد ج ۲ [3] الاموال ص ۲۹۵۔ [4] عمدۃ القاری ج ۶ ص ۲۹۔

Marfat.com

لا حمی الا لبیت المال [1] حمی صرف بیت المال یعنی خلافت کی ہے۔

علامہ عینیؒ آگے چل کر حمی کا حکم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کسی کو جائز نہیں کہ حمی اپنے جانوروں کے لیے خاص کرلے اور دوسرے کے جانوروں کو اس میں چرنے کی اجازت نہ دے وہ صرف اللہ ورسول اور خلیفہ کے لیے ہوتی ہے۔ یعنی کسی کے لیے مخصوص نہیں ہوتی بلکہ تمام لوگ اس میں برابر کے شریک ہوتے ہیں [2]، جیسا کہ رسول اللہ نے مدینہ طیبہ میں مقام نقیع کو حمی قرار دیا تھا اور اس کو مہاجرین وانصار کے گھوڑوں کے چرنے کے لیے خاص کر دیا تھا۔

اور جیسا کہ آپ کے بعد ابوبکر صدیقؓ نے ربذہ میں صدقہ کے اونٹوں کے لیے حمی تجویز کیا تھا، اور حضرت عمرؓ نے مقام سرف میں ایک حمی مقرر کر دیا تھا۔

بخاری میں ہے کہ سرف اور ربذہ کی مذکورہ دونوں "حمی" حضرت عمرؓ نے بنائی تھیں۔

علامہ عینی اس سلسلہ میں ایک عام بات کہتے ہیں وہ یہ ہے:

ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ حسب ضرورت چراگاہ بناتے گئے۔

بہرحال اس طرح خلافت نے عام انسانوں کی طرح جانوروں کی پرورش کا انتظام اپنے ذمہ لیا تھا، اور ہر خلیفہ اپنے زمانۂ خلافت میں اس ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے اس کا مناسب انتظام کرتا تھا جیسا کہ مفتوحہ علاقوں میں کئی مقامات حمی کے لیے مخصوص کیے گئے تھے اور بہت سے حمی جو دوسروں کے انفرادی قبضہ میں تھے خلافت نے ان کے قبضہ سے نکال کر سب کو برابر کا شریک قرار دیا تھا۔ ہر شخص اپنی اپنی ضرورت کے مطابق ان سے فائدہ اٹھاتا تھا اور جانوروں کو چراتا تھا۔

(۳) جنگلات کا انتظام | زمانۂ خلافت میں جنگلات بھی کسی کے لیے مخصوص نہ ہوتے تھے بلکہ اس میں تمام لوگ برابر کے شریک سمجھے جاتے تھے اور ہر شخص اپنی اپنی ضرورت کے مطابق ان میں

[1] مسوی شرح مؤطا ص ۴۰۵ [2] عینی ج ۶ ص ۲۹۔

Marfat.com

باشندوں کے پاس رہنے دی جاتی تھی۔

"فے" میں چونکہ جنگ کی نوبت نہ آتی تھی اس لیے فوجیوں میں اس کو تقسیم کرنے کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا بلکہ وہ اصل باشندوں کے پاس ہی رہنے دی جاتی تھی۔

(۲) آراضیِ معاہدہ کے باشندے بے کم وکاست شرائطِ صلح پر باقی رکھے جاتے تھے ان کی زمینیں اور ہر چیز انہی کے پاس رہنے دی جاتی تھیں۔ خلافت ان کے جان و مال کی حفاظت کرتی تھی اور جو کچھ معاہدہ میں طے ہو جاتا، اس کے علاوہ کوئی شے وصول نہ کرتی تھی۔ معاہدین جب مقررہ مقدار نہ ادا کر سکتے تو اس میں کمی کر دی جاتی تھی لیکن معاہدہ نہ توڑا جاتا تھا۔

(۳) جس زمین کے باشندے اسلام قبول کر لیتے تھے ان کے لیے عام قانون تو یہی تھا کہ ان کی زمینیں انہی کے پاس رہنے دی جاتی تھیں۔ لیکن چونکہ مسلم ہونے کی حیثیت سے ان پر ذمہ داری زیادہ تھی اس لیے ضرورت اور مصلحت کے وقت وہ خود اپنی زمینیں خلافت کے حوالہ کر دیتے تھے یا خلافت ان سے لے لیتی تھی۔

(۴) خالصہ زمینیں عموماً وہ ہوتی تھیں جن کا کوئی مالک نہ ہوتا تھا، اب یا تو پہلے ہی سے ان کا کوئی مالک نہ ہوتا یا ان کے مالک چھوڑ کر چلے گئے ہوتے یا مفادِ عامہ کی خلاف ورزی کی بنا پر مالکوں کو بیدخل کر دیا جاتا۔ اس قسم کی تمام زمینوں کی تنظیم و تقسیم بنیادی حیثیت سے مفادِ عامہ کے پیشِ نظر کی جاتی تھی اور ذاتی مفاد پر اجتماعی مفاد کو ترجیح دیجاتی تھی۔ ایسی زمینوں کی تنظیم و تقسیم کی تین صورتیں تھیں۔

(۱) خلافت اپنے اخراجات سے کاشت کراتی تھی۔

(۲) لوگوں کو قطائع دیتی تھی

(۳) کاشتکاروں کو صرف کاشت کے لیے زمین دیتی تھی۔

خلافت کے زیرِ انتظام آنیوالی تمام زمینوں میں جو حصہ چراگاہ و جنگلات اور نمک کی جھیل وغیرہ کا ہوتا تھا وہ کسی کو نہ دیا جاتا تھا خلافت ہی اپنے اخراجات سے انتظام کرتی تھی اور اس کا

Marfat.com

نفع حسبِ حاجت و مصلحت لوگوں میں تقسیم کرتی تھی۔ جو حصّہ بنجر زمینوں کا ہوتا تھا اس کی آباد کاری کے سلسلہ میں وہی تین صورتیں تھیں جو قطائع میں مذکور ہو چکی ہیں۔

مجموعی حیثیت سے تمام زمینیں اللہ کی ملک قرار دی جاتی تھیں اور خلافت کے انتظام و نگرانی میں ہوتی تھیں۔ جب تک مفادِ عامہ کی حفاظت ہوتی رہتی خلافت کو کسی کے کام میں دخل دینے کی ضرورت نہ پڑتی تھی لیکن جب اس کی خلاف ورزی ہوتی یا تنظیم و تقسیم کی کوئی عمدہ صورت سامنے آتی جس میں نفع خلق زیادہ معلوم ہوتا تو خلافت کو مفادِ عامہ کے پیش نظر ہر نفع بخش صورت اختیار کرنے کی اجازت تھی۔ البتہ معاہدین کی زمینیں اس سے مستثنیٰ ہوتی تھیں جب تک انہی کی جانب سے کوئی خلاف ورزی بات نہ پائی جاتی، خلافت کی طرف سے کسی قسم کی مداخلت نہ کی جاتی تھی۔

خلافت اس طرح زمین کی تنظیم و تقسیم پر مامور تھی کہ منشاءِ الٰہی پورا ہو اور اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق کے لیے سامان خورد و نوش مہیا ہو۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر وہ ذرائع پیداوار کی تنظیم کرتی تھی اور اسی کو ملحوظ رکھ کر پیداوار کی تقسیم کرتی تھی۔

زمانۂ خلافت میں ذرائع پیداوار ذاتی وقار اور اقتدار بڑھانے کے لیے ہوتے تھے اور نہ تنہا طوری کیلیے بلکہ مفادِ خلق کے لیے ہوتے تھے اور اسی میں ان کو استعمال کیا جاتا تھا۔

Marfat.com

زراعت وباغبانی

زراعت تمام ترقیات کی اصل ہے اور اسی پر نظامِ عالم کی بنیاد ہے (۱)

ہماری غذا کا بہت زیادہ انحصار زراعت اور باغبانی پر ہے اس کے بغیر نہ زندگی کا کوئی عُقدہ حل ہو سکتا ہے اور نہ اقتصادی ترقی کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے کیونکہ خام پیداوار کے بغیر نہ تجارت چلتی ہے اور نہ صنعت و حرفت کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔

تمدن کے ابتدائی دور میں غذا کا تمام تر تعلق زمین کی قدرتی پیداوار سے تھا۔ انسان بھوک کی حالت میں نکلتا اور پھل توڑ کر یا جانوروں کا شکار کر کے شکم سیری کر لیتا تھا نہ کسی کو کسی قسم کی روک ٹوک تھی اور نہ کسی پر کوئی پابندی تھی۔

لیکن جب رفتہ رفتہ سماجی ترقی کی منزلیں طے ہونے لگیں تو زراعت کی ابتداء ہوئی پودوں اور بیجوں کے اُگانے کا کام شروع ہوا، زمین کی خاصیتیں اور تاثیریں دریافت کی گئیں، حالات و مقامات اور فصلوں کے اختلاف سے زمین کا تغیر و تبدل معلوم کیا گیا اور بالآخر اس طرح انسان زمین سے غذا حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔

زراعت کے بارے میں یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی ابتداء کی صحیح تاریخ کیا ہے۔ بعض مورخین اس کی ابتدائی تاریخ تیس ہزار سال بتاتے ہیں اور بعض صرف آٹھ ہزار سال۔

مورخین کا خیال ہے کہ کاشت کی ابتداء عورتوں سے ہوئی ہے وہ جنگلی بیجوں کو جمع کر کے کھیتوں میں بکھیر دیا کرتی تھیں اور مرد گھومتے پھرتے جب شکار سے واپس آتے تو تیار فصل کاٹ لیا کرتے تھے۔ یہ اس زمانہ کی بات ہے جب انسانوں کی روزی کچھ تو شکار اور کچھ کھیتی کے ذریعہ حاصل ہوتی تھی۔

Marfat.com

اُس زمانہ کے لوگ گیہوں، جو، جوار اور باجرے کی کاشت کیا کرتے تھے۔ البتہ ان کے طریقۂ کاشت کے متعلق واقفیت بہت کم ہے اور ان ابتدائی کاشتکاروں کے اوزار ہل، کھرپے وغیرہ کی شکلوں کے متعلق محکمۂ آثار قدیمہ اب تک خاموش ہے۔ ممکن ہے معمولی قسم کے ہل اور کھرپے لکڑی کے بنے ہوئے استعمال کیے جاتے رہے ہوں اور امتدادِ زمانہ سے وہ فنا ہو گئے ہوں۔

اس زمانہ میں غلّہ کو باقاعدہ پکا کر کھانے کا رواج نہ تھا بلکہ لوگ عام طور اناج کو بھون کر اس کو پتھروں سے پیس کر کھایا کرتے تھے۔ سخت اور وزنی قسم کے روٹ بنائے جانے کا پتہ چلتا ہے۔ گول اور چپٹے ٹکڑے کے آثار دریافت کیے گئے ہیں اور دوسرے وقتوں کے لیے ذخیرہ بنا کر رکھنے کا ثبوت فراہم کیا گیا ہے۔ لیکن اس موضوع کے تمام گوشے ابھی تک اُجاگر نہیں ہو سکے ہیں کہ اس پر سیر حاصل بحث کی جا سکے۔ دراصل محکمۂ آثارِ قدیمہ کی تحقیقات اس سلسلہ میں ابھی تشنۂ تکمیل ہیں۔

بہرحال اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ زراعت کے آغاز سے انسانی زندگی میں ایک زبردست تبدیلی ہوئی ہے اور تمدن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے والی تمام چیزوں کی ایجاد اسی کے بعد ہوئی ہے۔

کون نہیں جانتا کہ اسی کے بعد باقاعدہ غذا پیدا کرنے اور محفوظ رکھنے کا رواج شروع ہوا اور اناج، تخم، پھل وغیرہ غذا کی تکمیل کرنے والی مختلف چیزوں کا تجربہ و مشاہدہ کیا گیا فصل کی نگرانی کے لیے مقام و جگہ کے ساتھ انسیت ہوئی ہے اور مستقل مکانات تعمیر کیے جانے لگے ہیں۔ اور جب گرم مکانوں میں رہنے کی وجہ سے ٹھنڈے اور ہلکے کپڑوں کی ضرورت محسوس ہوئی تو اون، کتاں وغیرہ کے مختلف قسم کے کپڑے بنائے جانے لگے ہیں۔

پھر زراعت کی جتنی زیادہ ترقی ہوتی گئی لوگوں کی ضروریاتِ زندگی میں اضافہ ہوتا گیا۔ ان ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مختلف لوگوں نے اپنی اپنی صلاحیت اور استعداد کے

Marfat.com

مطابق مختلف چیزیں بنانا شروع کر دیں، اس طرح بہت سے پیشوں کا وجود ہوا، اور کاتنے والے، بُننے والے، معماری و نجّاری وغیرہ کرنے والے لوگ پیدا ہو گئے۔ ابتدا میں تو اس کی صورت عارضی اور شکل غیر منظم تھی لیکن بعد میں رفتہ رفتہ اس تقسیمِ کار نے ایک حقیقی صورت اختیار کر کے تنظیمی شکل پیدا کر دی ہے اور گروہ بندی و جماعت بندی تک نوبت پہنچ گئی ہے چونکہ تحفظ اور بچاؤ کے امکانات تنظیم میں زیادہ ہوتے ہیں اس لیے فطری طور پر ہر شخص اپنے اپنے گروہ اور جماعت کے لوگوں سے محبت کرنے لگا۔ الغرض اس طرح باہمی تعاون اور مل جل کر کام کرنے کا حوصلہ بڑھا اور انسان اپنی محنتوں کو متحد کر کے ایک دوسرے کو فائدہ پہنچانے لگا۔

پھر ہر شے میں ترقی ہوتی گئی اور رنگا رنگی اور تنوع پیدا ہوتا گیا، یہاں تک کہ شہروں کی بُنیاد پڑی اور شہری تمدن اور تہذیب و شائستگی سے انسان آراستہ ہو گیا۔

اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو زراعت ہی تمام ترقیات کی اصل ہے اور اسی پر نظامِ عالم کی بُنیاد ہے۔ غالباً اسی وجہ سے معاشیات میں مسئلہ زراعت کو ہمیشہ مرکزیت حاصل رہی ہے اور وہ ممالک بڑے خوش قسمت شمار کیے جاتے رہے ہیں جن کی زمینیں قابلِ زراعت اور زرخیز ہیں۔

قرآنِ کریم نے زراعت و باغبانی[۲] کا نظام پیش کر کے اللہ کے وجود اور اس کی قدرت پر دلیلیں قائم کی ہیں۔

قرآنِ حکیم کی نظر میں زراعت و باغبانی کی اہمیت کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جہاں کہیں اللہ کی قدرت کی نشانیوں پر غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے، اس میں اکثر و بیشتر یہی نظام پیش کیا گیا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ قدرت کی کارفرمائیوں اور جلوہ گریوں کو بآسانی مشاہدہ کرنے کے لیے جتنا ذخیرہ اس نظام میں موجود ہے اتنا سہل الحصول ذخیرہ شاید ہی کسی دوسری جگہ مل سکے۔ یہ نظام ایک طرف تو سائنٹفک تحقیقات کے لیے بے شمار دفینے اپنے اندر پوشیدہ رکھتا ہے اور

Marfat.com

ہر محقق کو آئے دن مختلف چیزوں پر غور و فکر کے لیے نظر و اعتبار کے مختلف پہلو دیتا ہے اور دوسری طرف ہر ایک کے لیے یہ بات سرمایۂ بصیرت و بصارت ہے کہ زمین میں جتنی نباتات اُگتی ہیں سب کے لیے ایک خاص اندازہ مقرر کر دیا گیا ہے اور ہر شے اپنی نوعیت، کمیت اور کیفیت میں ایک جچی تلی حالت رکھتی ہے۔ طرح طرح کے غلے ہیں، رنگ رنگ کے پھل پھول ہیں، ان گنت قسموں کے درخت اور سبزیاں ہیں جو اپنے ڈیل ڈول میں، ہیئت و شکل میں رنگت اور خوشبو میں۔ مزہ اور خاصیت میں غرض ہر حیثیت سے ایک ٹھہرائے ہوئے اندازہ سے بنائی گئی ہیں اور مخصوص سانچہ میں ڈھلی ہوئی ہیں اور ہر اعتبار سے نہایت مناسب و معتدل ہیں۔

ان تمام مظاہر و آثار کو دیکھ کر ایک مادہ پرست مادہ اور فطرت کے گن گانے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ ساری چیزیں خود بخود وجود میں آ گئی ہیں نہ کسی نے ان کو پیدا کیا ہے اور نہ کوئی اس نظام کو چلانے والا ہے۔ بے جان مادہ میں آپ سے آپ جان پڑ گئی ہے کسی مافوق الطبیعی ہستی نے اس میں جان نہیں ڈالی ہے بس کچھ فطری قوانین ہیں جن کے ماتحت یہ پورا کارخانہ چل رہا ہے اس کے علاوہ اس پورے نظام کو چلانے والا کوئی نہیں۔ نہ کوئی علت العلل اور نہ علت۔

لیکن انہی چیزوں کو دیکھ ایک خدا پرست کہتا ہے کہ یہ سب کسی خالق اور قادرِ مطلق کی گلکاریوں اور حسن افروزیوں کا نتیجہ ہیں، مادہ بے جان ہے اس میں جان ڈالنے والی ایک عقل و ارادہ رکھنے والی مافوق الطبیعی ہستی موجود ہے جو فطری و طبعی قوانین کو ایک نظم و ترتیب کے ساتھ اور موزونیت و ہم آہنگی کے ساتھ عملی جامہ پہناتی رہتی ہے۔

وہ اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں کہ ایک اندھی بہری فطرت اور بے جان مادہ اور بے حس الکٹرون کے نظم و ترتیب اور ترقی و تنزل سے یہ پورا نظام چل رہا ہے اور عقل و ارادہ رکھنے والی کوئی ہستی موجود نہیں ہے۔

Marfat.com

وہ کہتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کا پورا نظام نہایت خوبی و خوش اسلوبی سے چل رہا ہے، ہر شے کی پرورش ہو رہی ہے، ہر کام اپنے وقت پر ہو رہا ہے، ہر ضرورت ایک نظم کے ماتحت پوری ہو رہی ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کارسازی موجود ہو مگر کوئی کارساز موجود نہ ہو، عمل موجود ہو مگر کوئی عامل موجود نہ ہو، عمارت موجود ہو مگر کوئی معمار موجود نہ ہو۔ صناعی موجود ہو مگر صانع موجود نہ ہو، نقش موجود ہو مگر کوئی نقاش موجود نہ ہو۔

یہ ناممکن ہے کہ یہ سب کچھ بغیر کسی موجود کے موجود ہو انسان کی فطرت کبھی اس کو یقین کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتی، وہ ضرور اس بات کو ماننے پر مجبور ہو گی کہ یہ سب مناظرِ قدرت کی ہماہمی اور کارخانۂ خلقت کی ہنگامہ آرائی کسی مافوق الطبیعی ہستی کی کرشمہ سازی ہے۔

ذیل میں چند آیتیں درج کی جاتی ہیں جن میں اللہ کی قدرت کی نشانیوں پر غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے بلکہ وہ کسی مافوق الفطرت ہستی کے موجود ہونے پر مستقل دلیل بھی ہیں

(۱) فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ۝	انسان اپنی غذا پر نظر ڈالے، ہم پہلے زمین پر پانی برساتے
أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا	ہیں پھر اس کی سطح شق کر دیتے ہیں، پھر اس کی روئیدگی
الْأَرْضَ شَقًّا ۝ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا	سے طرح طرح کی چیزیں پیدا کر دیتے ہیں، اناج کے
حَبًّا ۝ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ۝ وَزَيْتُونًا	دانے، انگور کی بیلیں، کھجور کے خوشے، سبزی ترکاری
وَنَخْلًا ۝ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ۝ وَ	زیتون کا تیل، درختوں کے جھنڈ، قسم قسم کے میوے،
فَاكِهَةً وَأَبًّا ۝ مَتَاعًا لَكُمْ وَ	طرح طرح کے چارے اور یہ سب کچھ تمہارے فائدے
لِأَنْعَامِكُمْ ۝ (عبس)	کے لیے اور تمہارے جانوروں کے لیے۔
(۲) أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ۝ أَأَنْتُمْ	اچھا تم نے اس بات پر غور کیا کہ جو کچھ تم کاشتکاری کرتے
تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ۝	ہو اسے تم اُگاتے ہو یا ہم اُگاتے ہیں اگر ہم چاہیں تو
لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ	اس کو چورا چورا کر دیں اور تم باتیں بناتے رہ جاؤ کہ
تَفَكَّهُونَ ۝ إِنَّا لَمُغْرَمُونَ ۝ بَلْ	ہائے افسوس ہمیں تو اس نقصان کا تاوان ہی دینا

Marfat.com

نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ	پڑیگا بلکہ ہم تو اپنی محنت کے سارے فائدوں ہی سے
الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ	محروم ہوگئے، اچھا تم نے یہ بات بھی دیکھی کہ یہ پانی جو
مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ۝	تمہارے پینے میں آتا ہے اسے کون برساتا ہے، تم برساتے
لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْ	ہو یا ہم برساتے ہیں، اگر ہم چاہیں تو اسے (سمندر کے پانی
لَا تَشْكُرُوْنَ ۝ (۵۶/۷۰)	کی طرح) کھاری اور کڑوا کردیں، پھر کیا اس نعمت کے
	لیے ضروری نہیں ہے کہ تم شکرگذار رہو۔
(۳) اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ	وہ کون ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور جس
وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً	نے آسمان سے تمہارے لیے پانی برسایا پھر اس آبپاشی
فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا	سے خوشنما باغ اُگا دیے حالانکہ تمہارے بس کی یہ بات نہ
كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ۔	تھی کہ ان باغوں کے درخت اُگاتے، کیا ان کاموں کا
ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ (۲۷/۶۰)	کرنے والا) اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے۔
(۴) قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ	وہ کون ہے جو آسمان و زمین سے تمہیں روزی بخش رہا ہے،
وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ	وہ کون ہے جس کے قبضہ میں تمہارا سننا اور دیکھنا ہے،
وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ	وہ کون ہے جو بے جان سے جاندار کو اور جاندار سے بے
مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ	جان کو نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو اس سب کو نظم و
مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ	انتظام کے ساتھ چلا رہا ہے، وہ بول اُٹھینگے اللہ ہے،
فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا	آپ کہیے پھر کیوں تم لوگ سرکشی سے نہیں باز آتے ہو
تَتَّقُوْنَ ۝ (۱۰/۳۱)	اور اللہ سے نہیں ڈرتے ہو۔
(۵) وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ	(اسی طرح) کھجور اور انگور کے پھل ہیں جن سے نشہ کا عرق
تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا	اور اچھی غذا دونوں طرح کی چیزیں حاصل کرتے ہو بلا
حَسَنًا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً	شبہ اس میں اہلِ عقل کے لیے ربوبیتِ الٰہی کی ابدی

Marfat.com

لِقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ ۝	بڑی نشانیاں ہیں۔
(۶) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِہٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُہَا ۝	کیا آپ نے اس پر غور نہیں کیا کہ بلا شبہ اللہ ہی نے آسمان سے پانی برسایا اور پھر ہم ہی (اللہ) نے اس پانی سے مختلف رنگتوں کے پھل نکالے۔
(۷) فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْہَا الْمَآءَ اہْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ کُلِّ زَوْجٍۢ بَہِیْجٍ ۝	پھر جب ہم زمین پر پانی برسا دیتے ہیں تو وہ لہلہانے اور اُبھرنے لگتی ہے اور ہر طرح کی خوشنما روئیدگی اُگاتی ہے۔
وَہُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِہٖ نَبَاتَ کُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْہُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْہُ حَبًّا مُّتَرَاکِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِہَا قِنْوَانٌ دَانِیَۃٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِہًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِہٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰی ثَمَرِہٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَیَنْعِہٖ ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِکُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ (الانعام - ۹۹)	وہی قادرِ مطلق ہے جس نے آسمان (بلندی) سے پانی برسایا پھر ہم (اسی اللہ) نے اس سے ہر قسم کی نبات نکالی جس میں ہری ہری ٹہنیاں نکالیں۔ پھر اس میں گتھے ہوئے دانے نکالے اور کھجور کے شگوفے سے گچھے نکالے جو مارے بوجھ کے جھکے پڑتے ہیں اور ہم (اسی اللہ) نے انگور اور زیتون اور انار کے باغ پیدا کیے صورت شکل میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور ملتے جلتے نہیں ہیں، ان میں سے ہر ایک چیز پکتی ہے تو اس کا پھل اور پھل کا پکنا قابلِ دید ہے اس کو غور سے دیکھو تو اس میں اللہ کی قدرت کی بڑی نشانیاں دکھائی دینگی ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں۔
(۹) اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا کَمَآءٍ اَنْزَلْنٰہُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِہٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا یَاْکُلُ	دنیوی زندگی کی مثال تو اس پانی جیسی ہے جس کو ہم نے آسمان سے برسایا پھر زمین کی نبات جس کو آدمی اور چارپائے کھاتے ہیں پانی کے ساتھ مل گئی (پانی کو

Marfat.com

النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَادِرُونَ عَلَيْهَا أَتَاهَا أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيدًا كَأَن لَّمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ (۱۰)

جذب کرلیا یہاں تک کہ زمین (فصل سے) آراستہ ہو کر خوشنما ہو گئی اور کھیت والوں نے سمجھا کہ اب وہ اس پر پورا قابو پا گئے (جب چاہیں گے کاٹ لیں گے) تو اچانک رات یا دن میں ہمارا حکم عذاب آپہنچا، پس ہم نے اس کو کٹی ہوئی کھیتی جیسا بنا دیا گویا کہ کل اس کا (کھیت میں) نام و نشان ہی نہ تھا۔

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ فَأَصْبَحَ هَشِيمًا تَذْرُوهُ الرِّيَاحُ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا (۱۸)

آپ ان کے سامنے دنیوی زندگی کی مثال بیان کر دیجیے کہ اس پانی جیسی ہے جس کو ہم نے آسمان سے برسایا تو زمین کی نباتات پانی کے ساتھ مل گئی (پانی کو جذب کرلیا، اور خوب پھلی پھولی) پھر آخر کار بھوسی ہو کر رہ گئی جس کو ہوائیں اڑائے اڑائے پھرتی ہیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ان کے علاوہ بیشمار آیتیں ہیں جن میں زراعت و باغبانی کا نظام پیش کر کے قدرت کی کارفرمائیوں اور جلوہ آرائیوں پر مستحکم دلیلیں قائم کی گئی ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ انسان دنیا کی تمام چیزوں سے نظریں ہٹا کر غفلت و سرشاری میں مبتلا ہو سکتا ہے لیکن ایک دانا و بینا انسان اپنی زندگی کو قائم و باقی رکھنے والی غذا سے آنکھیں بند نہیں کر سکتا ہے۔

غلہ کا ایک دانہ جو اپنی پیدائش سے لے کر پختگی اور کارآمد بننے تک مختلف احوال و ظروف سے گزرتا ہے، جب تک اس کو غذا کے قابل بنانے کے لیے ایک خاص نظم و ترتیب کے ساتھ پورا نظام سرگرم عمل نہیں ہو جاتا انسان کی غذا بننے کی صلاحیت اس میں نہیں پیدا ہوتی ہر یہی حال دنیا کی ہر چیز کا ہے، جب تک اس کو پرورش اور تکمیل تک پہنچانے کے لیے ایک

Marfat.com

خاص نظم کے ماتحت مسلسل جدوجہد نہیں کی جاتی کارآمد و مفید بننے کی اس میں صلاحیت پیدا نہیں ہوتی،

جب ہم کھلی آنکھوں اس حقیقت کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ دنیا میں ہر شے کی پرورش اور کارآمد بنانے کے لیے ایک نظام موجود ہے جس کے ماتحت ہر شے کی مناسب انداز سے تربیت ہوتی رہتی ہے تو کیا اس نظام کا چلانے والا کوئی موجود نہیں۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ نظم موجود ہو مگر کوئی ناظم موجود نہ ہو، قیام موجود ہو، مگر کوئی قیّوم موجود نہ ہو۔

انسان جب غور سے ان حقیقتوں پر نظر ڈالیگا تو اس کا وجدان پکار اٹھیگا کہ ایسا ہونا ناممکن ہے۔ آج کی مادہ پرست دنیا جو اس کھلی ہوئی حقیقت کا انکار کر رہی ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ دلائل و براہین سے اس کا عدمِ وجود اور عدمِ وجوب ثابت کر لیا ہے بلکہ اس نے اس لیے انکار کیا ہے کہ اس حقیقت کے ماننے والے وہ لوگ تھے جو ان کے اور ان کی آزادیِ خیال کے دشمن تھے، ورنہ ان کے پاس بھی اس حقیقت کے ماننے کے لیے کافی دلائل موجود ہیں، اور اس کے بغیر وہ ایک ایسی دنیا کا سفر کر رہے ہیں جس میں دور سے ریت کو دیکھ کر یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ پانی ہے۔

(۳۰)
درخت لگاؤ اور پیداوار بڑھاؤ اسکیم کی طرف رسول اللہ نے ایک بالکل انوکھے انداز میں توجہ دلائی ہے۔

داعیِ انقلاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف وقتوں میں لوگوں کو ایک خاص انداز میں درخت لگاؤ اور پیداوار بڑھاؤ اسکیم کی جانب توجہ دلائی ہے مثلاً ایک موقع پر فرمایا:۔

(۱) مامن مسلم یغرس غرساً او یزرع زرعاً فیاکل منہ طیر او انسان او بھیمۃ الا کان بہ صدقۃ لہ	جو مسلمان درخت لگاتا ہے یا کھیتی کرتا ہے اور اس سے چرند پرند اور انسان اپنی غذا حاصل کرتے ہیں تو یہ سب اس کے لیے صدقہ بن جاتا ہے یعنی اس پر اجر و ثواب ملتا ہے۔

لہ بخاری و مسلم کتاب المزارعۃ۔

رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ کاشتکار کو صرف فعلِ زراعت کی وجہ سے ثواب ملتا ہے اس کی نیت ثواب حاصل کرنے کی ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ زراعت کرنے سے بہرصورت خلقِ خدا کو فائدہ پہنچتا ہے خواہ کاشتکار فائدہ پہنچانا چاہے یا نہ چاہے۔ دراصل اسلام کی نظر میں اصلی نیکی اللہ کی مخلوق کو فائدہ پہنچانا ہے جس کام سے خلقِ خدا کو جتنا زیادہ فائدہ پہنچیگا اس کا کرنے والا اتنا ہی زیادہ اجر و انعام کا مستحق ہوگا۔ زراعت میں چونکہ دوسروں کو فائدہ پہنچانے کا پہلو زیادہ نمایاں ہے اس لیے اس کی فضیلت بھی زیادہ ہے۔

علامہ بدرالدین عینیؒ اس حدیث کے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں :۔

وفيه حصول الاجر للغارس والزارع وان لم يقصد ذلك حتى لو غرس وباعه او زرع وباعه كان له بذلك صدقة لتوسعته على الناس في اقواتهم [1]

اس حدیث میں درخت لگانے والے اور کھیتی کرنے والے کے لیے اجر و ثواب کا ذکر ہے اگرچہ اس کی نیت اس فعل سے ثواب کی نہ ہو کیونکہ اس کی وجہ سے وہ خلقِ خدا کی روزی میں اضافہ کرنے کا سبب بنتا ہے اسی وجہ سے اس کو اس صورت میں بھی ثواب ملیگا جبکہ درخت لگاکر بیچ دیا یا کھیتی کا غلہ فروخت کردیا۔

ایک اور روایت میں ارشاد ہے :۔

(۲) ما اكل منه صدقة وما سرق منه صدقة وما اكل السبع فهو له صدقة وما اكلت الطير فهو له صدقة ولا يرزؤه احد الا كان له صدقة [2]

جس قدر کھیتی سے کھایا گیا وہ صدقہ ہے، جس قدر چوری گیا وہ صدقہ ہے جس قدر درندوں نے کھالیا وہ صدقہ ہے، جس قدر پرندوں نے کھالیا وہ صدقہ ہے غرض جس طرح بھی کمی ہوگئی ہے وہ سب درخت لگانے والے اور کاشتکار کے لیے صدقہ ہوگا۔

ایک اور موقع پر فرمایا :۔

---

[1] عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۵ ص ۱۵۵ [2] مسلم ج ۲ ص ۱۵

Marfat.com

(۳) فلا یغرس مسلم غرساً فیاکل منہ انسان ولا دابۃ ولا طیر الا کان لہ صدقۃ الی یوم القیامۃ لہ — جو بھی مسلمان کوئی درخت لگاتا ہے اور اس کا پھل کوئی انسان، چوپایہ، پرندہ کھا لیتا ہے وہ سب لگانے والے کے واسطے قیامت تک کے لیے صدقہ جاریہ ہو جاتا ہے۔

اس حدیث میں قیامت تک ثواب ملنے کا ذکر کیا گیا ہے جس کی شکل محدثین نے یہ بیان کی ہے :-

"درخت اور کھیتی کی موجودگی میں اس لیے ثواب ملتا ہے کہ خلقِ خدا اس سے فائدہ اٹھاتی ہے اور کھیتی اور درخت نہ رہنے کے بعد ان لوگوں کی وجہ سے ثواب ملتا ہے جن کی تربیت اور نشوونما میں اس پھل اور غلہ کو دخل رہا ہے اس کے بعد ان لوگوں کی وجہ سے ثواب ملتا ہے جن کی پرورش اور نشوونما میں پہلے لوگوں کا حصہ رہا ہے یہی شکل سلسلہ بسلسلہ قیامت تک چلی جاتی ہے لہ"

ایک اور موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زراعت کی طرف رغبت دلاتے ہوئے فرمایا :-

(۴) اطلبوا الرزق ولو فی خبایا الارض لہ — رزق کو زمین کی پہنائیوں میں تلاش کرو۔

ایک اور موقع پر ایک حدیثِ قدسی میں ارشاد ہے

(۵) عمروا بلادی فعاش فیہا عبادی لہ — اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری بستیوں کو آباد کرو تاکہ میرے بندے اس میں زندگی بسر کر سکیں۔

امام سرخسی اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں

ھذا الفعل حسن من کل احد لہ — زراعت ہر کسی کے ہاتھوں بہتر ہے

ایک اور موقع پر جب آپ سے پوچھا گیا کہ قدرتی و فطری نظام میں محکمۂ زراعت کے فرائض کون — انجام دیتا ہے اور اس کا سربراہ کار (وزیر زراعت) کون ہے تو آپ نے

لہ بخاری و مسلم کتاب المزارعۃ لہ عمدۃ القاری ج ۵ لہ مبسوط ج ۲۳۔ از اسلام کا اقتصادی نظام لہ ایضاً

فرمایا کہ میکائیل علیہ السلام ہیں' الفاظ یہ ہیں :-

(۶) علی ای شیٔ میکائیل قال علی القطر والنبات [1] — حضرت میکائیل علیہ السلام کس کام پر مامور ہیں آپ نے جواب میں فرمایا کہ بارش اور نباتات کے انتظام پر۔

ملائکہ اللہ کی ایک نورانی مخلوق ہیں جو ہماری نظروں سے اوجھل ہیں لیکن قدرت نے دنیا کا انتظام چلانے کے لیے مختلف کام اور مختلف ڈیوٹیاں ان کے سپرد کر رکھی ہیں اور وہ اپنے فرائض کو بحسن و خوبی انجام دیتے رہتے ہیں محکمۂ زراعت کے افسرِ اعلیٰ میکائیل علیہ السلام ہیں اور ان کی ماتحتی میں بہت سے فرشتے کام کرتے ہیں۔

حاصل یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زراعت کی اہمیت کے پیشِ نظر مختلف حیثیتوں سے مختلف پیرایوں میں اس کی طرف رغبت دلائی ہے۔

مدینہ کے لوگ بالعموم کاشتکاری کیا کرتے تھے اور اسی سے ان کی گزر بسر ہوتی تھی۔ خود رسول اللہ نے بنفس نفیس مقام "جرف" میں زراعت کی ہے۔

(۷) وازدرع رسول اللہ بجرف [2] — رسول اللہ نے مقام "جرف" میں زراعت کی۔

زراعت سے متعلق ایک حدیث کی تشریح اور غلط فہمی کا جواب

اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی تشریح کر دینا ضروری ہے جس میں آپ نے زراعت کو ذلت و مسکنت کا سبب بتایا تھا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

(۸) عن ابی امامۃ الباھلی قال ورای سکۃ وشیئاً من آلۃ الحرث فقال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لایدخل ھذا البیت قوم الا ادخلہ اللہ الذل [3] — ابو امامہ باہلی نے ایک موقع پر ہل اور کچھ آلاتِ زراعت دیکھ کر کہا کہ میں نے رسول اللہ سے یہ بات سنی ہے کہ جس گھر میں یہ آلات داخل ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اس میں ذلت و رسوائی داخل کر دیتا ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ [2] مبسوط ج ۲۳ ص ۲ بحوالہ اسلام کا اقتصادی نظام

اس حدیث کی محدثین نے مختلف توجیہیں بیان کی ہیں لیکن الفاظِ حدیث کے مطابق یہ توجیہ ہے کہ اس سے داعیِ انقلاب کا مقصد زراعت سے روکنا یا اس کی اہمیت کو کم کرنا نہیں تھا، بلکہ یہ تھا کہ جو قوم زراعت کو اصل مقصد بنا لیتی ہے اور بیلوں کی دم کے پیچھے پھرنا اس کی زندگی کا حاصل ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں یہ زراعت اس کے لیے بڑی سے بڑی ذلت و رسوائی کا سبب بن سکتی ہے۔

چونکہ مدینہ میں زراعت پیشہ لوگ رہتے تھے اس لیے آپ نے ذلت و رسوائی کو زراعت کے ساتھ مخصوص فرمایا ورنہ یہی حال تجارت اور ملازمت غرض ہر چیز کا ہوتا ہے جب کہ اس میں مشغولیت اپنی حد سے گزر جاتی ہے۔ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ جب انسان اصل مقصد کو چھوڑ کر صرف ذرائع و وسائل کو مقصد بنا لیتا ہے اور اسی کے لیے جدوجہد کرنا اس کی زندگی کا خلاصہ ہو جاتا ہے تو یہ حالت اس کے لیے بڑے سے بڑے خطرہ کا "الارم" ثابت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک مسلم کی زندگی کا مقصد رحمتِ الٰہی کو عام کرنا اور اللہ کی مخلوق کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانا ہے۔ زراعت، تجارت، ملازمت وغیرہ سب اس مقصد تک پہنچانے کے لیے وسیلہ اور ذریعہ ہیں۔ اب اگر کوئی شخص ذرائع میں اس قدر گم ہو جائے کہ مقصد کے لیے وقت ہی نہ ملے یا ذریعہ ہی کو مقصد سمجھ بیٹھے تو ظاہر ہے کہ ایک مسلمان کی زندگی کے لیے اس سے بڑھ کر تباہی اور بربادی کی اور کوئی صورت نہیں ہو سکتی جیسا کہ آج کل بالعموم کاشتکار، تاجر، ملازم وغیرہ اسی کے شکار ہو رہے ہیں۔

اس حقیقت کو رسول اللہؐ نے اس سے زیادہ واضح الفاظ میں ایک اور موقع پر اس طرح فرمایا ہے:

(۹) اذا ضن الناس بالدینار	جب لوگ درہم اور دینار (روپیہ پیسہ) کی محبت میں پھنس
والدرہم وتبایعوا بالعینۃ	جائیں اور بیجا نہ پر سودا کرنے لگیں اور کھیتی کے جانور اور
واتبعوا اذناب البقر وترکوا	دیگر کاروبار میں اس طرح دل لگالیں کہ وہی چیزیں

Marfat.com

الجہاد فی سبیل اللہ انزل — مقصد حیات ہیں اور اللہ کے راستہ میں جہاد ترک کر دیں
اللہ لھم بلاء فلا یرفعہ — تو اللہ تعالیٰ ان پر مصیبتیں اتاریگا اور اس وقت تک دور
حتی یراجعوا دینھم[1] — نہ ہوگی جب تک وہ اپنا طریق فکر و عمل بدل کر اپنے دین
کے کاموں میں مضبوطی کے ساتھ نہ لگ جائیں۔

اس موقع پر عینہ سے یہ مراد ہے کہ ایک مرتبہ کوئی شے اُدھار خریدی جائے اور پھر تھوڑی دیر کے بعد اسی شے پر نقد معاملہ کیا جائے اور یہ نقد معاملہ پہلی قیمت سے کم قیمت پر ہو[2]۔

ایک اور جگہ رسول اللہ نے فرمایا

(۱۰) لا تتخذوا الضیعۃ فترغبوا فی الدنیا[3] تم لوگ زمینیں نہ لو ورنہ دنیا سے رغبت کرنے لگو گے

اسی بنیادی حقیقت کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو زمین جائداد رکھنے اور کاشتکاری کرنے سے قانوناً منع کر دیا تھا۔ جیسا کہ علامہ طنطاوی جوہریؒ کہتے ہیں:۔

"حضرت عمرؓ کی خواہش تھی کہ خلافت کا مرکز مدینہ میں باقی رہے، ظاہر ہے کہ ان کی یہ خواہش قوت و طاقت اور مدافعت کی ہمت کے بغیر پوری نہ ہو سکتی تھی اس لیے آپ نے مسلمانوں کو زراعت سے روک دیا تھا تاکہ ان چیزوں میں ان کی مشغولیت مقصد سے باز رکھنے کا سبب نہ بن جائے[4]"

۱۔ وبھذا السبب ایضا نھی المسلمین — اور اسی سبب سے حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو
عن الزرع وشدد فی منعھم اعتمادا — سختی کے ساتھ زراعت سے روک دیا تھا مذکورہ
علی الحدیث القائل السکنۃ[5] — زیر بحث حدیث پر اعتماد کرکے۔

حضرت عمرؓ کی ممانعت کی ایک وجہ تو یہ تھی اور دوسری وجہ یہ تھی

۲۔ ولان الاشتغال بالزرع یشغلھم — اس لیے کہ زراعت میں مشغولیت رحمتِ الٰہی کو

۱؎ منتقی باب البیوع و ابوداؤد و مسند امام احمد ۲؎ نصب الرایہ ج ۲ ص ۱۶ ۳؎ احکام القرآن ج ۳ ص ۱۲۷۔ والخراج یحیی ۴؎ نظام العالم والامم ج ۲ ص ۲۰۱ ۵؎ ایضا

Marfat.com

عن الحرب ؎ عام کرنے (جہاد) سے باز رکھیگی۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس حقیقت کو دوسرے پیرایہ میں بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ ایک عالمگیر انقلاب کے ذریعہ خلافتِ الٰہیہ
بعث بالخلافۃ العامۃ وغلبۃ	قائم کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں یہ بات ناممکن ہے
دینہ علی سائر الادیان لا	کہ اس انقلابی دین کے علمبردار جہاد اور وسائل جہاد (جو
یتحقق الا بالجھاد واعداد	ہر زمانہ کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں) میں مشغولیت
الاتہ فاذا ترکوا الجھاد واتبعوا	کے بغیر یہ مقصد حاصل کریں اگر یہ لوگ اپنے اس مقصد
اذناب البقر احاط بھم الذل	کو چھوڑ کر بیلوں اور گایوں کی دم کے پیچھے پھرنے لگینگے
وغلب علیھم سائر الادیان ؎	تو ان کو ہر طرف سے ذلت و رسوائی گھیر لیگی اور دیگر
	تمام مذاہب والے ان کو مغلوب بنالیں گے۔

زیر بحث حدیث کی ایک توجیہ اوپر مذکور ہو چکی ہے جس کی تائید کے لیے مختلف اقوال پیش کیے گئے ہیں اور دوسری توجیہ محدث ابن تینؒ نے بیان کی ہے۔ اس توجیہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں رسول اللہ کا مقصد بعد کے کاشتکاروں کی حالت بیان کرنا ہے اور بطور پیشین گوئی آپ نے فرمایا ہے کہ بعد میں ایسا دور آئیگا کہ اسلام کے عطا کیے ہوئے حقوق کاشتکاروں سے چھین لیے جائینگے اور دنیا بھر کے مظالم و سفاکی کا تختۂ مشق انہی کو بنایا جائیگا، جیساکہ تاریخ شاہد ہے کہ جس قدر دنیا کو اسلام سے بُعد ہوتا گیا ظلم و ستم کی چکی میں کاشتکار ہی زیادہ پستے رہے اور زمینداری و جاگیرداری نظام نے تو ان بیچاروں کو زرعی غلام بنا کر چھوڑ دیا۔ ابن تینؒ کے الفاظ یہ ہیں۔

ھذا من اخبارہ صلی اللہ علیہ وسلم — یہ حدیث آپؐ نے غیب کی باتوں کے متعلق

ؔ نظام العالم والامم ج ۲ ص ۲۰۱ ؔ حجۃ اللہ البالغہ ج ۲

Marfat.com

بالمغیبات لان المشاهدة بطور پیشین گوئی کے فرمایا ہے کیونکہ آج ہم مشاہدہ کر رہے
الآن ان اکثر الظلم انما ہیں کہ سب سے زیادہ ظلم و ستم کا تختۂ مشق کاشتکار ہی
ھو علی اھل الحرث ؎ بنے ہوئے ہیں۔

جہاں تک الفاظِ حدیث کی عمومیت کا تعلق ہے دونوں توجیہوں کو شامل ہیں اور دونوں مفہوم اپنی اپنی جگہ پر صحیح ہیں۔

مذکورۂ بالا تصریحات سے اصولی طور پر دو بنیادی باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ اسلام کی نظر میں مسلم کی زندگی کا مقصد رحمتِ الٰہی کو عام کرنا اور اللہ کی مخلوق کو فائدہ پہنچانا ہے۔

۲۔ بسا اوقات ایک شے نہایت ضروری ہوتی ہے لیکن اس کو اس کی حیثیت اور مرتبے سے ہٹا کر کیا جاتا ہے تو خارجی اسباب و محرکات کی بنا پر وہی شے نہ صرف غیر ضروری بلکہ مضر ہو جاتی ہے۔

اسلام کی نظر میں اصل نیکی اللہ کی مخلوق کو فائدہ پہنچانا اور رحمت کا ماحول پیدا کرنا ہے	وسائلِ معیشت میں زراعت کا درجہ اگر خام اجناس کی زیادہ ضرورت ہو تو سب میں افضل ہے۔

اور وسائلِ معیشت تجارت، زراعت، صنعت و حرفت میں ارادی و غیر ارادی طور پر زراعت میں خلقِ خدا کو زیادہ فائدہ پہنچتا ہے۔ اس لیے بعض علماء اسلام نے زراعت کو سب سے افضل کہا ہے اور جس مقام اور جس ماحول میں خام اجناس کی زیادہ ضرورت ہو تو وہاں اس کے افضل ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے۔ جیسا کہ امام سرخسی نے فرمایا۔

ولهذا قدم بعض مشائخنا اور مذکورہ احادیث کے پیش نظر ہمارے بعض مشائخ نے
الزراعة على التجارة لانها زراعت کو تجارت سے افضل کہا ہے کیونکہ اس کا نفع

؎ اسلام کا اقتصادی نظام۔

Marfat.com

اعم نفعا و اکثر صدقة[1] عام ہے اور دوسرے کو فائدہ پہنچانے کی راہیں اس میں زیادہ ہیں۔

علامہ عبدالرحمٰن جزائری کہتے ہیں:۔

اما الزرع فی ذاتہ سواء کان مشارکۃ اولا فھو فرض کفایۃ لاحتیاج الانسان والحیوان الیہ[2]
زراعت فی نفسہ شرکت کے ساتھ ہو یا بلا شرکت، فرض کفایہ ہے کیونکہ انسان اور حیوان سب ہی کے لیے زراعت کی حاجت ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

والاکثر علی ان الزراعۃ افضل[3]
اکثر علماء کی یہ رائے ہے کہ زراعت سب میں زیادہ افضل ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

فانھوان کان اکثرھم مکتسبین بالصناعات وسیاسۃ البلدۃ والقلیل مکتسبین بالرعی الزراعۃ فسد حالھم فی الدنیا[4]
اگر ملک کے اکثر افراد صنعت و حرفت اور سیاست میں مصروف ہو جائیں زراعت اور گلہ بانی کی طرف کم لوگوں کی توجہ ہو جائے تو ان کی دنیوی حالت تباہ و برباد ہو جائیگی۔

علامہ نووی شارح مسلم اس سلسلہ میں علماء کا اختلاف نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

وقیل ھو الزراعۃ وھو الصحیح[5]
بعض کا قول ہے کہ زراعت سب میں افضل ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

علامہ عینی اختلاف نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں

واکثر الاحادیث تدل علی افضلیۃ
اکثر حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کسب بالید

---

[1] مبسوط ج ۲۳۔ از اسلام کا اقتصادی نظام [2] ایضاً [3] فتاوی عالمگیری ج ۴ ص ۱۴۲
[4] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ [5] نووی شرح مسلم ج ۲۔

Marfat.com

الکسب بالید[۱] افضل ہے۔

بہرحال اس بارے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں کوئی زراعت کو افضل کہتا ہے اور کوئی تجارت کو اور کسی کے نزدیک صنعت و حرفت سب میں افضل ہے۔ اس اختلاف کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان میں کسی کی افضلیت ذاتی نہیں ہے بلکہ حالات و مقامات کے لحاظ سے ہے۔ جہاں خام اجناس کی زیادہ ضرورت ہو اور لوگوں کی توجہ زراعت و کاشتکاری کی طرف نہ ہو وہاں زراعت سب میں افضل ہے۔ اور جس مقام اور جس ماحول میں تجارت یا صنعت و حرفت عام مرفہ الحالی و خوشحالی کا سبب بنتی ہوں وہاں کے لحاظ سے یہ چیزیں افضل ہیں:

اصل مقصد خلقِ خدا کو فائدہ پہنچانا اور عام خوشحالی و فارغ البالی کی فضا پیدا کرنا ہے جہاں جس پیشہ کے اختیار کرنے سے دوسروں کے مقابلہ میں یہ مقصد زیادہ حاصل ہوگا وہاں کے لیے وہی پیشہ زیادہ افضل و اعلیٰ اور موجب اجر و ثواب ہوگا۔

عینیؒ نے علماء کے مختلف اقوال کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کی یہی شکل اختیار کی ہے، جیسا کہ وہ کہتے ہیں:۔

واذا کان کذلک فینبغی ان یختلف	جب افضلیت کا مدار افادیت کی بناء پر ہے
الحال فی ذلک باختلاف حاجۃ	تو لوگوں کی ضرورتوں کے لحاظ سے افضلیت
الناس فحیث کان الناس محتاجین	میں اختلاف ہوگا جہاں لوگوں کے لیے خام
الی الاقوات اکثر کانت الزراعۃ	اجناس کی زیادہ ضرورت ہوگی وہاں کے لیے
افضل للتوسعۃ علی الناس وحیث	زراعت افضل ہوگی، اور جہاں کسی وجہ سے
کانوا محتاجین الی التجر لانقطاع	تجارت کی زیادہ ضرورت ہوگی وہاں کے
الطرق کانت التجارۃ افضل وحیث	لیے تجارت افضل ہوگی اور جہاں صنعت و

[۱] عمدۃ القاری ج ۵۔

Marfat.com

كانوا محتاجين الى الصنائع اشد — حرفت کی زیادہ ضرورت ہوگی وہاں کے لیے
كانت الصناعة افضل وھذا ١ — صنعت وحرفت زیادہ افضل ہوگی بمطابقت
احسن ؁ — کی یہی شکل زیادہ بہتر ہے۔

علمائے کے اختلاف جو اوپر مذکور ہو چکے ہیں وہ غالباً حقیقی اور حکمی نہیں ہیں بلکہ حالات و مقامات کے اختلاف کی بنا پر ہیں جہاں جس چیز کی ضرورت تھی اسی کے پیش نظر علماء کے اقوال ہیں،

مزارعت

مزارعت کے معنی مشترکہ طور سے کھیتی کرنا یعنی کسی کو بٹائی پر زمین دینا جیسا کہ اس بارے میں علماء اسلام کہتے ہیں۔

فهي عبارة عن عقد الزراعة ببعض الخارج ؁ — زمین کی پیداوار کے کچھ حصے کے بدلے کھیتی کا معاملہ کرنا مزارعت ہے۔

زمانۂ خلافت کی مزارعت میں کسی کی حق تلفی اور نزاع کا اندیشہ نہ تھا۔

زمانۂ خلافت میں اس اشتراک کی دو صورتیں رائج تھیں، (۱) خلافت کاشتکاروں کو زمین دے کر کاشت کراتی تھی اور وہ طے شدہ معاملہ کے مطابق فصل کا ایک مقررہ حصہ خلافت کو دیا کرتے تھے۔

رسول اللہ نے یہی معاملہ اہلِ خیبر کے ساتھ کیا تھا۔ خیبر فتح کرنے کے بعد وہاں کی زمینیں انہی لوگوں کے پاس رہنے دی تھیں اور وہ پیداوار کا نصف حصہ خلافت کو دیا کرتے تھے۔ رسول اللہؐ کے بعد ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ نے بھی اس معاملہ کو اسی طرح باقی رکھا تھا مگر جب اہلِ خیبر وہاں سے زمین چھوڑ کر چلے گئے تھے تو حضرت عمرؓ نے وہ زمین دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دی تھی ؁

؁ عمدۃ القاری ج ۵۔ ؁ شرح معانی الآثار و فتاوی عالمگیری ج ۵ ص ۵۶ ؁ (صفحہ ۱۰۷، ۱۰۸)

حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں یعلی بن امیہ (یمن کے گورنر) کو مزارعت کے بارے میں درج ذیل فرمان دیا تھا۔

فامرہ ان یعطیہم الارض البیضاء علی انہ کان ان کان البقر والبذر والحدید من عمر فلہ الثلثان و لھم الثلث وان کان البقر والبذر والحدید منھم فلعمر الشطر و لھم الشطر ؎۱

یعلی کو حکم دیا کہ (یمن کے علاقہ کی) خالی زمینیں لوگوں کو کاشت کے لیے دیدو اگر وہ لوگ آلات زراعت اور تخم فراہم کرکے کاشت کرنا چاہیں تو آدھا آدھ بٹائی پر معاملہ کرلو اور اگر یہ سب عمر (خلافت) کو دینا پڑے اور ان کی صرف محنت ہے تو اس صورت میں خلافت کو پیداوار کی دو تہائی ملیگی اور ان کو ایک تہائی۔

ایک اور روایت میں حضرت عمرؓ کا یہ معاملہ منقول ہے۔

وعامل عمر الناس علی ان جاء عمر بالبذر من عندہ فلہ الشطر وان جاءوا بالبذر فلھم کذا ؎۲

حضرت عمر نے لوگوں سے اس شرط پر معاملہ کیا تھا کہ اگر تخم عمر کی جانب سے ہو تو نصف پیداوار عمر کی ہوگی اور اگر تخم ان کی جانب سے ہو تو نصف پیداوار انہیں ملیگی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے گورنروں کو مزارعت کے بارے میں یہ فرمان دیا تھا:

"تمہاری طرف جو بیکار اور خالی زمینیں پڑی ہیں ان سب کو کاشتکاروں میں تقسیم کردو اور پیداوار کے نصف حصہ پر ان سے معاملہ کرلو۔ اگر وہ لوگ اس پر راضی نہ ہوں

(حاشیہ صفحہ ۱۸۶) ؎۳ اس واقعہ کو ابن عباسؓ، ابن عمرؓ اور جابرؓ جیسے جلیل القدر صحابیوں نے روایت کیا ہے اور بخاری و مسلم و ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ جیسے ائمہ حدیث نے مختلف مواقع پر ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری اجارات ج ۱ و مزارعت بالشطر ج ۱ و مزارعت مع الیہود ج ۱ و باب اذا قال رب الارض و مشارکۃ الذمی والمشرکین فی المزارعۃ والشروط والجہاد ج ۱ والمغازی۔ اور مسلم میں ملاحظہ ہو البیوع والمساقاۃ والمزارعۃ اور ابوداؤد میں البیوع اور ترمذی و ابن ماجہ میں الاحکام

حاشیہ صفحہ ہذا:۔

؎۱ شرح معانی الآثار باب المزارعۃ ؎۲ بخاری ج ۱ ص ۳۱

Marfat.com

تو پیداوار کا جتنا حصہ دینے پر وہ راضی ہو جائیں اتنے ہی پر معاملہ کر لو حتیٰ کہ اگر دسواں حصہ خلافت کو دینے پر راضی ہوں تو اسے بھی تسلیم کر کے انہیں زمین دیدو۔ اور اگر اس پر بھی وہ تیار نہ ہوں تو ان میں مفت زمین تقسیم کر دو، اگر وہ مفت لینے پر آمادہ نہ ہوں تو سرکاری خزانہ کے اخراجات سے زمین پر کاشت کراؤ لیکن کسی صورت میں زمین بیکار نہ رہنے دو اور نہ کسی سے زمین زبردستی چھینو [۱]

مزارعت کی اس پہلی شکل میں اجتماعی اشتراک کی ابتدائی جھلک نظر آتی ہے جو خلافت کی نگرانی میں پیدا ہوئی تھی۔

(۲) مزارعت کی دوسری صورت امدادِ باہمی کی تھی یعنی صاحبِ زمین جب کسی معقول وجہ سے کاشت نہ کر سکتا تو وہ کسی سے بٹائی پر معاملہ کر لیتا تھا۔ جیسا کہ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، سعد بن مالکؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، معاذؓ، حسنؓ، عمر بن عبدالعزیزؒ، عروہ بن زبیرؓ، قاسمؒ، آلِ ابوبکرؓ، آلِ عمرؓ، آلِ علیؓ، ابن سیرینؒ، عبدالرحمٰن بن یزیدؒ وغیرہ سے زمین بٹائی پر دینا ثابت ہے [۲]۔ امام بخاری نے ابوجعفر سے یہاں تک روایت کیا ہے۔

ما بالمدینۃ اھل بیت ھجرۃ الا — مدینہ میں مہاجرین کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جو تہائی

یزدعون علی الثلث والربع [۳] — اور چوتھائی پر کاشت نہ کرتا ہو

مزارعت کی اس دوسری صورت میں دو باتیں قابلِ غور ہیں (۱) مزارعت کی اجازت کن لوگوں کو تھی اور (۲) کس حالت میں تھی۔

ان دونوں باتوں کو سمجھنے سے پہلے اسلام کی دو بنیادی حقیقتوں کو معلوم کرنا ضروری ہے

(۱) حکومتِ الٰہی میں زمین اور ہر چیز کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اور انسان بحیثیت "امین" اس کے استعمال پر مامور ہے۔

(۲) زمین ذاتی وقار اور اقتدار بڑھانے کے لیے کسی کے پاس نہیں رکھی جاتی تھی بلکہ

---

[۱] الخراج یحییٰ [۲] بخاری و کتاب الخراج یحییٰ و شرح معانی الآثار [۳] بخاری ج ۱

Marfat.com

پیداوار حاصل کر کے مفادِ خلق کے لیے مفید ثابت ہونے والے ہی اس کے مستحق سمجھے جاتے تھے۔ اب اس کے بعد یہ دیکھنا چاہیے کہ زمانۂ خلافت کے مزارعین کون ہوتے تھے اور کس حالت میں وہ زمین دوسروں کو کاشت کے لیے دیا کرتے تھے۔

اس سلسلہ میں جب ہم تاریخِ خلافت کا مطالعہ کرتے ہیں تو بالعموم دوسروں سے کاشت کرانے والے وہی ملتے ہیں جن کے ذمہ مفادِ عامہ کی کوئی خدمت سپرد ہوتی تھی اور اسی حالت میں وہ دوسروں کو کاشت کے لیے زمینیں دیا کرتے تھے جبکہ وہ اس ڈیوٹی کی وجہ سے یا اور کسی خاص وجہ سے خود کاشت کرنے سے مجبور رہتے تھے۔

علاوہ ازیں زمانۂ خلافت کی یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نہ کسی کو بیکار رہنے دیا جاتا تھا اور نہ کسی کو دوسرے کی محنت سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کا موقع ملتا تھا۔

جب اسی قسم کا نظام قائم ہو تو ظاہر ہے زمین کو زیرِ کاشت لانے کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ (۱) خلافت اپنے اخراجات سے زمین کی کاشت کا انتظام کرے۔ (۲) صاحبِ زمین کو کسی اور کی شرکت میں کاشت کا انتظام کرنے کی اجازت دے اور اس طرح کاشتکار اور صاحبِ زمین دونوں پیداوار میں شریک ہوں۔

خلافت نے کہیں مفادِ عامہ کے پیشِ نظر اس دوسری شکل کو ترجیح دی تھی اور جہاں اس کا انتظام نہ ہو سکتا تھا خود اپنے اخراجات سے کاشت کا انتظام کراتی تھی۔

مزارعت کی حیثیت شرکت جیسی ہوتی تھی اور فریقین دو شریکوں کی طرح ہوتے تھے

امداد باہمی کی یہ شکل زمانۂ خلافت میں ایسی نہ تھی کہ صاحبِ زمین یا کاشتکار دونوں میں سے کسی کی حق تلفی کا سوال پیدا ہوتا یا کاشتکاروں کے ساتھ ظلم و زیادتی کا اندیشہ کیا جاتا کیونکہ نظامِ اسلامی میں جس قسم کی مزارعت کی اجازت تھی اس کی حیثیت بالکل شرکت جیسی تھی جس طرح دو شریک اور دو معاملہ دار کسی کام کے سلسلہ میں شریک ہوتے ہیں اور دونوں کو مساوی حیثیت حاصل ہوتی ہے بعینہٖ یہی شکل صاحبِ زمین اور کاشتکار کی مزارعت میں ہوتی تھی۔ اسی لیے تمام وہ

Marfat.com

صورتیں ناجائز قرار دی گئی تھیں جن میں کسی کی حق تلفی ہوتی یا باہمی نزاع کا اندیشہ ہوتا یا دونوں میں سے کسی کو کسی حیثیت سے معاملات میں فوقیت اور برتری حاصل ہوتی۔

مزارعت کے بارے میں قاضی ابو یوسفؒ کا یہ قول ہے۔

وھو عندی جائز علی ما اشترطا علیہ علی ما جاءت بہ الآثار[1] — میرے نزدیک مزارعت انہی شرطوں کے ساتھ جائز ہے جو آثار سے ثابت ہیں

اور آثار و احادیث میں انہی شرطوں سے ممانعت آئی ہے جن میں کسی طرح کسی قسم کی کسی جانب سے زیادتی یا حق تلفی کا سوال پیدا ہو یا باہمی نزاع کا اندیشہ ہو جائے۔ جیسا کہ ممانعت کی حدیثوں کے بارے میں محدثین نے تقریباً یہی جواب دیے ہیں جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

مزارعت کی حیثیت کے بارے میں فقہ کی تصریح درج ذیل ہے:۔

کانت مزارعۃ فیھا الاجارۃ و الشرکۃ تنعقد اجارۃ و تتم شرکۃ[2] — مزارعت میں اجارہ اور شرکت دونوں پائے جاتے ہیں جس وقت معاملہ کیا جاتا ہے اس کی حیثیت اجارہ کی ہوتی ہے اور بعد میں اس کی حیثیت شرکت کی ہو جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مزارعت ایک قسم کا معاہدہ ہوتا ہے جس کی رو سے کاشتکار زمین کو بٹائی پر لیتا ہے اور صاحبِ زمین کاشتکار کی محنت کا معاوضہ غلہ کی صورت میں ادا کرتا ہے اور کاشتکار صاحبِ زمین کی زمین کا کرایہ غلہ کی صورت میں دیتا ہے۔ اگر اس معاہدہ میں نیک جذبہ ہو اور زمین و محنت کے پیشِ نظر ہر ایک کو اپنا اپنا حق پانے کی توقع ہو تو یہ باہمی تعاون و تشارک اور ہمدردی و غمخواری کی بہترین شکل ہے۔ اور اگر یہ صورت نہ پائی جائے بلکہ کاشتکار کی مجبوری و بے بسی صاحبِ زمین کی ازدیادِ دولت کا سبب بنے یا دونوں میں سے کسی جانب سے بددیانتی اور خیانت کا اندیشہ ہو تو ایسی حالت میں اسلام مزارعت کی اجازت نہیں

---

[1] الخراج لابی یوسف ص ۹۱ [2] عالمگیری

Marfat.com

دے سکتا۔ جیسا کہ اسی صورت کے لیے فقہ اسلامی میں یہ تصریح ہے۔

فلھذا ینبغی تحذیر الناس من	مزارعت کی ان شکلوں سے منع کر دینا ہی مناسب
المزارعۃ التی یترتب علیھا	ہے جو کاشتکاروں کو ان کی محنت کے پھل سے
حرمان العامل من کدہ واستغلال	محروم کر دیں اور صاحب زمین کو کاشتکار کی محنت
المالک ایاہ لحاجتہ[1]	سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کریں۔

انہی تمام اندیشوں کے پیش نظر رسول اللہؐ نے مفت زمین دینے کی ترغیب دلائی تھی کہ اس کا معاوضہ نہ کرایہ کی شکل میں وصول کیا جائے اور نہ بٹائی کی شکل میں۔

مزارعت دلوں میں نیکی اور ہمدردی پیدا کرنے کا ایک ذریعہ تھی اور بہتر بات یہ سمجھی جاتی تھی کہ کسی کو کاشت کے لیے مفت زمین دے دی جائے۔

زمانۂ خلافت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات نے سماج کا ڈھانچہ اس طرح بدل دیا تھا کہ لوگوں میں ہمدردی و خیر خواہی وغیرہ قسم کے جذبات کا غلبہ ہو گیا تھا ایک دوسرے کو فائدہ پہنچانا، نیکی و بھلائی کرنے میں سبقت کرنا، اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضرورتوں کو ترجیح دینا، نیکی و بھلائی حاصل کرنے کے لیے اپنی بڑی سے بڑی چیز کو قربان کر دینا غرض اس قسم کی صفتیں لوگوں میں پیدا ہو گئی تھیں اسی کا نتیجہ تھا کہ اس قسم کی ترغیبات کے موقع پر زیادہ سے زیادہ اور عمدہ سے عمدہ چیزوں میں ایثار و قربانی کا مظاہرہ کیا جاتا تھا۔ ایسا نہ تھا کہ جب دوسروں کو کچھ دینے کا سوال پیدا ہو یا ملک و ملت کے نام پر لوگوں کی فلاح و بہبود کی خاطر جب کوئی تحریک شروع کی جائے تو اس میں وہ زمینیں دی جائیں جو زراعت اور کاشت کے قابل ہوں اور وہ بھی محض ذاتی اغراض کے پورا کرنے کے لیے اور چند سربرآوردہ لوگوں کی خوشامد کی خاطر

زمانۂ خلافت میں قرآن کریم کی اس آیت پر لوگوں کا عمل تھا۔

(۱) لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا نیکی کا درجہ نہیں حاصل کر سکتے ہو جب تک اپنی

---

[1] عالمگیری ص ۸۷۔

Marfat.com

تُحِبُّوْنَ ٥ (۳: ۹۱) محبوب چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔

(۲) فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرَاتِ نیکیوں کی راہ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے
(۲: ۱۴۷) کی کوشش کرو۔

(۳) وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ وہ جو لوگوں کو نفع دیتا ہے وہ زمین میں ٹھہرا رہتا ہے
فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (۱۳: ۱۸) (بقاء انفع کا نظریہ)

(۴) وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ وہ لوگ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ
کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ (۵۹: ۹) انہیں فاقہ کی نوبت آجائے۔

آراضی کے بارے میں رسول اللہ کی ترغیبات درج ذیل ہیں:

من کانت لہ ارض فلیزرعھا جس شخص کے پاس زمین ہو وہ خود اس میں زراعت
او لیمنحھا اخاہ [۱] کرے یا اپنے بھائی کو مفت دیدے۔

اگر ایسی صورت ہوتی کہ صاحب زمین کے پاس اس کی ضرورت رفع کرنے کے لیے کوئی اور ذریعۂ آمدنی نہ ہوتا یا زمین بے کاشت پڑی رہنے کا اندیشہ ہوتا تو بٹائی کی صورت میں یا کرایہ کی صورت میں زمین کا کچھ معاوضہ لینے کی اجازت تھی۔

مندرجہ ذیل روایت سے یہی حقیقت واضح ہوتی ہے۔

لان یمنع اخاہ ارضہ خیر من اپنے بھائی کو مفت زمین دے سکنے اور روک رکھنے سے
ان یاخذ علیہ اجرا معلوما [۲] زیادہ بہتر یہ ہے کہ مقررہ کرایہ پر اس کو دیدے۔

یعنی روک رکھنا اور کرایہ پر دینا کرایہ خواہ بٹائی کی شکل میں ہو یا نقد کی صورت میں دونوں غیر مناسب اور غیر اولیٰ ہیں لیکن روک رکھنے سے بہتر شکل یہ ہے کہ کرایہ پر زمین دیدی جائے۔

دراصل یہ ہے حقیقی اعتدال کی صورت جو دلوں میں نیکی اور انسانی ہمدردی پیدا کرکے دوسروں کے پسینہ کی کمائی پر عیش کے ذرائع کو ختم کردیتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ انفرادی و ذاتی

---

[۱] مسلم و ابوداؤد وغیرہ [۲] نصب الرایہ ص ۱۸۱ و بخاری ج ۲ ص ۳۳

Marfat.com

حق اور نفع کا بھی پورا خیال رکھتی ہے

خلاصہ یہ ہے کہ زمانۂ خلافت میں مزارعت سے یہ ہرگز مقصد نہ ہوتا تھا کہ کوئی شخص دوسروں کی محنت سے ناجائز فائدہ اُٹھائے اور اس طرح مفت خوردن کا ایک طبقہ پیدا ہو کر جسمِ انسانیت کے لیے ناسور ثابت ہو، بلکہ اس کا مقصد باہمی تعاون و تشارک کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ پیداوار بڑھانا اور اس کے ذریعہ مسلم و غیر مسلم کے درمیان تعلقات خوشگوار بنانا ہوتا تھا۔ اسی لیے مزارعت کے مسئلہ میں مسلم، کافر، حربی، ذمی، دار الحرب اور دار الاسلام سب برابر ہوتے تھے[1]

رسول اللہ نے مزارعت کی ان شکلوں سے منع کر دیا تھا جن میں باہمی نزاع اور حق تلفی کا اندیشہ ہوتا تھا۔

احادیث کے ذخیرہ میں تحقیق و تلاش کے بعد تین راوی ایسے ملتے ہیں جن کی روایتوں میں مزارعت سے ممانعت ثابت ہوتی ہے، وہ تینوں یہ ہیں :۔

(۱) رافع بن خدیج (۲) جابر بن عبداللہ (۳) ثابت بن ضحاک۔

اور ممانعت کی جو روایتیں زید بن ثابت ابو سعید خدری اور ابوہریرہ وغیرہ سے مروی ہیں وہ دراصل انہی تینوں کی تائید و توثیق کرتی ہیں۔

بہرحال اس سلسلہ کی جتنی روایتیں ہیں اُن سب کی تحقیق و تفصیل کے لیے "زاد المعاد" اور "شرح معانی الآثار" کا مطالعہ ضروری ہے، ان کتابوں میں نہایت تفصیل کے ساتھ ممانعت کی حدیثوں پر بحث کی گئی ہے۔ یہاں اجمالی طور پر یہ سمجھ لینا چاہیے کہ زمانۂ خلافت میں زمین کو بٹائی اور کرایہ دونوں پر دینے کی مختلف صورتیں رائج تھیں ان میں سے بعض ایسی تھیں جو دوسروں کی محنت سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر مفت خوروں کا طبقہ پیدا کرنے کا سبب بنتی تھیں، اور بعض ایسی تھیں جن میں کاشتکاروں کی حق تلفی ہوتی تھی اس کے علاوہ مزارعت کے معاملہ میں بہت سی ایسی شرطیں رائج تھیں جن کا نتیجہ باہمی نزاع اور فساد کی شکل میں ظاہر

[1] الخراج ص ۹۱۔

Marfat.com

ہوتا تھا۔ اس قسم کی چند صورتیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں جن سے اصل حالات کا اندازہ ہوسکیگا

(۱) معاملہ کرتے وقت زمین کے کسی حصہ کی پیداوار متعین کر دیا کرتے تھے کہ اس حصہ میں جو کچھ پیدا ہوگا وہ صاحبِ زمین کو ملیگا، اور بقیہ حصہ کی پیداوار کاشتکار کو ملیگی، اگر اس مقررہ حصہ میں اتفاقاً پیداوار کم ہوتی یا کسی وجہ سے بالکل نہ ہوتی تو باہمی نزاع اور قتل و قتال تک نوبت پہنچ جاتی تھی اور کبھی ایسا ہوتا تھا کہ کاشتکار کے حصہ پر صاحبِ زمین زبردستی قبضہ کر لیا کرتا تھا۔

(۲) پیداوار کا کچھ حصہ مستثنیٰ کر کے بقیہ پر معاملہ کیا جاتا تھا، مثلاً جو کچھ پیدا ہو اس میں سے دو من نکال کر بقیہ پیداوار میں صاحبِ زمین اور کاشتکار دونوں شریک ہونگے اس صورت میں کاشتکار کی حق تلفی ہوتی تھی، کیونکہ دو من غلہ پہلے ہی مالک کو ملجاتا تھا، اور بعد میں حسب معاملہ دونوں میں تقسیم ہوتا تھا، فرض کیجیے کہ کھیت میں کل تین من غلہ پیدا ہوا اور نصفا نصف پر معاملہ طے ہوا تھا، تو اس صورت میں کاشتکار کو صرف نصف من غلہ ملیگا اور صاحبِ زمین کے حصہ میں ڈھائی من چلا جائیگا، دو من شرط کے مطابق اور نصف من معاملۂ مزارعت کے مطابق۔

(۳) اس شرط پر معاملہ کیا کرتے تھے کہ نہر اور نالیوں کے پاس کی پیداوار صاحبِ زمین کی ہوگی اور بقیہ پیداوار کاشتکار کی ہوگی۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جس جگہ سے پانی ہوکر گزرتا ہے وہاں کی پیداوار دوسری جگہوں کے مقابلہ میں زیادہ اچھی ہوتی ہے، اس صورت میں کاشتکار کی حق تلفی کا اندیشہ تھا، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مذکورہ مقام کی پیداوار زیادہ پانی ہو جانے کی وجہ سے گل سڑ جاتی ہے اس صورت میں صاحبِ زمین کی حق تلفی کا سوال تھا

اس موقع پر خوبی کی بات جو قابل غور ہے یہ ہے کہ ان تینوں صورتوں کے روایت کرنے والے وہ حضرات بھی ہیں جن کی روایتیں مزارعت سے ممانعت کے باب میں آتی ہیں۔ جیسا کہ بخاری میں رافع بن خدیج سے یہ منقول ہے۔

Marfat.com

کنا اکثر اهل المدینة حقلا و	ہم لوگ (اہل مدینہ) زیادہ کھیتی باڑی کرنے والے تھے
کان احدنا یکری ارضہ فیقول	اور اس شرط پر زمین کو کرایہ پر دیتے تھے کہ کھیت کے
هذه القطعة لی وهذه لك فربما	اس حصہ کی پیداوار اس کی ہوگی اور اس حصہ کی
اخرجت ذه ولم تخرج ذه فنهاهم	پیداوار اس کی ہوگی بسا اوقات ایک حصہ میں فصل
النبی صلی الله علیه وسلم[1]	ہوتی تھی اور دوسرے میں نہیں ہوتی تھی اس لیے
	رسول اللہ نے لوگوں کو اس سے منع کر دیا۔

رافع بن خدیج سے اور کئی روایتیں مروی ہیں جن کو امام بخاری نے بیان کیا ہے اور وہ سب تقریباً اسی کی تائید کرتی ہیں[2]

مسلم میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے یہ روایت منقول ہے :۔

کنا فی زمن رسول الله ناخذ	ہم رسول اللہ کے زمانہ میں تہائی و چوتھائی اور نالیوں
الارض بالثلث والربع بالماذیانات[3]	کے اوپر کی پیداوار کی شرط کے ساتھ زمینیں لیا کرتے
	تھے۔

ان کے علاوہ اور کئی صحابہ مثلاً زید بن ثابت، سعد بن وقاص، ابن عباس وغیرہ کی روایتیں مذکورہ تینوں خرابیوں کی وجہوں کی تائید کرتی ہیں محقق ابن جوزی نے بھی مزارعت کی بحث کے سلسلہ میں مذکورہ وجہوں کو بیان کیا ہے[4]

بہر حال یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ زمانۂ خلافت میں کئی ایسی خرابیاں موجود تھیں جو باہمی نزاع اور حق تلفی پر مبنی ہوتی تھیں۔

(۱) اس لیے رسول اللہ نے مزارعت کی ان صورتوں سے منع کیا تھا جن میں مذکورہ قسم کی خرابیاں پائی جاتی تھیں ورنہ مطلقاً عام طور پر امداد باہمی کی اس شکل سے لوگوں کو منع کر دینے کی

---

[1] بخاری باب مایکره من الشروط فی المزارعة [2] ملاحظہ ہو بخاری کتاب المزارعة

[3] مسلم ج۲ باب کراء الارض [4] نصب الرایہ ج ۴ ص ۱۸۱

کوئی وجہ نہ تھی

(۲) اور اگر ممانعت کی حدیثوں کو مزارعت کی تمام جائز و ناجائز شکلوں کے لیے عام کہا جائے تو اس صورت میں یہ ممانعت درجۂ عزیمت حاصل کرنے کے لیے بطور مشورہ ہو گی اس کو حقیقی اور قانونی شکل نہ حاصل ہو گی۔

یعنی رسول اللہؐ کا مقصد اس ممانعت سے یہ تھا کہ لوگوں میں مفت زمین دینے کا رواج ہو تاکہ ایک دوسرے کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرنے کے جذبہ کو تقویت پہنچے۔ جیسا کہ ابن ماجہ میں حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول منقول ہے:۔

قال تحریضاً للناس علی الاحسان [1]	رسول اللہ کا ممانعت سے مقصد محض احسان کی طرف رغبت دلانا تھا۔

ابن عباس کی دوسری روایت یہ ہے

ان رسول اللہ لم ینہ عنہا ولکنہ قال لان یمنح احدکم اخاہ ارضہ خیر لہ من ان یاخذ علیہا خراجاً معلوماً [2]	رسول اللہ نے حقیقۃً منع نہیں کیا تھا بلکہ آپ نے اس امر کی طرف رغبت دلائی تھی کہ اپنے کسی بھائی کو مفت زمین دے دینا یہ اس سے بہتر ہے کہ زمین کا کچھ مقررہ کرایہ لیا جائے۔

اسی لیے قاضی ابو یوسف اور تمام فقہاء ممانعت کی حدیثوں کو تسلیم کرتے ہوئے ان کو زیادہ قابلِ اعتبار نہیں سمجھتے ہیں اور جواز کی حدیثوں پر عمل کرنے کا فتویٰ دیتے ہیں۔

حاصل یہ کہ زمانۂ خلافت میں بالکلیہ مزارعت سے ممانعت ثابت نہیں ہوتی ہے بلکہ خاص انہی صورتوں سے منع کیا گیا تھا جن میں کسی کی حق تلفی کا اندیشہ ہوتا یا ایسی کوئی شرط لگائی جاتی کہ جس میں باہمی نزاع تک نوبت پہنچ جاتی۔

---

[1] ابن ماجہ باب المزارعت۔

[2] بخاری و مسلم باب کراء الارض

Marfat.com

امام ابوحنیفہؒ کی طرف مزارعت کی ہر شکل کو ناجائز کہنے کی نسبت غلط ہے۔	مشہور یہ ہے کہ مزارعت کو امام ابوحنیفہؒ ناجائز کہتے تھے اور ان کے دونوں شاگرد امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ

جواز کا فتویٰ دیتے تھے۔ بعض کتبِ فقہ کی تصریحات اس کی تائید کرتی ہیں۔ مثلاً ہدایہ میں ہے:

لا تجوز المزارعۃ والمساقاۃ عند ابی حنیفۃ[1] — مزارعت (کھیت کو بٹائی پر دینا) اور مساقاۃ (درختوں کو بٹائی پر دینا) دونوں امام ابوحنیفہ کے نزدیک ناجائز ہیں۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ ایک طرف امام ابوحنیفہؒ کا یہ مسلک بیان کیا جاتا ہے کہ وہ مزارعت کو ناجائز کہتے ہیں اور دوسری طرف مزارعت کے بارے میں بہت سے جزئیات ان کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔

جب کوئی مقنن کسی قانونی کلیہ ہی کو نہیں تسلیم کرتا تو اس کلیہ پر جزئیات کی تفریع کے کیا معنیٰ ! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی کے نزدیک ایک کلیہ قابلِ تسلیم نہ ہو اور اس سے چند در چند جزئی مسائل کا استنباط کر کے ان کو صحیح مانے۔

اس شبہ کا جواب مختلف لوگوں نے مختلف طریقوں سے دیا ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ امام صاحبؒ سے اجازت اور ممانعت کے بارے میں جو کچھ بیان کیا جاتا ہے اس پر غائر نظر ڈالنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ امام موصوف نے اس سلسلہ میں بالکل وہی رویہ اختیار کیا تھا جو خلافت کے زمانہ میں تھا یعنی انہوں نے لوگوں کو اس لیے منع کیا تھا کہ اس سے ناجائز فائدہ اٹھا کر کاشتکاروں کی محنت کا کھانے والا طبقہ پیدا نہ ہو اور صاحبِ زمین اپنی زمینیں دوسروں کو مفت دے کر عزیمت اور اولویت کا درجہ حاصل کریں۔ اجازت اس لیے دیدی تھی کہ جن صورتوں میں اس بات کے پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو وہ امدادِ باہمی کی ایک بہترین شکل بن جاتی تھی جس کی افادیت سے کوئی صالح سوسائٹی انکار کی جرأت نہیں کر سکتی جیسا کہ یہ عبارت اسی حقیقت کی طرف رہنمائی کرتی ہے:-

---

[1] ہدایہ باب المزارعۃ

Marfat.com

کرهها ابو حنیفة ولم یتشدد فی النهی [1]	ابو حنیفہؒ نے مزارعت کو ناپسند کیا تھا لیکن سختی کے ساتھ منع نہیں کیا تھا۔

اور قاضی ابو یوسف فرماتے ہیں: "میرے نزدیک مزارعت کی حیثیت مضاربت جیسی ہے جس طرح ایک شخص کسی کو اپنا مال تجارت کے لیے تہائی چوتھائی نفع پر دیتا ہے، ایسے ہی زمین تہائی چوتھائی پیداوار پر دینا جائز ہے [2]"

کذلک الارض عندی هی بمنزلة المضاربة [3]	ایسے ہی زمین میرے نزدیک بمنزلہ مضاربت کے ہے

پھر آگے چل کر کہتے ہیں:

وهو عندی جائز علی ما اشترطا علیه علی ما جاءت به الآثار [4]	مزارعت میرے نزدیک جائز ہے ان شرطوں کے ساتھ جو آپس میں طے ہو جائیں اس طریقہ پر جو آثار و احادیث سے ثابت ہے۔

ائمۂ قانون میں سے جو مزارعت کی مخالفت کرتا ہے وہ دراصل ان شرطوں اور اس طریقہ کی مخالفت کرتا ہے جو احادیث سے ثابت نہیں ہیں اور جن میں باہمی نزاع اور حق تلفی کا اندیشہ ہے، اور اگر یہ باتیں نہ ہوں تو امداد باہمی کی اس شکل سے کسی کو روکنے کی مجال نہیں ہے البتہ حالات و مقامات کے لحاظ سے ہر امام اس بات کو پسند کرتا ہے اور ترجیح دیتا ہے کہ بٹائی پر زمین دینے سے زیادہ بہتر کسی کو بغیر کسی معاوضہ کے زمین دے دینا ہے۔

الغرض امام ابو حنیفہ کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ مزارعت کی ہر شکل کو ناجائز کہتے تھے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے، انہوں نے اسی شکل سے روکا تھا جس میں باہمی نزاع اور حق تلفی کا اندیشہ تھا اور یا یہ کہ مفت زمین دینے پر لوگوں کو زیادہ ترغیب دلائی ہو اسی کو دیکھ کر لوگوں نے یقین کر لیا ہو کہ امام صاحب مزارعت کو ناجائز کہتے ہیں۔

---

[1] حادی القدسی از فیض الباری ج ۳ ص ۲۲۵ [2] الخراج ص ۸۹ [3] ایضاً [4] الخراج ص ۹۱

Marfat.com

بالفرض اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ واقعی امام صاحب مزارعت کو نادرست سمجھتے ہیں تو بکثرت آثار و احادیث کی موجودگی میں ان کا یہ قول قابل اعتبار نہ ہوگا اور حکومت الٰہی میں خلیفہ کو حالات و مصلحت کے پیش نظر دونوں صورتوں میں سے کسی کو بھی اختیار کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ اسلام جس قسم کا نظام قائم کرنا چاہتا ہے اس میں خلافت کی ذمہ داریاں زیادہ ہوتی ہیں، اس لیے ان ذمہ داریوں کے پورا کرنے کے لیے جب تک کسی دستوری کلیہ پر زد نہ پڑتی ہو اس کے اختیارات کا وسیع ماننا لازمی ہے ورنہ ہمیں اپنے حقوق کا اس سے مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہ ہوگا اور اس کے فرائض کی حدیں محدود ہوتی جائینگی۔

شاہ ولی اللہؒ کی تحقیق مزارعت کے جواز میں ہے

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تحقیق بھی مزارعت کے جواز میں ہے چنانچہ وہ اپنی کتاب البدور البازغہ میں فرماتے ہیں:

لوگوں میں خلقی طور پر مساوات نہیں ہے، ان کی طبیعتوں میں اختلاف ہی صلاحیتوں اور استعدادوں میں فرق ہے اس لیے صالح سوسائٹی کے قیام کے لیے افراد میں باہمی تعاون اور غمخواری کا جذبہ پیدا ہونا ضروری ہے کیونکہ ہر شخص اپنی ضرورتوں کے رفع کرنے کے لیے دوسرے کا محتاج ہوتا ہے۔ بسا اوقات ایک شے کسی کے پاس موجود ہوتی ہے لیکن اُسے کارآمد بنانے کے لیے دوسرے شخص کی ضرورت پڑتی ہے مثلاً زمین کسی کے پاس ہوتی ہے لیکن جوتنے اور بونے کا سامان اس کے پاس نہیں ہوتا یا سامان ہونے ہوئے بھی صاحبِ زمین کو کاشتکاری کرنے کی ہمت و طاقت نہیں ہوتی۔ یہی حال اموالِ منقولہ کا ہوتا ہے کہ راس المال کسی کے پاس موجود ہے لیکن تجارت کرنے کی فرصت اس کو نہیں ملتی یا تجارت کرنے میں مشقت برداشت کرنے کی ہمت نہیں ہوتی، یا وہ شخص اس سے زیادہ اہم کام میں مصروف ہونے کی وجہ سے اس کو ناپسند کرتا ہے، اس لیے باہمی تعاون اور دوسرے کو مال دے کر اس کو نفع میں شریک کرنے کی ضرورت پڑتی ہے[1]

[1] البدور البازغہ ص ۷۰

مصفّٰی شرح مؤطا میں اس مسئلہ کو فتویٰ کی شکل دیتے ہوئے کہتے ہیں:

"اما مخابرہ وآں عمل کردن در زمین است بشرط بعض خارج زمین از یکے باشد و بذر وعمل از دیگرے۔

ومزارعت وآں عمل کردن است در زرع بشرط بعض خارج زمین و بذر از یکے باشد وعمل از دیگرے جائز است یا نہ

اس کا جواب شاہ صاحب ان الفاظ میں دیتے ہیں

میل فقیر دریں مسئلہ بمذہب امام احمد از جواز ہر دو [۱]

شاہ صاحب نے مزارعت کے جواز میں جس حیثیت سے گفتگو کی ہے وہ دراصل ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کے بغیر نہ دنیا کا کوئی صالح نظام چل سکتا ہے اور نہ صالح سوسائٹی قائم ہو سکتی ہے۔

آج جن ممالک میں باہمی تعاون اور غمخواری کے جذبہ کو ختم کر کے دوسری راہوں سے اس قسم کی ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے انہیں اس حقیقت کو ماننا پڑیگا کہ انسان اپنی طاقت کے بل پر سب کچھ کر سکتا ہے لیکن جب تک دلوں میں نیکی اور تقویٰ کا جذبہ نہ پیدا ہوگا انسانیت بے جان ہو کر رہ جائیگی اور انسانی زندگی کے بہت سے گوشے تشنۂ تکمیل رہینگے۔

مزارعت کی چند جائز اور ناجائز شکلیں

بہر حال مسئلہ مزارعت کے جہاں تک افادی پہلو کا تعلق ہے اس سے کوئی حقیقت بیں انکار نہیں کر سکتا۔ البتہ اس کی شرطوں اور عملی جامہ پہنانے کی شکلوں میں مفادِ عامّہ کے پیش نظر اختلافِ رائے کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ ذیل میں چند شرطیں اور مزارعت کی چند شکلوں کو ذکر کیا جاتا ہے جن سے یہ بات واضح ہو سکیگی کہ اسلام کس قسم کی مزارعت کو جائز کہتا ہے اور کس قسم کی مزارعت ناجائز ہے۔

---

[۱] مصفّٰی شرح مؤطا

(۱) مزارعت میں تمام وہ شرطیں ناجائز ہونگی جن کا انجام نہ معلوم ہو یا آپس میں نزاع اور حق تلفی کا سبب بنیں۔ رسول اللہ نے جن بعض صورتوں سے منع کیا تھا اس کی اصل وجہ یہی تھی چنانچہ اسی بنا پر حضرت لیثؒ کہتے ہیں

وکان الذی نہی عن ذٰلک	رسول اللہ نے جن صورتوں سے منع کیا تھا وہ ایسی
مالو نظر فیہ ذوالفہم بالحلال	تھیں کہ جن کو کوئی بھی سوجھ بوجھ رکھنے والا اور حلال
والحرام لم یجیزوہ لما فیہ من	وحرام کی تمیز رکھنے والا شخص جائز نہ رکھتا کیونکہ ان
المخاطرہ ؎	میں حق تلفی وغیرہ کا خطرہ تھا۔

چند شکلیں یہ ہیں :۔

ا۔ ایک خاص مقدار پہلے سے متعین کر لی جاتی یعنی یہ شرط کی جاتی کہ فصل کی پیداوار خواہ کتنی ہو صاحبِ زمین کو پانچ یا دس من غلہ دینا پڑیگا۔

ب۔ شمالی یا جنوبی جانب وغیرہ کی پیداوار صاحبِ زمین کے لیے مخصوص کر دی جاتی تھی

ج۔ نالی اور دھوپ وغیرہ کی جانب کی پیداوار خاص کر دی جاتی تھی۔

اس قسم کی تمام صورتیں ناجائز ہونگی کیونکہ مذکورہ صورتوں میں یا تو ایک کا حصہ متعین ہے اور دوسرے کا حصہ مشتبہ ہے اور یا دونوں کا حصہ محض بخت و اتفاق پر منحصر ہے۔

د۔ اس شرط پر کسی کو زمین دینا کہ جب تک ہم چاہینگے تمہارے پاس رکھینگے اور جب نہ چاہینگے بیدخل کر دینگے۔

چونکہ اس صورت میں بھی بعض مواقع ایسے پیش آسکتے ہیں جن میں کاشتکار کی حق تلفی کا اندیشہ ہوتا ہے اور بیدخل ہو جانے کے بعد اس کے پاس گزر بسر کا اور کوئی سامان نہ رہ جانے کا امکان ہے اس لیے مزارعت کی صحت کے لیے تعیینِ مدت کو ضروری قرار دیا جاتا ہے ؎

البتہ جہاں کہیں مدت معین کرنے کا عرف و رواج نہ ہو وہاں تعیینِ مدت کے بغیر

؎ بخاری ج ۱ ص ۳۱۵ ؎ عالمگیری ج ۴

Marfat.com

معاملۂ مزارعت صحیح ہو جائیگا لیکن ایسی صورت میں یہ معاملہ پہلے ہی سال کے لیے سمجھا جائیگا۔[1]

امام ابو یوسف نے مزارعت کی مندرجۂ ذیل شکلیں بتائی ہیں :۔

(۱) کسی کو زمین مفت کاشتکاری کے لیے دے دی جائے۔ اس صورت میں کاشتکاری کے اخراجات کاشتکار کے ذمہ ہونگے اور کل پیداوار اسی کی ہوگی لیکن خراج صاحب زمین کے ذمہ ہوگا اور اگر عُشری زمین ہے تو عُشر کاشتکار کو ادا کرنا پڑیگا

(۲) زمین ایک کی ہو اور تخم اور کاشتکاری کے اخراجات اور محنت میں دونوں شریک ہوں اس صورت میں پیداوار میں دونوں شریک ہونگے اگر عُشری زمین ہے تو پیداوار سے عُشر دینا پڑیگا اور خراجی زمین ہے تو صاحب زمین کو خراج ادا کرنا پڑیگا۔

(۳) کسی کو کرایہ پر زمین دی جائے۔ اس صورت میں اگر وہ زمین خراجی ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک خراج صاحب زمین کے ذمہ ہے اور اگر عُشری ہے تو عُشر بھی اسی کو دینا پڑیگا، اور امام ابو یوسف کے نزدیک عُشری زمین کی صورت میں عُشر کاشتکار کے ذمہ ہوگا۔

(۴) تہائی اور چوتھائی پیداوار پر معاملہ کیا جائے اس صورت میں امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ خراج صاحب زمین کے ذمہ ہے اور عُشر بھی اسی کے ذمہ ہے[2]

فقہ کی کتابوں میں جواز اور عدم جواز کی بہت سی شکلیں بالتفصیل بیان کی گئی ہیں ان میں چند یہ ہیں :۔

جائز صورتیں

(۱) زمین ایک کی ہو اور آلاتِ زراعت، تخم اور محنت یہ سب چیزیں دوسرے کی ہوں۔ اور فریقین میں یہ طے ہو جائے کہ صاحب زمین کو پیداوار کا اتنا حصہ ملیگا۔

(۲) زمین اور آلات زراعت اور تخم سب صاحب زمین کے ہوں اور صرف محنت کاشتکار کی ہو اور یہ طے ہو جائے کہ کاشتکار کو پیداوار سے اتنا حصہ ملیگا۔

[1] در مختار جلد ۲ [2] الخراج لابی یوسف ص ۹۱

Marfat.com

(۳) زمین اور تخم صاحبِ زمین کے ہوں اور آلات زراعت اور محنت کاشتکار کی ہو اور پیداوار کے حصّے تناسب سے طے ہو جائیں۔[1]

(۴) زمین، آلات، تخم، محنت میں دونوں شریک ہوں اور پھر آپس میں حصّے مقرر کرلیے جائیں۔

ناجائز صورتیں

(۱) زمین میں دونوں شریک ہوں لیکن ایک کی جانب سے تخم ہو اور دوسرے کی جانب سے آلات زراعت ہوں۔

(۲) زمین ایک کی ہو تخم دوسرے کا ہو آلات زراعت تیسرے کے ہوں محنت چوتھے کی ہو یا ایسی صورت ہو کہ آلاتِ زراعت اور محنت تیسرے کی ہو۔

(۳) محنت اور زمین ایک کی ہو اور تخم و آلات زراعت دوسرے کے ہوں۔

(۴) کسی ایک کا حصّہ مقدار کی شکل میں معین کر دیا جائے، مثلاً دس من یا بیس من ایک کو ملیگا اور باقی دوسرے کو۔

(۵) بٹائی کے حصہ کے علاوہ ایک خاص مقدار غلہ میں زائد طے کیا جائے۔

(۶) زمین کی پیداوار کے علاوہ کوئی اور جنس باہر سے کسی فریق کو دینی پڑے۔

بہر حال مزارعت کا معاملہ اسی وقت درست ہوگا جبکہ حالات و مقامات کے لحاظ سے نہ کسی فریق کی حق تلفی ہوتی ہو اور نہ کسی کی محنت اور مجبوری سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کا سوال پیدا ہوتا ہو اور نہ کوئی شرط ایسی لگائی جائے جس میں باہمی نزاع کا اندیشہ ہو اور نہ کوئی بات ایسی ہو جو معاملہ کرتے وقت متعین نہ ہو اور بعد میں چل کر کسی ایک فریق کی حق تلفی کی باعث بنے۔ (تفصیلی بحث کتب فقہ میں ملیگی)

معاملۂ مزارعت میں پیداوار کاشتکار کے قبضہ میں امانت کی حیثیت سے رہتی ہے یعنی

---

[1] عالمگیری ج ۴ ص ۵۹۔

Marfat.com

اگر کاشتکار کی کسی کوتاہی کے بغیر پیداوار تباہ ہو جائے تو صاحبِ زمین کو یہ حق نہیں ہے کہ کاشتکار سے اپنے حصہ کا تاوان وصول کرے۔

مزارعت کے جواز کی شکلوں میں اخراجات کے بارے میں یہ تفصیل ہے:۔

کھیتی کٹنے سے پہلے کے ہر خرچ کا ذمہ دار کاشتکار ہو گا اور ہر وہ کام جو کٹنے کے بعد غلہ تقسیم ہونے سے پہلے کا ہو اس میں صاحبِ زمین اور کاشتکار دونوں اپنے اپنے حصہ کا ذمہ دار ہو گا اگر باہمی رضامندی سے یہ بات طے ہو جائے کہ غلہ کی تقسیم سے پہلے اور اس کے کٹنے کے بعد کا کام کاشتکار کے ذمہ ہو گا تو اس کا حکم عُرف ورواج پر مبنی ہو گا، اگر اس قسم کی شرطوں کا رواج ہے (اور حق تلفی بھی کسی کی نہیں ہوتی ہے) تو جواز کی گنجائش نکل سکتی ہے ورنہ نہیں[1]۔

مزارعت کے معاملہ میں مسلم، کافر، حربی، ذمی، دارالحرب اور دارالاسلام سب برابر ہیں اگر کوئی ملک معاملہ کے وقت دارالحرب ہے اور بعد میں وہ دارالاسلام بن جائے تو سارے معاملات حسب سابق باقی رکھے جائینگے۔ البتہ ان معاملات کو ختم کر دیا جائیگا جو باہمی نزاع لڑائی فساد پر مبنی ہوں[2]۔

کیونکہ اس میں جہاں دوسرے فوائد میں ایک یہ بھی ہے کہ باہمی تعاون اور تشارک کے ذریعہ دلوں میں نیکی اور ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو اور یہ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک اس کے خلاف چیزوں کو ختم نہ کیا جائیگا

اجارہ

زمانۂ خلافت میں دوسرے سے کاشت کرانے کی ایک شکل یہ بھی کہ بجائے بٹائی پر معاملہ کرنے کے نقدی کرایہ پر معاملہ کیا جاتا تھا یعنی کاشتکار زمین کو کرایہ پر لیتا تھا۔ اس صورت میں کل پیداوار کاشتکار کی ہوتی تھی اور صاحبِ زمین کو سوائے کرایہ کے اور کچھ نہ ملتا تھا۔

---

[1] عالمگیری ج ۴ ودر المختار ج [2] عالمگیری ص ۵۰

Marfat.com

فقہ کی تصریح درج ذیل ہے:

مما تجوز الاجارات علیہ من دراھم	جن چیزوں کے عوض اجارہ کا معاملہ کرنا جائز
او دنانیر او موزون او معدود	ہو ان سب چیزوں کے عوض زمین کو زراعت
جاز استیجار الارض للزرع ۱؎	کے لیے کرایہ پر لینا جائز ہے وہ درہم و دینار
	وزنی اور عددی چیزیں ہیں۔

زمانۂ خلافت میں اجارہ کی حیثیت شرکت جیسی تھی

مزارعت کی طرح اجارہ کی حیثیت بھی باہمی شرکت جیسی تھی اور یہ بھی در اصل ایک طرح کا معاہدہ ہوتا تھا جس کی رو سے کاشتکار زمین کو استعمال کرتا تھا اور کرایہ کی شکل میں وہ اس کا معاوضہ ادا کرتا تھا یا یہ کہا جائے کہ صاحبِ زمین کچھ رقم لے کر کاشتکار کو کاشت کی اجازت دیتا تھا۔

اجارہ میں تمام وہی صورتیں اور وہی باتیں ملحوظ تھیں جو مزارعت کے باب میں گزر چکی ہیں یعنی یہ معاملہ اسی وقت درست ہوتا تھا جبکہ حالات و مقامات کے لحاظ سے کسی کی حق تلفی نہ ہوتی ہو، کوئی شرط ایسی نہ ہو جو باہمی نزاع اور فساد کا باعث بنتی ہو، کوئی بات ایسی نہ ہو جو معاملہ کے وقت متعین نہ ہو اور بعد میں کسی فریق کی حق تلفی کا سبب بنے۔

کسی کو کاشت کے لیے مفت زمین دے دینا یہ اس سے بہتر سمجھا جاتا تھا کہ اس کے عوض کرایہ لیا جائے۔ البتہ صاحبِ زمین کے پاس جب اور کوئی ذریعۂ آمدنی نہ ہو یا زمین بے کاشت پڑی رہنے کا اندیشہ ہوتا تو زمین دے کر اس کے عوض کرایہ لینے کی اجازت تھی۔ رسول اللہ کے اس فرمان کا یہی مطلب ہے:

لان یمنح اخاہ ارضہ خیر من	اپنے بھائی کو مفت زمین نہ دینا اور روک رکھنا
ان یاخذ علیہا اجرا معلوما ۲؎	اس سے اچھا تو یہی ہے کہ کرایہ لے کر اسے دیدے۔

اس سلسلہ میں حضرت حنظلہ رافع بن خدیج سے یہ روایت بیان کرتے ہیں:

۱؎ مختصر الطحاوی ص ۱۳۲ ۲؎ نصب الرایہ ص ۱۸۱۔

Marfat.com

قال حنظلۃ فسألت رافع بن خدیج بالذھب والورق فقال اما الذھب والورق فلا بأس به [1]

حنظلہ کہتے ہیں کہ میں نے رافع بن خدیج سے پوچھا کہ کیا سونے چاندی کے عوض زمین کو کرایہ پر دینا جائز ہے انہوں نے جواب دیا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے

اور عبداللہ بن معقل ثابت بن ضحاک سے یہ روایت کرتے ہیں :

ان رسول اللہ نھی عن المزارعۃ وامر بالمواجرۃ وقال لا بأس بھا [2]

رسول اللہ نے مزارعت سے منع کیا ہے اور کرایہ پر معاملہ کرنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ کرایہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اس موقع پر یہ واضح رہے کہ یہ وہی رافع بن خدیج اور ثابت بن ضحاک ہیں جن کی روایتیں مزارعت سے ممانعت کے بارے میں بکثرت آئی ہیں لیکن اجارہ میں کہتے ہیں فلا بأس بہ (اس میں کوئی حرج نہیں)

صحابہ و تابعین اور عام اہل علم کا فتویٰ جواز پر ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (صحابی) کرایہ پر زمین لے کر خود کاشت کیا کرتے تھے [3] سالم بن عبداللہ بن عمر (تابعی) کا یہ فتویٰ ہے۔

لا بأس بھا بالذھب والورق [4] درہم و دینار کے عوض کاشت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے،

ایک موقع پر کہتے ہیں "اگر میرے پاس مزروعہ زمین ہوتی تو میں بھی کرایہ پر کاشت کے لیے زمین دیا کرتا" [5]

ابن سیرین (تابعی) فرماتے ہیں :

الارض عندی مثل مال المضاربۃ فما صلح فی مال المضاربۃ صلح فی الارض وما لم یصلح فی مال المضاربۃ

زمین میرے نزدیک مال منقولہ جیسی ہے جس طرح دوسرے کو مال دے کر تجارت کرانا جائز ہے ایسے ہی دوسرے کو زمین دے کر زراعت کرانا جائز ہے جو چیزیں مال تجارت

---

[1] شرح معانی الآثار [2] مسلم بحوالہ مشکوٰۃ [3] مؤطا امام مالک باب المزارعۃ [4] [5] ایضاً

Marfat.com

لم یصلح فی الارض[1] میں درست نہیں زمین میں بھی درست نہیں جو اس میں درست نہیں
زمین میں بھی درست نہیں ہیں۔

بعینہٖ یہی قول قاضی ابو یوسف کا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

وکذلک الارض عندی ھی بمنزلۃ مال المضاربۃ[2] ایسے ہی زمین میرے نزدیک مال مضاربت جیسی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔

ذھب عامۃ اھل العلم الی جواز کراء الارض بالدراھم والدنانیر وغیرھا من صنوف الاموال[3] عام اہلِ علم کا مسلک یہ ہے کہ دراہم و دنانیر اور اس کے علاوہ جو مال کی قسمیں ہیں ان سب کے عوض زمین کو کرایہ پر لینا اور دینا جائز ہے۔

اجارہ کا معاملہ اسی وقت جائز ہے جب کسی کی حق تلفی اور نزاع کا اندیشہ نہ ہو

ان تمام تصریحات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ زمانۂ خلافت میں کرایہ لے کر دوسرے سے کاشت کرانے کی اجازت تھی لیکن یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ یہ اجازت اسی حد اور اسی وقت تک قابل لحاظ تھی جب تک کسی حیثیت سے کسی فریق کی حق تلفی نہ ہوتی یا باہمی نزاع اور فساد کا اندیشہ نہ ہوتا ورنہ خلافت کا عام اعلان تھا کہ جہاں کہیں بھی اس قسم کی کوئی چیز پائی جائے اس کو سختی کے ساتھ ختم کیا جائے

چنانچہ مزارعت کی طرح اجارہ کے باب میں بہت سی روایتیں آتی ہیں جن میں رسول اللہ نے اس قسم کے معاملات کو سختی کے ساتھ روک دیا تھا۔ اس زمانہ کے رواج و دستور اور حالات کے پیش نظر اس ـــــ کی صرف دو وجہ ہو سکتی ہیں (۱) ایسے معاملات لوگوں میں رائج تھے جو باہمی نزاع اور حق تلفی پر مبنی ہوتے تھے (۲) آپ نے مفت زمین دینے پر رغبت دلانے کی خاطر کرایہ پر دینے سے روک دیا تھا، جیسا کہ اس کی تفصیل مزارعت کے باب میں گزر چکی ہے۔ اگر یہ دونوں

---

[1] نسائی باب المزارعت [2] الخراج لابی یوسف ص ۹۰ [3] مسوی شرح مؤطا

Marfat.com

باتیں نہ ہوتیں تو امدادِ باہمی کی اس شکل سے روکنے کی کوئی وجہ نہ تھی

مساقاۃ

کھیت کا بٹائی پر معاملہ کرنا "مزارعت" ہے اور باغات کا پھلوں کی بٹائی پر معاملہ کرنا "مساقاۃ" ہے۔

مدینہ اور خیبر میں رسول اللہ نے باغات کے پھلوں کی بٹائی پر معاملہ کیا تھا۔

زمانۂ خلافت میں مساقاۃ کا رواج پایا جاتا ہے، جیسا کہ مدینہ میں مہاجرین کی بے سروسامانی دیکھ کر انصار نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گزارش کی تھی کہ ہمارے جو کھجور کے درخت اور باغات ہیں وہ ہم دونوں میں تقسیم کر دیے جائیں۔ رسول اللہ نے اس تقسیم سے انکار فرمادیا، پھر بعد میں انہوں نے کہا کہ اچھا ان کی طرف سے محنت ہو اور پھل میں ہم دونوں شریک ہوں رسول اللہ نے اس بات کو منظور فرمالیا۔ چنانچہ بخاری میں یہ واقعہ اس طرح منقول ہے:

عن ابی هریرة قال قالت الانصار للنبی صلی اللہ علیہ وسلم اقسم بیننا وبین اخواننا النخیل قال لا فقالوا تکفونا المؤنة ونشرککم فی الثمرة قالوا سمعنا واطعنا [1]	ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ انصار نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے کھجور کے باغات مہاجرین اور ہمارے درمیان تقسیم کر دیجیے آپ نے انکار کیا پھر انہوں نے کہا کہ وہ محنت کریں اور پھل میں ہم دونوں شریک ہوں۔ اس شکل کو آپ نے منظور کرلیا۔

اور جیسا کہ رسول اللہ نے خیبر فتح کرنے کے بعد وہاں کی زمین اور باغات دونوں کو اہل خیبر کے پاس رہنے دیا تھا اور آدھا آدھ پر معاملہ کرلیا تھا۔

خیبر کے اس واقعہ کو محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے جن میں بخاری

[1] بخاری ج ۲ ص ۳۱۔

Marfat.com

مسلم اور امام مالک جیسے جلیل القدر ائمۂ حدیث ہیں۔ علاوہ ازیں روایت کا ایک ہی طریقہ اور اسناد نہیں ہے بلکہ مختلف طرق اور متعدد اسانید کے ساتھ کئی صحابیوں سے یہ واقعہ منقول ہے اس لیے اس میں کسی احتمال کی گنجائش نہیں ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

لما فتحت خیبر سأل الیھود رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان یقرھم فیھا علی ان یعملوا علی نصف ما یخرج منھا من الثمر والزرع فقال رسول اللّٰہ نقرکم علی ذلك ما شئنا[1]	جب خیبر فتح ہوگیا تو یہودیوں نے رسول اللہؐ سے اس بات کی درخواست کی کہ ان کو انہی زمین اور باغات پر باقی رکھا جائے اور پیداوار و پھلوں کی نصفا نصف بٹائی پر معاملہ کرلیا جائے، رسول اللہ نے ان کی یہ درخواست منظور فرمالی اور فرمایا کہ جب تک ہم چاہینگے اس حالت پر تمہیں رہنے دینگے۔

اسی معاملہ کے مطابق جب فصل کٹنے کا وقت آتا یا پھل توڑنے کا موسم آتا تو خلافت کی جانب سے کچھ آدمی بھیج دیے جاتے اور وہ حسبِ معاہدہ پھل اور غلہ تقسیم کرکے لے کر چلے آتے تھے۔

یہ معاملہ رسول اللہؐ اور صدیق اکبرؓ کے زمانۂ خلافت تک باقی رکھا گیا حضرت عمرؓ کے ابتدائی زمانۂ خلافت میں بھی اسی پر عمل درآمد رہا لیکن جب اہلِ خیبر معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے لگے جس کی بنا پر نقضِ امن کا اندیشہ ہوگیا تو مجبوراً اس معاملہ کو فسخ کرکے انہیں دوسری جگہ منتقل کرنا پڑا

عام اہل علم اس کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں

عام ائمۂ قانون کا فتویٰ مساقاۃ کے جواز پر ہے

والفتوی علی انہ یجوز وان لم یبین المدۃ[2]	فتویٰ اس پر ہے کہ یہ معاملہ جائز ہے اگرچہ مدت نہ بیان کی جائے

شاہ ولی اللہ کہتے ہیں:

---

[1] بخاری و مسلم وغیرہ [2] عالمگیری ص ۸۸

Marfat.com

وعلی جوازہ اھل العلم ۱ | "اہلِ علم اس کے جواز کے قائل ہیں"

مزارعت کی طرح مساقاۃ میں بھی امام ابو حنیفہ کا یہ مسلک نقل کیا جاتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ معاملہ جائز نہیں ہے۔ چنانچہ فقہ کی کتابوں میں ہے:-

کان ابو حنیفۃ لایجیز المساقاۃ علی حال من الاحوال ۲ | امام ابو حنیفہؒ کسی حالت میں مساقات کو جائز نہیں کہتے ہیں

ممکن ہے ان کے زمانہ میں مساقاۃ کی جو شکلیں پائی جاتی رہی ہوں ان میں حق تلفی اور باہمی نزاع کا اندیشہ غالب رہتا ہو جس کی بنا پر انہوں نے مجبوراً اس سے منع کر دیا ہو اور یہ بات ہو کہ لوگوں کو اس سے عمدہ معاملہ کی طرف رغبت دلانے کے لیے ایسا کیا ہو یعنی اس سے ان کا یہ مقصد رہا ہو کہ لوگوں کو پھل کھانے کے لیے بلا کسی معاوضہ کے باغات دیے جائیں بہر حال ممانعت کی جو بھی وجہ ہو اُس سے بحث نہیں البتہ خلافت مفادِ عامہ کے پیش نظر امدادِ باہمی کی اس قسم کی شکلوں کو رائج کر سکتی اور باقی رکھ سکتی ہے۔

ممانعت کی وہی صورتیں ہیں جن میں نزاع و حق تلفی کا اندیشہ ہو۔

جن بعض حدیثوں سے ممانعت ثابت ہوتی ہے اس کی وجہ وہی ہے جو مزارعت کے باب میں گزر چکی ہے۔ مثلاً یہ روایت ہے:-

عن رسول اللہ انہ مر علی حائط فسأل لمن ھو فقال رافع بن خدیج لی استاجرتہ فقال لا تستاجرہ بشئ منہ ۳ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ کے پاس سے گزرے اور آپ نے پوچھا کہ یہ کس کا باغ ہے رافع بن خدیج نے کہا کہ میرا ہے، میں نے اس کو کرایہ پر لیا ہے، آپ نے فرمایا کہ اس کو کسی شے کے بدلے کرایہ پر مت لو

یعنی ممانعت کی حدیثیں انہی صورتوں پر محمول ہونگی جن میں باہمی نزاع اور حق تلفی کا اندیشہ ہو

۱ مسوی شرح مؤطا، ۲ مختصر الطحاوی ص ۱۲۷، ۳ الخراج لابی یوسف ص ۸۹

Marfat.com

اور یا یہ کہ رسول اللہ کا ممانعت سے مقصد پھل کھانے کے لیے مفت باغ دینے پر رغبت دلانا ہو نہ کہ بالکلیہ منع کر دینا۔

زمین اور باغات کے معاملہ میں فقہاء اسلام نے یہ فرق بیان کیے ہیں:

(۱) معاملہ طے ہو جانے کے بعد فریقین میں سے کوئی انکار کر دے تو قانوناً زبردستی کی جائیگی لیکن مزارعت میں جس کی جانب سے تخم ہو اس کے انکار کرنے کی صورت میں اس پر جبر نہ کیا جائیگا۔

(۲) پھل پختہ ہونے کے قبل اگر مدتِ معاملہ ختم ہو جائے تو اس کا اعتبار نہ ہوگا لیکن مزارعت میں اگر یہ صورت پیدا ہو تو پیداوار کے حصہ کی مقدار صاحبِ زمین کو زمین کی اجرت دینی پڑیگی۔

(۳) معاملہ کے بعد اگر باغ کا دوسرا شخص حقدار نکلا تو جس سے معاملہ کیا ہے اس کو اتنے دن کی جتنے دن کام کیا ہے اُجرت دینی پڑیگی، اور مزارعت میں اگر زمین کا کوئی حقدار نکلا تو صاحبِ زمین کو پیداوار کی قیمت ادا کرنی ہوگی[۱]

بقیہ مساقات کے اکثر و بیشتر اصول مزارعت جیسے ہیں۔

آبپاشی

پیداوار کا بہت زیادہ انحصار پانی پر ہے، اس کی کمی اور زیادتی اکثر فصلوں کو تباہ کر دیتی ہے۔

تمدن کے ابتدائی دور میں زمین کی ساری پیداوار بارش اور چشموں کے پانی اور ندی نالوں کے قدرتی بہاؤ پر منحصر تھی۔ جب انسان رفتہ رفتہ تسخیرِ کائنات کی طرف قدم بڑھانے لگا تو اس نے بہتے ہوئے پانی پر بند لگایا جھیل اور تالابوں کے پانی کے لیے بہنے

---

[۱] در المختار۔ ج ۲۔

Marfat.com

کاراستہ بنایا، زمین کی تہ سے پانی کو اوپر لانے میں کامیاب ہوا اور اس طرح اس نے زمین کی پیداوار۔ بڑھانے کی کوشش کی۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے اس قدرتی عطیہ کو جو جھیل اور تالابوں میں جمع رہتا ہے یا بہہ کر سمندر کو واپس چلا جاتا ہے اگر انسان پوری طرح کام میں لے آئے تو دنیا سے قلتِ غذا کا سوال ہی ختم ہو جائے اس لحاظ سے دیکھا جائے تو آبپاشی کا مسئلہ دیگر تمام مسائل سے اہم ہے اور جب تک اس کا معقول انتظام نہ ہو دنیا کا "زرعی نظام" ناقص رہتا ہے۔

زمانۂ خلافت میں پانی مباحِ عام تھا نہ کسی کو روکنا جائز تھا اور نہ کسی سے ٹیکس لیا جاتا تھا

اسلام سے پہلے دیگر مفید عام ذرائع پیداوار کی طرح بعض لوگ اپنے اقتدار اور طاقت کے بل پر پانی جیسی عام رحمتِ الٰہی پر قابض ہو جاتے تھے اور عوام کو اس سے سیراب ہونے اور فائدہ اُٹھانے سے محروم کر دیتے تھے۔

قرآن کریم نے اس سلسلہ میں چند بنیادی ہدایتیں دی ہیں جن سے اس قسم کی تمام خرابیوں کا سدِّ باب ہو جاتا ہے، اور قدرت کا یہ خالص عطیہ بلا تخصیص و ترجیح اللہ کی تمام مخلوق کے لیے مباح ہو جاتا ہے۔ سب سے پہلی چیز یہ کہ قرآن کریم نے سلسلۂ کائنات سے پانی کا تعلق اس طرح بیان کیا ہے

(۱) وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۲۱ ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز بنائی

اور پانی کی پیدائش کا تمام تر تعلق قدرت نے اپنی ذات سے وابستہ کر کے یہ حقیقت ظاہر فرمائی ہے کہ جب اس کی پیدائش اور مفیدِ عام بنانے میں تمہاری محنت اور قابلیت کو کوئی دخل نہیں ہے تو اس کے استعمال سے کسی کو روکنے یا محروم کرنے کا حق تمہیں کیسے حاصل ہو گیا۔

(۲) أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ءَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنزِلُونَ ۵۶ اچھا تم یہ بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو اس کو ابر سے تم نے برسایا ہے یا ہم نے۔

البتہ کثرتِ ازدحام یا اور مصالحِ عامّہ کے پیشِ نظر باری مقرر کرنے اور اس کے نفع کو اور زیادہ عام

Marfat.com

اور سہل بنانے کے لیے کوئی دوسرا مناسب انتظام کرنے کی اجازت ہے جیساکہ قدیم زمانہ میں اسی حقیقت کے پیش نظر صالح علیہ السلام کی اونٹنی اور عام پبلک کے درمیان باری مقرر کردی گئی تھی، قرآن کریم میں اس کا یوں تذکرہ ہے

(۳) قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (۱۵۵/۱۹) صالح نے کہا ایک دن اونٹنی کے لیے باری مقرر ہے اور ایک تمہارے لیے۔

باری مقرر کرنے میں کسی قسم کی تفریق کرنا یا پانی کی تقسیم میں کسی قسم کا ترجیحی سلوک کرنا یا اور کسی طریقے سے اللہ کی مخلوق کو پانی سے روکنا یہ سب قانونِ فطرت کے خلاف اور حقوقِ عامہ کو پامال کر دینے کے مرادف ہے۔

(۴) وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ (۲۸/۲۷) انہیں مطلع کردو کہ ناقہ صالح اور ان کے درمیان باری سے پانی بٹا ہوا ہے ہر ایک کو اپنی اپنی باری پر پہنچنا چاہیے۔

اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات یہ ہیں، آپ نے فرمایا:

الناس شرکاء فی الماء والکلاء و النار[1] پانی، آگ، گھاس میں تمام انسان برابر کے شریک ہیں۔

ایک اور روایت میں ارشاد ہے "پانی، گھاس، آگ سے کسی کو نہ روکو کیونکہ یہ چیزیں مسافروں اور کمزور لوگوں کے لیے قوت کا باعث ہیں[2]"

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا:

لا یمنع فضل الماء[3] زائد پانی سے کسی کو نہ روکا جائے

آپ نے فرمایا "جو شخص پیاسے مسافر کو پانی نہیں پلاتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظرِ رحمت سے نہیں دیکھیگا اور اس کے لیے دردناک عذاب ہوگا"

ثلاثة لا ینظر اللہ الیھم یوم القیمة تین شخص ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے

[1] الاموال ص ۲۹۵ و نصب الرایہ ج ۴ [2] الخراج ص ۹۷ [3] بخاری ج ۲ ص ۳۴

Marfat.com

ولایزکیھم ولھم عذاب الیم — اور نہ دیکھیگا اور نہ ان کی صفائی کریگا اور ان کے لیے دردناک

رجل کان عندہٗ فضل ماء بالطریق — عذاب ہوگا، ایک وہ شخص کہ جس کے پاس راستہ میں بچا ہوا

فمنعہ من ابن السبیل[1] — زائد پانی ہو اور ضرورتمند مسافر کو اس نے نہیں دیا۔

ایک شخص کا واقعہ رسول اللہ نے بیان فرمایا کہ اس نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا اللہ تعالیٰ کو اس کا یہ کام اتنا زیادہ پسند آیا کہ اس کی مغفرت فرمادی[2]

صحابہ نے آپ سے پوچھا۔

ان لنا فی البھائم اجر — کیا ہمیں چوپایوں میں بھی اجر و ثواب ملتا ہے۔

آپ نے جواب میں فرمایا:

فی کل کبد رطبۃ اجر[3] — ہر تر جگر والے (جاندار) میں اجر ہے۔

ایک عورت کا واقعہ آپ نے بیان کیا کہ اس نے بلی کو پالا، اور اس کی دیکھ بھال نہیں کرتی تھی اس لیے وہ بھوک اور پیاس کے سبب سے مرگئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس جرم کی پاداش میں اس کو دوزخ میں داخل کر دیا[4]

ایک اور حدیث میں فرمایا:

لاتمنعوا فضل الماء لتمنعوا بہ — تم لوگوں کو زائد پانی سے نہ روکو کہ اس کا بہانہ

فضل الکلاء[5] — بنا کر زائد گھاس سے روکنے لگو

کسی کی چراگاہ میں پانی ہوتا تو اس کا اصل مقصد پانی سے روکنا نہ ہوتا تھا بلکہ گھاس سے لوگوں کو روکنا چاہتا تھا اس لیے وہ پانی سے بھی روک دیتا تاکہ چراگاہ سے گزر کر کوئی شخص پانی نہ لیجا سکے۔ رسول اللہ نے گھاس اور پانی دونوں کے متعلق ایک ہی حکم بیان کیا تھا، یعنی دونوں میں سے کسی سے کسی ضرورتمند شخص کو روکنا جائز نہیں ہے کیونکہ دونوں قدرتی عطیہ ہیں۔ اور دونوں کے مفید بنانے میں کسی کی محنت اور قابلیت کو دخل نہیں ہوتا۔

[1] بخاری ج ۲ ص ۳۴ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] بخاری ج ۳۶ [5] ایضاً

Marfat.com

ایک مرتبہ کسی شخص کے کوئیں پر ایک قافلہ گزرا اور اس نے کوئیں کے مالک سے ڈول رسی مانگی، لیکن اس نے دینے سے انکار کر دیا۔ اصرار اور شدتِ تشنگی کے اظہار کے بعد بھی اس نے نہیں دیا جب اس واقعہ کی خبر حضرت عمرؓ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا

هلا وضعتم فيهم السلاح [1] تم نے ہتھیار سے ان کی سرکوبی کیوں نہیں کی۔

ایسے ہی ایک اور موقع پر کسی شخص نے ایک پیاسے شخص کو پانی نہیں پلایا تھا اتفاقاً وہ پیاس کی شدت کی وجہ سے مر گیا، جب اس واقعہ کی خبر حضرت عمرؓ کو پہنچی تو انہوں نے اس پانی نہ دینے والے شخص کو قتل کا مجرم ٹھہرایا اور دیت (خون کی قیمت) اس سے وصول کی۔

فالزمهم عمر بن الخطاب عنه ديته [2]

ایک اور شخص اپنی زمین سے آبپاشی کے لیے پانی نہیں لے جانے دے رہا تھا۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا:

لو لم اجد للماء مسيلا الا على بطنك لاجريته [3] پانی لیجانے کے لیے سوائے تیرے پیٹ کے اور کوئی راستہ نہ ملیگا تو تیرے پیٹ کے اوپر سے پانی لیجاؤنگا

انہی تمام تصریحات کے پیش نظر فقہ اسلامی کا یہ مسئلہ ہے کہ اگر بھوک، پیاس یا عریانی کی وجہ سے کسی شخص کی جان جانے کا خطرہ ہو تو جس طرح بھی ممکن ہو اس مقدار کا حاصل کرنا فرض ہے جس سے اس کی جان بچ جائے۔

ایسی صورت میں اگر قتل وقتال کی نوبت آ گئی اور مضطر مارا گیا تو وہ اسلامی اصطلاح کے مطابق شہید سمجھا جائیگا اور مارنے والے پر اس کا قصاص لازم ہوگا اور اگر مقابل کا شخص مارا گیا تو اس پر خدا کی لعنت اور پھٹکار ہوگی۔ کیونکہ پہلا شخص اپنا فطری حق وصول کرنے کے سلسلہ میں مارا گیا اور دوسرا شخص حق کو صاحبِ حق تک نہ پہنچانے کا مجرم ہے اور

[1] الخراج ص ۹۷ [2] الخراج یحییٰ ص ۱۱۱ [3] ایضاً

Marfat.com

اسی جرم میں اس کی جان گئی ہے[1]

الغرض زمانۂ خلافت میں پانی سب کے لیے مباحِ عام تھا۔ نہ کسی کو آبپاشی سے روکنا جائز تھا اور نہ اس کے عوض کسی قسم کا ٹیکس وصول کرنا درست تھا اور نہ پانی کے خرید و فروخت کی اجازت تھی۔ جس طرح سورج، چاند اور ہوا سے فائدہ اٹھانے میں تمام انسان برابر کے شریک ہوتے ہیں نہ کسی کو روکا جا سکتا ہے اور نہ بلا وجہ کسی پر کسی قسم کی پابندی لگائی جا سکتی ہے بعینہٖ یہی صورت زمانۂ خلافت میں پانی سے فائدہ اٹھانے کی تھی۔ چنانچہ فقہ اسلامی کی تصریح اس بارے میں یہ ہے:

والانتفاع بماء البحر کالانتفاع بالشمس والقمر والهواء[2]	دریاؤں کے پانی سے فائدہ اُٹھانے میں ایسے ہی سب شریک ہیں جس طرح سورج، چاند اور ہوا سے فائدہ اُٹھانے میں۔

آبپاشی کے سلسلہ میں خلافت کی جانب سے انتظامات

اب ہم ذیل میں زمانۂ خلافت کی آبپاشی کی صورتیں اور اس کے احکام کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں تاکہ پانی کے مباحِ عام ہونے سے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر واضح ہو سکے، نیز یہ معلوم ہو سکے کہ اس زمانہ میں پیداوار کے اضافہ میں بہت حد تک آبپاشی کی سہولتوں کو دخل تھا۔

زمانۂ خلافت میں جن جن پانیوں سے آبپاشی کی جاتی تھی اور خلافت کی جانب سے جو مزید انتظامات کیے گئے تھے ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) دریا اور چشمے وغیرہ کا پانی یعنی ہر وہ پانی جو قدرتی طور پر نکلا ہو اور بارش کا تمام وہ پانی جو وادیوں اور تالابوں میں جمع رہتا تھا۔ اس قسم کے تمام پانیوں سے آبپاشی کرنے میں تمام انسان برابر کے شریک ہوتے تھے کسی سے نہ کوئی ٹیکس لیا جاتا تھا اور نہ کسی کو کسی پر کسی قسم کا حقِ ترجیح حاصل ہوتا تھا۔ ہر شخص کو ہر ایسے تصرف کی اجازت تھی جس سے اپنی زمین تک پانی لیجانے میں

---

[1] ملاحظہ ہو المحلی ج ۶ ص ۱۵۹ و تفسیر ابوبکر جصاص ج ۳ ص ۱۵۳ از مقالہ اسلامی اشتراکیت [2] فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۱۷۱

Marfat.com

سہولت ہو مثلاً نہر نالیاں کھودنا، گھاٹ بنانا وغیرہ۔

البتہ اگر کاشتکار کے کسی تصرف سے ان چیزوں کو یا دوسرے کاشتکار کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا تو مفادِ عامّہ کو دیکھتے ہوئے ایسے تصرف سے اس کو روک دیا جاتا تھا لیکن اصل انتفاع سے نہ روکا جاتا تھا۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

ایک قسم پانی کی وہ ہے جس پر کبھی کسی کی ملکیت نہیں ہوتی اور اس میں تمام لوگ پانی پینے، جانوروں کے پلانے اور اپنی زمین تک پانی لیجانے کے لیے نہر، نالیاں نکالنے میں برابر کے شریک ہوتے ہیں، نیل، فرات وغیرہ جیسے بڑے بڑے دریا اسی قسم میں داخل ہیں	قسم لایملك اصلا وكل الناس فيه سواء في الشرب وسقي الدواب و كري الانهار منه الى ارضه وذلك كالانهار العظام مثل النيل والفرات ونحوها[1]

ان دریاؤں سے اگر اپنی زمین تک پانی لیجانے میں کسی اور کی زمین حائل ہوتی اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہ ہوتا تو اس شخص کا پانی لیجانے سے روکنے کا کوئی حق نہ تھا ایسی صورت میں دوسرے شخص کے نقصان کو خیال رکھتے ہوئے پہلے شخص کو بالکلیہ اجازت ہوتی تھی کہ وہ اپنی زمین تک پانی لیجائے۔ اگر اہلِ محلہ جانوروں کے پلانے کے لیے الگ گھاٹ بنا لیتے تو اس میں بھی تمام لوگ شریک ہوتے تھے

حاصل یہ ہے کہ مباحِ عام اشیاء سے فائدہ اُٹھانے میں کسی شخص کا نقصان ہوتا تو اسی حد تک ذاتی مفاد کا خیال رکھا جاتا تھا جب تک مفادِ عامّہ کو اس کی وجہ سے قربان نہ کرنا پڑتا ورنہ شخصی اور اجتماعی مفاد کے تصادم کی صورت میں دوسرے کو ترجیح ہوتی تھی اور ہر شخص کے ذاتی مفاد کا بھی ایک حد تک خیال رکھا جاتا تھا[2]

(۲) زمانۂ خلافت میں دوسری قسم ان پانیوں کی تھی جو محنت و مشقت کے بعد کھود کر

---

[1] عینی ج۶ ص ۳۰ [2] الاحکام السلطانیہ ص ۱۷۴، و فتاوی عالمگیری ج۴ ص ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۶ والخراج لابی یوسف ص ۹۸ و در المختار ج ۲

Marfat.com

نکالے جاتے تھے۔ اس کی کئی صورتیں تھیں کبھی تو حکومت کی جانب سے اس کا انتظام کیا جاتا تھا اور کبھی پبلک کی طرف سے۔ اور کبھی ایسا ہوتا تھا کہ اہلِ محلہ اپنی ضرورت کے لیے یا شخص واحد تنہا اپنی ضرورت کے لیے اس قسم کے انتظامات کیا کرتے تھے۔ ایسے انتظام کی بالعموم مندرجۂ ذیل شکلیں ہوتی تھیں:

(۱) نہریں نکالی جاتیں (۲) چشمے کھود کر نکالے جاتے (۳) تالاب نالے وغیرہ بنائے جاتے (۴) کوئیں کھودے جاتے۔

نہروں کی قسمیں اور اس کے احکام اب ہر ایک کو بالترتیب کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ زمانۂ خلافت کی نہروں کی دو قسمیں تھیں (۱) خلافت کی جانب سے کھدائی ہوئی نہریں۔ (۲) پبلک کی جانب سے کھودی ہوئی نہریں۔

خلافت کے لیے ضروری تھا کہ وہ دریاؤں سے نہریں نکالے یا اُن کی اصلاح و درستی کرے، پُل باندھے، بند لگائے اور آبپاشی کو زیادہ سے زیادہ عام اور سہل بنانے کے لیے ہر ممکن ذرائع اختیار کرے اور یہ سب کچھ سرکاری خزانہ سے کیا جائے۔ اگر خزانہ میں گنجائش نہ ہو تو مختلف ٹیکسوں اور ہنگامی چندوں سے یہ سب انتظام کیا جائے۔ جیسا کہ قاضی ابو یوسف فرماتے ہیں:

وعلی الامام کری ھذا النھر الاعظم الذی لعامۃ المسلمین ان احتاج الی کری وعلیہ ان یصلح مسناتہ ان خیف منہ[1]	خلیفہ کے ذمہ لازم ہے کہ بڑے بڑے دریاؤں سے پبلک کے لیے چھوٹی چھوٹی نہریں نکالے اور ان کی اصلاح و درستی کرے بند وغیرہ کی خرابی کا اندیشہ ہو تو اس کی اصلاح کرے۔

اور اگر لوگ زیادہ خوش حال نہ ہوں کہ چندوں اور ٹیکسوں کا بار برداشت کریں تو لوگوں ہی سے کام لیا جائے، مگر اس انتظام کو کسی حال میں ناقص نہ رہنے دیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان تمام چیزوں کا تعلق پبلک کے عام مفاد سے ہوتا ہے اور خلافت مفادِ عام

---

[1] الخراج ص ۹۷ و عالمگیری ج ۴ ص ۱۹۶

کی نگراں ہوتی ہے اس لیے جہاں اجتماعی مفاد کے پیشِ نظر اس کے تصرفات وسیع ہوتے ہیں وہاں پبلک کی ضروریات کا انتظام بھی اس کے ذمہ ہوتا ہے۔

زمانۂ خلافت میں سرکاری خزانہ سے بہت سی نہریں نکالی گئی تھیں حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں بصرہ کی نہر "ابو موسیٰ" دجلہ سے کاٹ کر نکالی گئی تھی اور کوفہ کی نہر سعد اور مصر کی نہر امیر المومنین وغیرہ مشہور نہریں ہیں۔

حضرت عمرؓ کے بعد نہر ثار، نہر دبیس، نہر اساورہ، نہر عمرو، نہر حرب وغیرہ نکالی گئی تھیں[1] جن کی تعداد کتبِ تاریخ میں موجود ہے اور سیکڑوں تک پہنچتی ہے۔

خلافت کی جانب سے کھدائی ہوئی نہروں کے حکم کی تفصیل یہ ہے:-

مجموعی حیثیت سے تمام کھدائی ہوئی نہروں کا حکم دریا اور قدرتی پانی جیسا ہوتا تھا یعنی تمام لوگ اس میں برابر کے شریک اور حقدار ہوتے تھے۔ کسی کو آبپاشی سے روکنا جائز تھا اور نہ آبپاشی کے عوض کسی قسم کا ٹیکس وصول کیا جاتا تھا۔ البتہ نہروں کے چھوٹی اور بڑی ہونے کے لحاظ سے پبلک کے فائدہ اٹھانے کی شکلیں ان سے مختلف ہوتی تھیں مثلاً

(۱) ان میں اگر اتنا پانی ہوتا کہ بغیر بند لگائے اور باری مقرر کیے بیک وقت سب کے لیے پانی کفایت کرتا تو پھر ہر شخص کو اپنی حاجت و ضرورت کے مطابق آبپاشی کی اجازت تھی اور کسی کو کسی پر کسی قسم کی تخصیص و ترجیح نہ حاصل ہوتی تھی

(۲) نہر چھوٹی ہوتی یا کسی وجہ سے زیادہ پانی نہ کھولا جا سکتا تو ہر شخص کو یکے بعد دیگرے باری مقرر کر کے آبپاشی کا حکم دیا جاتا تھا۔

اس بارے میں جتنے آثار اور احادیث اور ائمہ کے اقوال آپ کو ملیں گے اُن سب کا ماحصل یہ ہے کہ حقِ انتفاع میں عام پبلک برابر تھی اور پانی کی تقسیم اس طرح ہوتی تھی کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو اور ہر شخص کو بقدر ضرورت پانی مل جائے

---

[1] فتوح البلدان۔

Marfat.com

حالات و مقامات کے لحاظ سے خلافت اس بات کو زیادہ بہتر سمجھ سکتی تھی کہ کونسی صورت اختیار کرنے میں حقوقِ عامّہ کی پائمالی نہ ہوگی اور ہر شخص کو بقدر کفایت پانی مل جائیگا۔ اس لیے پانی کی تقسیم اور حاجت و مقدار وغیرہ کی تعیین کا معاملہ خلافت کے سپرد ہوتا تھا اور پانی تقسیم ہونے سے پہلے ہر شخص اپنی ضرورت خلافت کے سامنے پیش کرنے کا مجاز ہوتا تھا لیکن پانی تقسیم ہو جانے کے بعد پھر کسی کو ایسے تصرف کی اجازت نہ تھی جس سے حقِ انتفاع میں زیادتی کا شبہ پایا جائے، یہ سب معاملات پہلے ہی طے کرنے کے ہوتے ہیں کہ کس کو کس مقدار پانی کی ضرورت ہے اور کس کو کس مقدار کی لہ

ایسی نہروں کی صفائی و درستی کی تمام تر ذمہ داری خلافت پر ہوتی تھی اور اگر ایسی صورت ہوتی کہ سرکاری خزانہ دیوالیہ ہو چکا ہوتا تو پھر پوری پبلک اس کی ذمہ دار ہوتی تھی اور جس صورت سے بھی ممکن ہوتا خلافت کے زیرِ انتظام یہ کام انجام پاتا تھا۔

زمانۂ خلافت میں اس انتظام سے ایک طرف تو پانی کی قلت کا مسئلہ حل ہو جانے کی بناء پر زمین سے غلہ اُگنے لگا تھا اور دوسری طرف کاشتکاروں نے آبپاشی کے محصول سے چھٹکارا حاصل کر کے پیداوار بڑھانے میں تن، من، دھن کی بازی لگا دی تھی۔ چند دنوں کے بعد اس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا تھا کہ انہی کاشتکاروں نے جو ظلم و استبداد کے آہنی شکنجوں میں جکڑے ہوئے کراہ رہے تھے فارغ البالی و خوشحالی اور مذہب و ضمیر کی آزادی کا وہ منظر دیکھا جس کی نظیر نہ تاریخ کی دنیا میں ملتی ہے اور نہ آج کی حکومتوں میں

(۳) زمانۂ خلافت میں نہر کی ایک قسم وہ ہوتی تھی جو عام پبلک کی آبپاشی کے لیے نہیں بنائی جاتی تھی بلکہ اہلِ شہر و اہلِ قصبہ یا کوئی خاص شخص اپنی ذاتی ضروریات کے لیے بنانا چاہتا تھا۔ آبپاشی کو سہل بنانے کی ایک شکل یہ بھی تھی کہ اگر مصالحِ عامّہ کا کوئی نقصان نہ ہوتا تو خلافت کی جانب سے لوگوں کو نہر نکالنے کی اجازت مل جاتی تھی

لہ غایۃ البیان از فیض الباری ج ۳ ص ۳۰۷ و عالمگیری ج ۴ ص ۱۷۳۔

پبلک کی کھدائی ہوئی نہروں کا حکم یہ تھا کہ پانی پینے اور جانوروں کے پلانے میں تمام لوگ برابر کے شریک ہوتے تھے اور ضرورت سے زائد پانی ہونے کی صورت میں آبپاشی سے بھی کسی کو روکنے کی اجازت نہ تھی اور آبپاشی کے عوض کسی قسم کا ٹیکس وصول کرنا بھی جائز نہ سمجھا جاتا تھا۔ اس سلسلہ میں رسول اللہؐ کی یہ حدیث ہے:

نھی رسول اللہ عن بیع الماء[1] رسول اللہ نے پانی کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

ایک مرتبہ عبداللہ بن عمرؓ کے پاس جب ان کے آدمی نے لکھا کہ میں نے آپ کی زمین اور باغ کی آبپاشی کے بعد جو کچھ پانی بچ گیا ہے اس کا تیس ہزار درہم پر معاملہ کر لیا ہے اس کا جواب عبداللہ بن عمرؓ نے ان الفاظ میں دیا تھا۔

وما فضل فاسق جیرانک الاقرب فالاقرب لان رسول اللہ نھی عن بیع الماء[2] جتنا فاضل پانی ہو اپنے پڑوسیوں کو اقرب فالاقرب کے لحاظ سے (حسب دستور) آبپاشی کی اجازت دیدو کیونکہ رسول اللہ نے پانی کے بیچنے سے منع فرمایا ہے۔

امام مالک کہتے ہیں:۔

لیس لہ ان یمنع جارہ فضل مائہ[3] زائد پانی سے پڑوسی کو روکنا جائز نہیں ہے۔

اگر ایسی صورت ہوتی کہ پانی نہ دینے میں پڑوسی کا کوئی نقصان نہ ہوتا اور بآسانی دوسری جگہ سے پانی مل جاتا تو پڑوسی کو پانی نہ دینے میں کوئی حرج نہ سمجھا جاتا تھا۔ ایسی ہی صورت کے لیے قاضی ابو یوسفؒ کہتے ہیں:

ولھم ان یمنعوا من سقی الارض[4] ان کے لیے دوسروں کو آبپاشی سے روکنا جائز ہے۔

---

[1] اس حدیث سے وہ پانی مستثنیٰ ہونگے جو گھڑے مشکیزے وغیرہ میں محفوظ کر لیے جاتے ہیں کیونکہ حفاظت کے بعد پانی پر ایک قسم کا حق ثابت ہو جاتا ہے۔ اس موقع پر حفاظت سے مراد برتنوں میں حفاظت ہی کو نہیں لیا۔ حوض کی حفاظت اس میں داخل نہ ہوگی۔ شدتِ پیاس کے وقت اس حالت میں بھی پانی پینے سے کسی کو روکنا درست نہیں۔

[1] الخراج ص ۹۷ [2] ایضاً [3] الاموال ص ۳۰۲ [4] الخراج ص ۹۵

Marfat.com

لیکن نقصان وعدمِ نقصان کا فیصلہ خلافت کے سپرد ہوتا تھا اور خلافت کا انتظام چلانے والے خود غرض اور جاہ پسند لوگ نہ ہوتے تھے کہ ان کے ہر فیصلہ میں جانبداری اور پارٹی بازی کی بو آتی ہو۔ بلکہ خدا ترس اور حق وانصاف کو قائم کرنے والے ہوتے تھے

اس تیسری قسم کی نہر اگر کسی دوسرے شخص کی زمین میں جاری ہوتی تو وہ حسب سابق باقی رکھی جاتی تھی، صاحبِ زمین کو اس کے بند کرنے کا کوئی حق نہ ہوتا تھا۔ اور اگر خشک ہو چکی ہوتی تو اس کے دوبارہ جاری کرنے کے لیے اس کے ثبوت میں اس نہر کا نشان کافی سمجھا جاتا تھا اگر نشان نہ باقی رہتا تو اس کا فیصلہ گواہوں کے بیان پر منحصر ہوتا تھا۔ اور اگر اس بات کے گواہ نہ ہوتے کہ اس جگہ فلاں شخص کی نہر تھی لیکن اس بات کے گواہ موجود ہوتے کہ یہ شخص اس نہر سے آبپاشی کرتا تھا یا اپنی زمین کی طرف پانی لیجاتا تھا تو اتنا ہی بیان نہر کے دوبارہ جاری کرنے اور ثبوتِ ملکیت کے لیے کافی ہوتا تھا۔

ایسی نہروں کی کھدائی اور صفائی وغیرہ کے اخراجات اہلِ نہر کے ذمہ ہوتے تھے، چونکہ پیداوار کی کمی بیشی کا گہرا تعلق پانی کی کمی بیشی سے ہوتا ہے اور پیداوار میں کمی بیشی کا اثر مارکیٹ کی ہر چیز پر پڑتا ہے اس لیے کھدائی اور صفائی میں کوتاہی کی صورت میں خلافت ان لوگوں کو مجبور کرتی تھی اور اگر اس طرح کام نہ چلتا تو اس کا پورا انتظام اپنے ہاتھ میں لینے کی مجاز ہوتی تھی۔ سنہ زمانۂ خلافت میں یہی حکم تمام نہروں کا تھا خواہ اس کو اہلِ محلہ واہلِ شہر نے کھودا ہوتا یا کسی فرد و چند افراد نے۔ [۱]

اگر کسی نہر سے کسی قوم کا نقصان ہوتا لیکن عام طور پر لوگ اس میں پانی پینے اور جانوروں کو پلاتے ہوتے تو ایسی نہر کے بند کرنے کا اختیار کسی کو نہ ہوتا تھا۔ اگر خلیفہ کی اجازت کے بغیر بند کر دی جاتی تو بند کرنے والا شخص قانوناً سزا کا مستحق سمجھا جاتا تھا۔ ایسی صورت میں خلیفہ کے فیصلہ کی مندرجۂ ذیل صورتیں ہوتی تھیں :

---

[۱] الخراج ص ۹۵ و ۹۵

(۱) اگر وہ نہر قدیم ہوتی اور اس کا تعلق پانی پینے اور جانوروں کے پلانے سے ہوتا تو وہ حسب سابق باقی رکھی جاتی تھی ۔

(۲) اگر جدید ہوتی یا آبپاشی کے لیے نکالی گئی ہوتی تو اس میں دیکھا جاتا اگر اس کی منفعت زیادہ ہوتی تو باقی رکھی جاتی اور نقصان زیادہ ہوتا تو بند کردی جاتی

بند کرنے اور نہ کرنے کے بارے میں یہی حکم خلافت اور پبلک کی کھدائی ہوئی تمام نہروں کا تھا[1]

چشموں کی قسمیں اور ان کے احکام

چشموں کی تین قسمیں تھیں :-

(۱) پہلی قسم وہ چشمے جو قدرتی طور پر خود بخود نکلے ہوں۔

ایسے چشموں کا حکم سمندر اور دریا جیسا ہوتا تھا یعنی اس میں اللہ کی تمام مخلوق ہر قسم کا فائدہ اٹھانے میں برابر کی شریک اور برابر کی حقدار ہوتی تھی ۔ پانی کی کمی اور باہمی اختلاف کی صورت میں لوگوں کی باری مقرر کردی جاتی تھی یا جو صورت خلیفہ مناسب سمجھتا وہ اختیار کرنے کا مجاز ہوتا تھا

(۲) دوسری قسم ان چشموں کی تھی جن کو لوگوں نے کھود کر نکالا ہوتا۔

(۳) تیسری قسم ان کی تھی جنہیں کسی آدمی نے اپنی زمین میں کھود کر نکالا ہوتا۔

ایسے چشموں کے وہی لوگ مالک ہوتے تھے جنہوں نے نکالا ہوتا

فتكون ملكا لمن استنبطها ويملك معها حريمها[2]

ایسے چشمے نکالنے والوں کی ملکیت میں ہوتے تھے اور وہ ان کے حریم کے بھی مالک ہوتے تھے

ایسے چشموں سے آبپاشی وغیرہ میں وہی تفصیل تھی جو نہر کے باب میں گذر چکی ہے یعنی ضرورت سے زائد پانی کا بیچنا جائز نہ تھا۔ عام احتیاج کے وقت دوسرے کو آبپاشی سے روکنا حلال نہ تھا، اس پانی سے کسی قسم کا ٹیکس وصول کرنا درست نہ تھا۔

---

[1] الخراج ۔ ص ۱۰۰ [2] ایضاً

Marfat.com

دوسروں کے مقابلہ میں خود چشمہ نکالنے والے کا اتنا فائدہ ہوتا تھا کہ اس کو آبپاشی وغیرہ میں مقدم سمجھا جاتا تھا اور لوگوں کو اگر بآسانی دوسری جگہ سے پانی ملجاتا تو اس پانی سے روکنے کا بھی اسے حق حاصل تھا لیکن دوسری جگہ پانی بآسانی نہ مل سکنے کی صورت میں اس سے روکنے کا کوئی حق نہ ہوتا تھا۔

یہ تو آبپاشی کے سلسلہ میں تفصیل تھی رہ گیا پانی پینے اور جانوروں کے پلانے کا معاملہ تو اس میں کسی قسم کی کوئی روک ٹوک نہ ہوتی تھی۔ اگر جانوروں کی آمدورفت سے فصل کے خراب ہو جانے کا اندیشہ ہوتا اور کسی دوسری جگہ قریب بآسانی پانی نہ مل سکتا تو ایسی صورت میں چشمے والے کے لیے یہ حکم تھا کہ وہ خود پانی لاکر جانوروں کو پلائے۔ جیسا کہ فقہ میں تصریح ہے:

ولیس لہ ان یبیع من ذلک شیئاً	صاحب چشمہ کو اس کا پانی بیچنا جائز نہیں ہے انسانوں
للشفۃ والشفۃ عندنا الشرب	کے پینے کے لیے اور نہ جانوروں اور چوپایوں کے پینے
لبنی آدم والبھائم والنعم والدواب	کے واسطے البتہ اس کو یہ بات جائز ہے کہ زمین
ولہ ان یمنع السقی للارض والزرع	درخت باغ وغیرہ کی آبپاشی سے (جبکہ دوسری
والنخل والشجر ولیس لاحد ان	جگہ پانی مل سکتا ہو یا چشمہ میں ضرورت سے زائد
یسقی شیئاً من ذلک الا باذنہ	پانی نہ ہو) دوسروں کو روک دے۔ ایسی حالت
فان اذن فلا بأس بذلک فان	میں کسی کو بغیر اس کی اجازت آبپاشی کرنا درست
باع ذلک لم یجز البیع ولم یحل	نہیں ہے اور اگر اس نے اجازت دیدی تو کچھ کوئی
للبائع والمشتری لانہ مجھول غرر	مضائقہ نہیں ہے۔ اگر اس نے پانی کو بیچ دیا تو یہ بیع
لایعرف۔ ۵ے	نہ بیچنے والے کو درست ہے اور نہ خریدنے والے کو
	کیونکہ یہ مجہول ہے اس میں دھوکا ہے۔

پیاس کی وجہ سے کسی انسان یا جانور کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہوتا تو بہر صورت اس سے پانی لیا

لے الاحکام السلطانیہ ماوردی ص ۱۸۰، والخراج ص ۹۵ ؎ درمختار

Marfat.com

جاتا تھا۔[1]

تالاب گول، نالے وغیرہ کی قسمیں اور اس کے احکام

تالاب، حوض، گول، نالے وغیرہ اگر قدرتی ہوتے یا خلافت کی جانب سے کھودے اور بنوائے گئے ہوتے (جیسا کہ زمانۂ خلافت میں بہت سے تالاب بنائے گئے تھے۔ بند باندھے گئے تھے، گولیں نکالی گئی تھیں) تو ان میں بھی تمام انسان فائدہ اٹھانے میں برابر کے شریک ہوتے تھے اور آبپاشی کے لیے جیسا دستور ہوتا اس پر عمل کیا جاتا، یا خلافت جو صورت مناسب سمجھتی وہ اختیار کرتی تھی

"مہزور" نامی بنو قریظہ کی وادی تھی جب اس سے آبپاشی کرنے میں لوگوں کا اختلاف ہوا تو رسول اللہ نے فرمایا

"باغ والے اپنی ضرورت کے مطابق اور کھیتی والے اپنی حاجت کے موافق آبپاشی کے بعد نیچے والوں کے لیے پانی چھوڑ دیں"[2]

اسی طرح ایک نالے سے آبپاشی کرنے میں حضرت زبیرؓ اور ایک انصاری میں اختلاف ہوا تو آپ نے فرمایا۔

اسق یا زبیر ثم خل سبیل الماء[3] اے زبیرؓ آبپاشی کرنے کے بعد پانی چھوڑ دو

زمانۂ خلافت میں پانی کی تقسیم میں بنیادی حیثیت سے ہمیشہ اس بات کا خیال رکھا جاتا تھا کہ نہ کسی کی حق تلفی ہو اور نہ کسی کو گنجائش اور ضرورت سے زیادہ پانی ملے جو دوسرے کی حق تلفی کا سبب بنے۔ اگر تالاب، نالے وغیرہ کسی کی مملوکہ زمین میں ہوتے یا کسی نے کھدوایا ہوتا تو اس کی وہی تفصیل تھی جو اوپر گزر چکی ہے یعنی زائد پانی کی بیع جائز نہ تھی، کسی شخص کو ضرورت ہوتی اور وہ دوسری جگہ بآسانی پانی نہ مل سکتا تو آبپاشی سے روکنا درست نہ تھا، البتہ دوسری جگہ بآسانی ملجانے کی صورت میں فاضل پانی سے روکنے کی اجازت تھی، اس سلسلہ میں عبداللہ بن عمرؓ کا یہ فرمان ہے:

---

[1] در المختار [2] الخراج یحییٰ [3] بخاری وغیرہ

Marfat.com

ومافضل فاسق جیرانك الاقرب فالاقرب ؎۱ — جو فاضل پانی ہو اپنے پڑوسی کو اقرب فالاقرب کے لحاظ سے دیدو۔

یہی حکم تمام ان پانیوں کا تھا جو بارش یا نالوں سے بہہ کر کسی جگہ جمع ہو جائے یا حوض اور باولی وغیرہ کی شکل میں ان کے روکنے کا انتظام کیا جاتا نہ ان کے بیچنے کی اجازت تھی اور نہ کسی قسم کا ٹیکس وصول کرنا درست تھا۔

وکذلك لوکان فی مصنعۃ یجتمع فیہا الماء من السیول فلاخیر فی بیعہ ایضاً ؎۲ — چشمہ جیسا بارش کے اس پانی کا بھی حال ہے جو تالاب میں جمع ہو جائے اس کی خرید و فروخت میں بھی بھلائی نہیں ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ خلافت کے تمام قانون میں یہ روح سرایت کی ہوئی تھی کہ مملکت کا کوئی فرد کسی قدرتی شے سے نہ محروم رکھا جائے اور نہ کسی کو کسی پر ترجیح حاصل ہو جیسا کہ یہی حقیقت فاروق اعظمؓ کے ان فیصلوں سے واضح ہوتی ہے:۔

(۱) ایک مرتبہ ضحاکؓ نے اپنی زمین کی آبپاشی کے لیے حضرت عمرؓ سے اجازت چاہی آپ نے انہیں اجازت دیدی لیکن درمیان میں محمد بن مسلم کی زمین حائل تھی اُنہوں نے ضحاکؓ کو اپنی زمین سے گزر کر پانی لیجانے سے روکا جس کی بنا پر آبپاشی نہ کی جا سکی جب اس واقعہ کی حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا۔

لولم اجد للماء مسیلا الا علی بطنك لاجریتہ ؎۳ — پانی لیجانے کے لیے سوائے تیرے پیٹ کے اور کوئی راستہ نہ ملیگا تو تیرے پیٹ کے اوپر سے پانی لیجاؤنگا

دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں:

لولم اجد لہ الا بطنك لاجریتہ علیہ ؎۴ — سوائے تیرے پیٹ کے اور کوئی راستہ پانی لیجانے کے لیے نہ ملیگا تو پیٹ کے اوپر سے پانی لیجاؤنگا۔

؎۱ الخراج لابی یوسف ص ۹۷ ؎۲ ایضاً ص ۲۵ ؎۳ ایضاً ص ۱۱۱ ؎۴ ایضاً

Marfat.com

(۲) ایسے ہی ایک موقع پر کسی شخص نے ایک پیاسے آدمی کو پانی دینے سے انکار کر دیا، اور پیاس کی شدت کی وجہ سے وہ مر گیا جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کو سنا تو پانی نہ دینے والوں پر قتل کا جرم قائم کیا اور ان سے دیت (خون کی قیمت) وصول کی، بعینہ الفاظ یہ ہیں:

فالزمهم عمر بن الخطاب عند دیته[1] حضرت عمرؓ نے ان لوگوں پر اس کی دیت لازم کر دی

الغرض خلافت کے تمام فیصلوں میں یہی روح سرایت کی ہوئی رہتی تھی۔

کنوؤں کی قسمیں اور ان کے احکام کنوؤں کی بھی کئی قسمیں تھیں:۔

(۱) خلافت کی جانب سے کنویں کھدوائے جاتے

(۲) کسی فرد نے عام لوگوں کے لیے کھدوائے ہوتے

(۳) کوئی شخص اپنی یا غیر کی زمین میں صاحبِ زمین کی اجازت سے کنواں کھدوایا ہوتا

پہلی دونوں صورتوں میں بلاتخصیص و ترجیح تمام لوگ برابر کے شریک ہوتے تھے اور کھدوانے والے کی حیثیت عام مخلوق میں ایک فرد جیسی ہوتی تھی۔ اس کو کسی قسم کا خصوصی حق نہ حاصل ہوتا تھا۔ اس قسم کے کنوؤں کی بالکل وہی شکل ہوتی تھی جو "بیر رومہ" کی تھی جس کو حضرت عثمان غنیؓ نے خرید کر سب کے لیے وقف کر دیا تھا اور حقِ انتفاع میں سب کے ساتھ وہ بھی برابر کے شریک رہتے تھے[2]

ایسے کنویں میں اگر کافی پانی ہوتا جو آبپاشی کے لیے بھی کفایت کرتا تو ہر قسم کے انتفاع میں سب شریک ہوتے تھے ورنہ جس قسم کے انتفاع کے لیے پانی کفایت کرتا اسی میں سب کی شرکت ہوتی تھی، اور اس سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا حق کسی کو نہ ہوتا تھا (اگر صرف پانی پینے اور جانوروں کو پلانے سے سب لوگ فائدہ اٹھا سکتے تو اسی میں سب برابر کے شریک ہوتے اور آبپاشی کرنے کی کسی کو اجازت نہ دی جاتی)

یہی حکم ان تمام کنوؤں کا تھا جن کو خانہ بدوش اور قافلہ کے لوگ جنگل اور بیابان میں جب

---

[1] الخراج لیحیی ص ۱۱۱ [2] الاحکام السلطانیہ ص ۱۷۶

Marfat.com

وہ وہاں ٹھہرتے تو اپنی ضرورت کے لیے کھودتے تھے اور پھر یہ لوگ وہاں سے منتقل ہو کر چلے جاتے تھے یہ کنویں ان کے چلے جانے کے بعد تمام انسانوں کے لیے وقف ہو جاتے تھے حتیٰ کہ اگر وہی لوگ پھر دوبارہ واپس آتے تو ان کو اس سے فائدہ اٹھانے میں کسی قسم کی تقدیم و ترجیح حاصل نہ ہوتی تھی بلکہ دوسروں کے ساتھ وہ بھی مساویانہ حیثیت سے شریک ہوتے تھے۔[۱]

تیسری قسم کے کنوؤں کا حکم یہ تھا:۔

ولیس لصاحب العین والقناۃ	چشمے، کاریز اور کنواں کے مالکوں کے لیے یہ بات
والبیر والنھران یمنع الماء من ابن	جائز نہیں ہے کہ مسافروں کو پانی پینے سے
السبیل لما جاء فی ذلک من	روکیں کیونکہ اس سلسلہ میں آثار و احادیث
الحدیث والاثار ولہ ان یمنع	وارد ہوئے ہیں۔ اسی طرح جانوروں اور
سقی الزرع والنخل والشجر و	چوپایوں کو پانی پلانے سے روکنا جائز
الکرم من قبل ان ھذا لم یجیء	نہیں ہے البتہ زراعت اور باغات کی آبپاشی
فیہ حدیث وھو یضر صاحبہ فاما	سے روکنے کی اجازت ہے کیونکہ اس بارے میں
الحیوان والمواشی والابل فلیس لہ	کوئی حدیث مروی نہیں ہے اور مالک کے
ان یمنع ذلک [۲]	نقصان کا بھی اندیشہ ہوتا ہے۔

اس قسم کے کنوؤں سے آبپاشی کرنے سے روکنے کی اجازت اسی صورت میں تھی جبکہ کھدوانے والے کے نقصان کا اندیشہ ہوتا اور نقصان نہ ہونے کی صورت میں آبپاشی سے بھی روکنے کی اجازت نہ تھی کیونکہ یہ اسلامی مزاج کے خلاف ہے اور پانی کے انتفاع کو محدود کر دینے کے مرادف ہے۔

حاصل یہ ہے کہ پانی پینے اور جانوروں کے پلانے سے روکنا کسی صورت میں جائز نہ تھا، رہ گیا آبپاشی کا معاملہ تو اس میں وہی تفصیل تھی جو اوپر گزر چکی ہے یعنی آبپاشی کے عوض کسی قسم کا معاوضہ لینا جائز نہ تھا زائد پانی ہونے کی صورت میں حقوقِ عامہ کے تحفظ کی خاطر خلافت دوسرے

---

[۱] الاحکام السلطانیہ ماوردی ص ۱۷۶ [۲] الخراج ص ۹۷

کو آبپاشی کی اجازت دے سکتی تھی البتہ مالک کے ذاتی مفاد کا حتی الوسع خیال رکھنا بھی ضروری تھا تاکہ اس کے حقوق کسی طرح پائمال نہ ہونے پائیں نیز ایسے کنوئیں کے پانی کی خرید و فروخت بھی جائز نہ تھی۔[۱]

کسی کی زمین میں صاحبِ زمین کی اجازت کے بغیر کنواں کھودنا جائز نہ تھا۔ اجازت خواہ زبانی ہوتی یا قرائن سے معلوم ہو جاتا کہ صاحبِ زمین کو کنواں کھودنے سے کسی قسم کی شکایت نہ ہوگی۔

بعض ائمہ کہتے ہیں کہ بنجر زمین میں کنواں کھودنے سے کھدوانے والی کی ملکیت نہیں ثابت ہوتی ہے کیونکہ بنجر زمین ملکِ مشترک ہے اور اس میں سب کے حقوق مساوی ہیں۔

زمانۂ خلافت میں پیاسے کو ڈول رسی سے روکنا بھی جائز نہ تھا۔

الغرض پانی کے مباحِ عام ہونے پر جتنی پابندیاں اور حدبندیاں قبیلہ کے سرداروں اور با اقتدار لوگوں نے لگا رکھی تھیں جس کی بنا پر پانی جیسی خالص قدرتی عطیہ سے اللہ کے بندوں کو محروم کر دیا جاتا تھا اسلام نے ان سب کو ختم کر دیا اور آبپاشی کے معاملہ کو زیادہ سے زیادہ سہل اور مفید بنانے کی کوششیں کیں۔ اسلام نے اس سلسلہ میں بھی انفرادی مفاد پر اجتماعی مفاد کو ترجیح دی ہے کہ نہ تو کسی کو اس کے جائز حق سے محروم رکھا ہے اور نہ کسی کو اتنی آزادی دی ہے کہ وہ دوسرں کی حق تلفی کا باعث بنے۔

حریم

نہر، کنوئیں، باولی، تالاب، چشمے وغیرہ کی حفاظت اور ضرورت کے لیے ہر چہار جانب جتنی جگہ چھوڑ دی جاتی ہے اس کو حریم کہتے ہیں

زمانۂ خلافت میں ہر ایک کی ضرورت و حفاظت کے پیشِ نظر چاروں طرف کچھ جگہ چھوڑی جاتی

---

[۱] الخراج ص ۹۵

Marfat.com

تھی جس میں کسی کو کسی قسم کے تصرف کا اختیار نہ ہوتا تھا۔ ہر ایک کے حریم کی حد زمین کی سختی و نرمی کے پیش نظر الگ الگ مقرر کی جاتی تھی اور اس حد کے اندر کسی دوسرے شخص کو کنواں کھودنا، عمارت بنانا، کھیتی کرنا، یا اور کوئی ایسا تصرف کرنا جائز نہ تھا جس سے صاحب حریم کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ نقصان ہونے کی صورت میں صاحب حریم کو اس تصرف کے مٹا دینے کا حق حاصل ہوتا تھا۔[1]

اب ہر ایک حریم کی علیحدہ علیحدہ مقدار بیان کی جاتی ہے:

نہر کی حریم نہر اگر اپنی زمین میں ہوتی تو مفادِ عامّہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور نہر کی حفاظت کے پیش نظر جتنی حد مناسب ہوتی اتنی مقرر کرنے کی اجازت تھی۔ اور اگر غیر کی زمین میں ہوتی تو فصیل بنانے اور صفائی کے وقت مٹی ڈالنے کے لیے جتنی حد کی ضرورت پڑتی اتنی حریم کے لیے خاص کر دی جاتی تھی۔[1]

اس سلسلہ میں امام محمد کہتے ہیں کہ حریم کی مقدار سطحِ نہر کی چوڑائی کے برابر ہونی چاہیے اور امام ابو یوسف نصف سطحِ نہر کی مقدار کہتے ہیں۔ در اصل یہ اختلاف عرف و رواج اور زمین کی سختی و نرمی کے پیش نظر تھا، اسی بنا پر امام شافعیؒ نے نہر کی حریم کی کوئی حد نہیں مقرر کی بلکہ اُنہوں نے اس کا پورا معاملہ عرف و رواج اور خلافت کے صواب دید پر چھوڑ دیا۔

بعض کتبِ فقہ میں امام ابو حنیفہؒ کی طرف یہ نسبت کی جاتی ہے کہ ان کے یہاں نہر کی حریم نہیں ہے۔ حالانکہ یہ صریح غلط ہے، اصل بات یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک حد مقرر نہیں ہے۔ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ضرورت اور مصلحت کے لحاظ سے خلافت جتنی حد مناسب سمجھے مقرر کرے جیسا کہ کتبِ فقہ کی عام تصریح ہے:

الصحیح ان لہ حریما بالاتفاق   صحیح بات یہ ہے کہ صاحبِ نہر کے واسطے

---

[1] الاحکام السلطانیہ ماوردی ص ۱۷۶۔

بقدر ما یحتاج الیہ لالقاء الطین — بالاتفاق حریم ثابت ہے جس قدر مٹی وغیرہ ڈالنے وغیرہا لہ — کے لیے ضرورت ہو۔

چشمہ کی حریم زمانۂ خلافت میں چشمہ کی حریم کی یہ تفصیل تھی :-

اگر چشمہ فوارہ ہوتا تو اس کی حریم پانچ سو ذراع تھی۔

قال علیہ السلام حریم العین — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چشمہ کی خمسمائۃ ذراع من کل ناحیۃ[۲] — حریم ہر چار طرف سے پانچ سو ذراع ہے۔

اگر چشمہ فوارہ نہ ہوتا بلکہ سطحِ زمین پر بہنے والا ہوتا یا زراعت اور آبپاشی کے لیے ہوتا تو اس کی حریم کی مقدار تین سو ذراع رہ جاتی تھی۔

قال رسول اللہ حریم العین السائحۃ — رسول اللہ نے فرمایا کہ بہنے والے چشمہ کی حریم ثلثمائۃ ذراع وحریم العین الزرع — تین سو ذراع ہے اور کھیتی کے چشمہ کی بھی ثلثمائۃ ذراع[۳] — حریم تین سو ذراع ہے

ایک اور روایت میں چشمہ کی حریم دو سو ذراع بتائی گئی ہے[۴]

اس اختلاف کی حقیقت بھی وہی تھی جو مذکور ہو چکی ہے یعنی زمین کی سختی اور نرمی اور ضرورت و مصلحت کے پیشِ نظر خلافت حریم کی حد مقرر کرتی تھی۔

یہ واضح رہے کہ حریم کے معاملہ میں ذراع سے مراد چھ مٹھی کا ذراع ہوتا تھا[۵]

کاریز کی حریم کاریز (زمین کے نیچے نیچے بہنے والا نالہ) کی حریم کے لیے جتنی ضرورت ہوتی اور جتنی مقدار سے اس کا تحفظ ہو سکتا اتنی ہی حد حریم کی مقدار میں شمار ہوتی تھی[۶]

جیسا کہ قاضی ابو یوسف نے فرمایا:

وانظر فی ذلک الی ما لا یضر بہ — اصل بات دیکھنے کی یہ ہے کہ کتنی مقدار سے اس

---

[۱] در المختار ج ۲ [۲] ابو داؤد [۳] دار قطنی از نصب الرایہ [۴] الخراج لیحیی ص ۱۲۰
[۵] در المختار و عالمگیری [۶] الدر المختار و الخراج ص ۱۰۱

Marfat.com

فاجعل منتهی الحریم الیہ لہ | کی حفاظت ہو سکتی ہے، جتنی حد سے حفاظت ہو سکے بس وہی حد حریم کی منتہی ہوگی۔

یعنی اگر سطحِ زمین پر ظاہر ہو کر چشمۂ فوارہ جیسی حریم کی ضرورت پڑتی تو اس کی مقدار پانچ سو ذراع تھی اور اگر نہر کی حریم سے کام چل جاتا تو اسی پر اکتفا کر لیا جاتا۔

حوض کی حریم حوض کا معاملہ حریم کے بارے میں نہر جیسا تھا حسب حاجت و مصلحت خلافت جتنی چاہتی حریم کی حد مقرر کرتی تھی۔ عرف و رواج اور ضرورت و مصلحت کے پیش نظر جیسے حریم نہر کی مقدار میں اختلاف ہے ایسے ہی اس میں بھی ہے۔

والحوض علی ھذا الاختلاف ۲ | حوض معاملہ نہر جیسا ہی ویسا ہی اس میں بھی اختلاف ہے۔

تالاب، گول، نالے وغیرہ کی حریم نالے، تالاب، گول وغیرہ کا معاملہ حریم کے بارے میں نہر اور حوض جیسا تھا۔ حریم کی مقدار کا فیصلہ خلافت کی جانب سے ہوتا تھا کیونکہ عرف اور ضرورت کے پیش نظر خلافت ہی بہتر سمجھ سکتی ہے کہ کتنی مقدار مقرر کرنا مناسب ہے۔

کنویں کی حریم کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل تفصیل ہے:

جس کنویں سے بیلوں کے ذریعہ پانی نکالا جاتا تو اس کی حریم ساٹھ ذراع ہوتی تھی اور جس سے ہاتھ کے ذریعہ نکالا جاتا تو اس کے حریم کی مقدار بجائے ساٹھ کے چالیس ہو جاتی تھی ۳۔

ایک اور روایت میں ہے کہ پرانے کنویں کی حریم پچاس ذراع ہے اور نئے کنویں کی پچیس ذراع۔

قال رسول اللہ حریم بئر العادیۃ خمسون ذراعا و حریم بئر البدی | رسول اللہ نے فرمایا کہ پرانے کنویں کی حریم پچاس ذراع ہے اور نئے کنویں کی پچیس

لہ عالمگیری ص ۱۶۸ ۲ے در المختار ج ۱ ۳ے نصب الرایہ ج ۴

Marfat.com

خمس وعشرون ذراعاً[1] ذراع۔

سعید بن مسیب (تابعی) کہتے ہیں:

حریم قلیب الزرع ثلثمائۃ ذراع[2] کھیتی کے کنویں کی حریم تین سو ذراع ہے

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں: "میرے علم میں آبپاشی کے کنویں کی حریم چالیس ذراع سے زیادہ نہیں ہے[3]" اور امام محمدؒ فرماتے ہیں: "اگر کنویں کی گہرائی چالیس ذراع سے زیادہ ہو تو حریم بھی چالیس ذراع سے زیادہ ہونی چاہیے[4]"

بہر حال یہ اختلاف حقیقی اور حکمی نہیں ہے بلکہ حالات و مقامات کے لحاظ سے ہے کہیں ایسا ہوتا ہے کہ کسی کنویں کے قریب دوسرا کنواں کھودنے سے اس میں پانی کم ہو جاتا ہے اور کہیں اس کا اثر زیادہ نہیں پڑتا ہے، اسی طرح کسی کنویں کی گہرائی زیادہ ہوتی اور کسی کی کم ہوتی ہے جہاں جیسی ضرورت ہو اس کے پیش نظر کنویں کی حریم مقرر کی جائیگی[5]

باؤلی کا معاملہ بھی حریم کے بارے میں حالات و مقامات کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے خلافت مفاد عامہ کے پیش نظر حسب ضرورت و مصلحت اس کی حریم مقرر کرنے کی مجاز ہے

حریم سے متعلق چند احکام ان کے علاوہ بھی زمانۂ خلافت میں مختلف چیزوں کی حریمیں مقرر تھیں، مثلاً کھیت کی حریم تقریباً چار سو ذراع تھی جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

قال رسول اللہ ان اللہ عز وجل جعل للزرع حرمۃ غلوۃ سہم[6] رسول اللہ نے فرمایا کہ اللہ رب العزت نے کھیت کی حریم تیر پھینکنے کی مقدار مقرر کی ہے۔

یحییٰ بن آدم قرشی جو اس روایت کے راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ "غلوہ کی مقدار ساڑھے تین سو ذراع سے لے کر چار سو ذراع تک ہے[7]"

---

[1] ابوداؤد [2] ایضاً [3] عالمگیری ص ۱۴۸ [4] غایۃ الاوطار۔ ج ۴ ص ۲۵۲
[5] مختصر الطحاوی ص ۱۳۶ [6] الخراج یحییٰ ص ۱۰۴ [7] ایضاً

Marfat.com

اور درخت کی حریم پانچ ذراع تھی[۱]

اس حد کے اندر کسی دوسرے شخص کو درخت لگانے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔

فلیس لغیرہ ان یغرس فیہ[۲] کسی دوسرے کو حریم کے اندر درخت لگانا جائز نہیں ہے۔

اس موقع پر چند باتیں ذہن نشین کرلینا چاہئیں۔

(۱) زراعت اور درخت کی یہ حریمیں بنجر زمین میں ہوتی تھیں۔

(۲) اوپر حریم کی جو مقدار بیان کی گئی ہے وہ زراعت اور درخت کی ہو یا کسی اور کی ان سب میں زمین کی سختی اور نرمی اور حالات و مقامات کے اختلاف سے تبدیلی کی گنجائش رہتی تھی[۳]۔ ایسا نہیں ہے کہ حریم کی اس زمانہ میں جو مقدار مقرر تھی بعینہ وہی مقدار لازمی طور سے آج بھی ہونی چاہیے، اسلام میں اس قسم کی تنگیوں کی گنجائش نہیں ہے۔

(۳) حریم کی مقدار کی حد چاروں طرف سے لیجاتی تھی مثلاً کسی کی حریم سو ذراع بیان کی گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پچیس ذراع ہر چہار جانب سے لیے جائیں نہ یہ کہ چاروں طرف سے سو سو ذراع لیے جائیں[۴]

(۴) حریم کے اندر کسی دوسرے شخص کو کسی ایسے تصرف کی اجازت نہ تھی جس سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ مثلاً کنواں کھودنا، عمارت تعمیر کرنا، کھیتی کرنا وغیرہ۔

اگر حریم کی حد کے باہر کنواں کھودا جاتا جس کی وجہ سے پہلے کنویں کا پانی خشک ہو جاتا تو ایسی صورت میں نیا کنواں کھودنے والے پر کوئی الزام نہ ہوتا تھا۔

(۵) یہی حال چشموں وغیرہ کا بھی تھا۔ وکذا العین ایضاً[۵]

زمانۂ خلافت میں ہر ایک کی الگ الگ حریمیں مقرر کر دینے سے ایک طرف تو یہ ہوتا تھا کہ

---

[۱] عالمگیری ج ۴ و در المختار [۲] ایضاً [۳] در المختار۔ ج ۴ [۴] ایضاً

[۵] الخراج ص ۱۰۱ و عالمگیری ج ۴ ص ۱۶۸۔

Marfat.com

کہ اس شے کی حفاظت ہوتی رہتی تھی اور دوسری طرف یہ کہ کسی حد تک باہمی نزاع اور جھگڑے کا انسداد ہو جاتا تھا، کیونکہ قانوناً کسی شخص کو حریم کے اندر ایسے تصرف کی اجازت نہ ہوتی تھی جس سے صاحبِ حریم کو نقصان پہنچتا اور اس کی حق تلفی کا اندیشہ ہوتا۔

ٹیکس

ہر حکومت کو نظامِ حکومت چلانے کے لیے خزانہ کی ضرورت ہوتی ہے اور خزانہ کی آمدنی کا ذریعہ بالعموم ٹیکس ہوتا ہے جو عام لوگوں سے وصول کیا جاتا ہے۔ یہ ٹیکس بہت سی چیزوں پر لگایا جاتا ہے جس کے وصول تحصیل کے لیے مختلف قاعدے اور قانون مقرر ہوتے ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ اہم وہ ٹیکس ہوتا ہے جو زمین پر لگایا جاتا ہے اور اس سے یہ مقصد ہوتا ہے کہ کاشتکاروں کی آمدنی کا کچھ حصہ ایک جگہ جمع کر کے حکومت اُسے مفادِ عامّہ کے کاموں میں خرچ کرے اور زندگی کا عام معیار بلند ہو

ٹیکس کے بارے میں اسلام سے پہلے کے حالات

ٹیکس کے سلسلہ میں جب ہم اسلام سے پہلے کی حکومتوں پر نظر ڈالتے ہیں تو ان میں بنیادی حیثیت سے چند ایسی خرابیاں ملتی ہیں جن کی وجہ سے ٹیکس کا پورا نظام درہم ہو گیا تھا۔ مثلاً:

(۱) حکومت کے کارندے اور امراء سب عیش و عشرت میں مشغول تھے اور اپنی عیاشیوں اور سرمستیوں کا تمام تر بوجھ کاشتکاروں اور دیگر کارپردازوں پر ڈال رکھا تھا (۲) ٹیکس کی وصول تحصیل محض ان کی حرص و ہوس کی آگ بجھانے کے لیے رہ گئی تھی اور رعایا کی فلاح و بہبود سے انہیں کچھ سروکار نہ تھا۔ (۳) زمین اور کاشتکار کی حیثیت سے زیادہ ٹیکس مقرر کیا جاتا تھا (۴) تحصیل وصول کرنے والے کارندے ہر قاعدے اور قانون سے آزاد ہوتے تھے اور ان کے ظلم کی چکی رعایا کو پیسنے کے لیے ہر وقت تیار رہتی تھی (۵) لوگ مقررہ ٹیکس ادا نہ کرتے تو

Marfat.com

انہیں وحشیانہ سزائیں دی جاتی تھیں (۶) اور برابر ادا کرتے رہتے تو اس خیال سے کہ یہ مالدار ہیں اس پر مزید ٹیکسوں کا بار ڈالا جاتا تھا جن کی ادائیگی میں ان کی زندگیاں بیلوں اور گدھوں کے مثل ہو جاتی تھیں، جیسا کہ ذیل کے تاریخی حوالوں سے ان باتوں کی تصدیق ہوتی ہے۔

تیسری صدی عیسوی کا حال مشہور مصنف و مورخ اے جے گرنٹ تاریخ یورپ میں تیسری صدی عیسوی کا حال اس طرح بیان کرتا ہے

"بدامنی سے تجارت کا بازار سرد پڑ گیا تھا، فوجی اغراض کے لیے آمدنی بڑھانے کی سخت ضرورت تھی جس کے لیے رعایا پر نئے نئے محصول لگائے جا رہے تھے۔ حکام اور محصول جمع کرنے والوں کی تعداد میں بیحد اضافہ کر دیا گیا تھا اور اس کے بوجھ سے رعایا دبنے لگی تھی......

اطالیہ کے زراعت پیشہ لوگوں کی حالت اچھی نہ تھی، وہاں کی آبادی گھٹتی جا رہی تھی اور جائدادیں امیروں کے پاس آتی جاتی تھیں ......اور آزاد کاشتکار مالکانِ جائداد کے غلام بن رہے تھے ایسے آسامیوں کو "کالونائی" کہتے تھے۔ قبضۂ زمین کی نوعیت وہی شکل اختیار کرتی جا رہی تھی جس کو زمانۂ مابعد میں فیوڈلزم (جاگیریت) سے تعبیر کرنے لگے ہیں [۱]

چوتھی صدی عیسوی کا حال ایچ اے ملیم تاریخ روما میں چوتھی صدی کے حالات اس طرح بیان کرتا ہے:-

"جتنے مصنفوں نے چوتھی صدی کے حالات لکھے ہیں سب نے باشندگانِ صوبجات کے مصائب اور بدحالی کا تذکرہ کیا ہے کیونکہ فوجیوں، عہدہ داروں اور دربار کے کثیر اخراجات کے لیے نہ صرف رعایا پر محصول کی بھرمار ہو رہی تھی بلکہ ان کے وصول کرنے میں یہاں تک ظلم روا رکھا جاتا تھا کہ غریب محصول دینے والے کے پاس ایک پیسہ بھی نہ رہ جائے اور خزانۂ شاہی معمور رہے...... معاشی تباہی کے اور بھی آثار نمایاں تھے مثلاً آبادی

---

[۱] تاریخ یورپ باب نوزدہم ص ۱۹ و باب بستم ص ۹۲۔

Marfat.com

گھٹتی جاتی تھی جس کی وجہ سے نہ صرف محصول دہندگان کی تعداد میں کمی ہو رہی تھی بلکہ فوج کے لیے سپاہیوں کے ملنے میں دقت پڑتی تھی، وہ لوگ افلاس کی وجہ سے اپنے ننھے ننھے بچوں تک کو مار ڈالتے تھے۔ آراضیات ویران اور بنجر ہو رہی تھیں کیونکہ اکثر کسان محصلات مالگزاری کے خوف سے فرار ہو گئے تھے۔ رعایا کی پریشانیوں خانہ جنگیوں کی مصیبتوں اور غاصبان حکومت کی سخت گیریوں میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا۔[۱]

فرانسیسی مصنف سینوبین حالات مصر میں لکھتا ہے:۔

"کاشتکاروں کے لیے ضروری تھا کہ وہ پیداوار کا ایک حصہ بادشاہ کے یہاں داخل کریں دبیران کا حال یہ بیان کرتا ہے:

شاید تم نے دہقانوں کی حالت پر غور نہیں کیا ہے جو زمین کو جوتنے اور بونے میں مشغول رہتے ہیں۔ جب تک محصول فراہم نہ ہو افسران بندوبست ان کے سر پر موجود رہتے ہیں تحصیلدار لکڑی ہاتھ میں لیے ہوئے اور سپاہی کھجور کی چھڑیاں لیے ہوئے ان کے ہمراہ ہوتے ہیں۔

یہ لوگ کاشتکاروں پر دباؤ ڈال کر ان سے غلہ طلب کرتے ہیں، اگر دہقان کے پاس انہیں دینے کے لیے غلہ نہیں ہوتا ہے تو وہ اس کو زمین پر لٹا کر باندھتے ہیں اور نہر کے کنارے تک کھینچ کر لیجاتے ہیں اور سر کی طرف سے انہیں پانی میں ڈال دیتے ہیں[۲]

| پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی کا حال | پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی کا حال اس سے زیادہ
دردانگیز اور وحشیانہ تھا، جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کہتے ہیں:

ولا تحصل تلك الاموال الا امراء اور حکمراں طبقہ کے تعیش کی آگ بجھانے کے لیے

---

[۱] تاریخ روما حصہ ہفتم ص ۳۵۳ و ۳۵۴ [۲] تاریخ ملل قدیمہ ص ۹۰

Marfat.com

بتضعیف الضرائب علی الفلاحین والتجار واشباههم والتضییق علیهم فان امتنعوا قاتلوهم وعذبوهم وان اطاعوا جعلوهم بمنزلة الحمیر والبقر یستعمل فی النضح والدیاس والحصاد ولا تقتنی الا یستعان بها فی الحاجات ثم لا تترك ساعة من العناء ولا یرفعون رؤسهم الی السعادة الاخرویة اصلا ولا یستطیعون ذلك [۱]

اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہ رہ گئی تھی کہ کاشتکاروں پر بھاری بھاری لگان مقرر کیا جائے، تاجروں اور دیگر کاروباریوں پر کثیر مقدار ٹیکس لگایا جائے، جس کی وجہ سے ان لوگوں کی زندگیاں تنگ ہو گئی تھیں اگر یہ لوگ ٹیکس ادا نہ کرتے تو انہیں سخت سے سخت سزائیں دی جاتیں اور اگر یہ ادا کرتے رہتے تو ان کی زندگیاں ان بیلوں اور گدھوں جیسی ہو جاتیں جن کو آبپاشی، ہل چلانے اور بھوسہ بنانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے یہ لوگ ہر وقت محنت و مشقت اور خدمتگزاری میں لگے رہتے تھے اتنا وقت بھی نہ ملتا تھا کہ اپنی ضرورت کے مطابق وہ کچھ پیدا کر لیں اور ان میں اخروی سعادت کی طرف سر اٹھانے کی ہمت بالکل نہ رہ گئی تھی انہیں اتنی بھی مہلت نہ ملتی تھی کہ وہ اپنے مفاد کے متعلق کچھ سوچ سکیں۔

یہی حال تقریباً تمام رومی اور ایرانی دنیا میں تھا، شام کے عیسائی ان کے ہم مذہب ہونے کے باوجود شامیوں کے زرعی غلام بنے ہوئے تھے۔ ان کی ذات ایک قسم کی جائداد خیال کی جاتی تھی اور زمین کی منتقلی کے ساتھ ان کی منتقلی بھی لازمی ہوتی تھی یہودیوں کی حالت اس سے زیادہ بدتر تھی کیونکہ وہ غیر قوم تھے مصر میں قبطیوں کا حال اور ایران میں عیسائیوں کا حال نہایت ناگفتہ بہ تھا[۲]

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ [۲] الاموال ص ۱۴۰

Marfat.com

یہ سب زرعی غلام شخصی ظلم کے ہاتھوں مجبور اور توہم پرستی وافلاس کے شکار تھے جن کے قبضہ میں دولت آفرینی کے ذرائع تھے وہ تعیش پرستی میں منہمک تھے اور جو بیچارے غریب دن بھر ہل چلاتے تھے وہ شاہی اور زمینداری مطالبوں کی وجہ سے ظلم واستبداد کے شکنجوں میں جکڑے ہوتے تھے۔

مظالم کی قسمیں | الغرض ٹیکس کے بارے میں مندرجہ ذیل قسم کی زیادتیاں رائج تھیں:

(۱) کاشتکار اور زمین کی حیثیت سے زیادہ لگان مقرر کیا جاتا تھا۔

(۲) تحصیل وصول میں مہلت نہ دی جاتی تھی۔

(۳) تاخیر اور ادا نہ کرنے کی صورت میں وحشیانہ سزائیں دی جاتی تھیں۔ انہیں تپتی ہوئی زمین میں کھڑا کیا جاتا تھا، ان کی گردن میں مٹکے لٹکائے جاتے تھے، انہیں قید کیا جاتا تھا اور بندی بنایا جاتا تھا، ان کو زدوکوب کیا جاتا تھا، غرض سخت سے سخت سزاؤں سے انہیں نوازا جاتا تھا۔

(۴) مالگزاری اور لگان کے علاوہ رواج اور رسوم کے نام سے اپنے تہواروں میں شادی اور غمی کی رسموں میں، مکان کو پختہ بناتے وقت اور اسی قسم کے مختلف مواقع میں کاشتکاروں سے نذرانہ اور بھینٹ وصول کی جاتی تھی۔

(۵) زمیندار و جاگیردار اور حکومت کے کارندے بلا معاوضہ اور کم معاوضہ پر کاشتکاروں سے "بیگار" لیتے تھے

(۶) زمینداروں کے ذمہ حکومت کی جانب سے کوئی کام سپرد کیا جاتا تو خیرخواہی دکھانے کے لیے وہ اسے قبول کر لیتے اور اس کا سارا بار کاشتکاروں پر ڈال دیتے تھے وہ بیچارے چار و ناچار اس کو برداشت کرنے کے لیے مجبور ہوتے تھے

(۷) افسرانِ بندوبست حد سے زیادہ ظالم اور سنگدل ہوتے تھے۔

یہ تھا ظلم وتعدی کا ماحول جس کے جواز کے لیے امراء یہ بہانہ تراشتے تھے کہ ہم نے ان

Marfat.com

لوگوں کو زمینیں دی ہیں اور اپنے علاقے میں انہیں آباد کیا ہے اس لیے ان تمام احسانات کا تقاضا ہے کہ یہ لوگ ہمارے غلام بن کر رہیں اور ہماری ہر قسم کی خدمت کریں ان ظالموں کی بےحسی اور سنگدلی کا یہ حال تھا کہ اپنی اس وحشت و بربریت کو "ترضی" سے تعبیر کرتے تھے یعنی کاشتکار برضا و رغبت ان کے ان تمام مظالم کو برداشت کرتے ہیں۔

اسلامی اصلاحات

اسلام نے دو بنیادی اصول عدل و احسان کے پیش نظر ٹیکس کی دو صورتیں مقرر کی ہیں

اسلام نے ٹیکس کے بارے میں جو کچھ اصلاحات اور ترمیمیں کی ہیں وہ سب اپنے دو بنیادی اصول عدل احسان کے پیش نظر کی ہیں۔ جیساکہ زندگی کے تمام گوشوں میں عدل و احسان کے لیے قرآن کریم کی یہ آیت ہے

(۱) اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ بیشک اللہ تمہیں عدل و احسان کا حکم دیتا ہے

زراعتی ٹیکس کا تذکرہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیتوں میں کیا گیا ہے:

(۲) یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ (پ ۳ ع ۴) اے ایمان والو اپنی پاک کمائی سے خرچ کرو اور اس سے جو ہم نے تمہاری زمین سے پیدا کیا ہے۔

(۳) کُلُوْا مِنْ ثَمَرِہٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّہٗ یَوْمَ حَصَادِہٖ (پ ۸ ع ۱۷) اللہ کی اس پیداوار کے پھل کھاؤ اور جس دن فصل کاٹو اللہ کا حق ادا کرو۔

زمانۂ خلافت میں ٹیکس کے قاعدہ و قانون اور افسران کے تقرر وغیرہ میں دو بنیادی باتیں ملحوظ تھیں:

(۱) کاشتکاروں کے لیے آسانیاں (۲) پیداوار میں اضافہ کر کے عام خوشحالی کی فضا

Marfat.com

پیدا کرنا۔

اسی کے پیشِ نظر اس وقت ٹیکس کی دو صورتیں مقرر تھیں:

(۱) مقررہ لگان (۲) اور فصل کا حصّہ

اور اسی کے پیشِ نظر یہ دونوں ٹیکس درج ذیل لوگوں سے وصول کیے جاتے تھے۔

(۱) مقررہ لگان۔ خراج کی صورت میں یہ ٹیکس غیر مسلم سے اور بعض صورتوں میں مسلم سے بھی لیا جاتا تھا جو فصل کے حصہ کے مقابلہ میں اکثر کم ہوتا تھا اور مقررہ ہونے کی وجہ سے اس میں کسی قسم کے ظلم اور زیادتی کا امکان نہ رہتا تھا۔

بہت سے وہ صحابہ جنہوں نے خراجی زمینیں خریدی تھیں وہ بھی یہی ٹیکس ادا کیا کرتے تھے۔ ابوبکر جصاص کہتے ہیں:۔

فدل علی انہ کسائر الحقوق اللازمۃ مثل الزکوٰۃ والکفارات لاعلی وجہ الصغار والذلۃ[1]	اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مقررہ لگان کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسے زکاۃ، کفارہ وغیرہ دیگر حقوق لازمہ کی ہے اس میں کسی قسم کی ذلت و رسوائی نہیں ہے۔

(۲) فصل کا حصّہ۔ مسلم چونکہ اپنی ہر چیز قربان کر دینے کا عہد کرتا ہے اس لیے اس سے "عشر" کی صورت میں ہر فصل پر ایک مقررہ حصّہ وصول کیا جاتا تھا جس کی مقدار میں محنت اور اخراجات کی کمی بیشی سے تبدیلی ہوتی رہتی تھی اور سال میں کئی فصل ہونے کی صورت میں اکثر مقررہ لگان سے زیادہ ہو جاتا تھا۔

یہ دونوں ٹیکس مندرجہ ذیل آراضی سے وصول کیے جاتے تھے۔

فصل کا حصہ عشری زمین سے وصول کیا جاتا تھا۔

فصل کا حصہ جس زمین سے وصول کیا جاتا اسے عشری زمین کہتے تھے اور اس کی تفصیل یہ ہے:۔

---

[1] احکام القرآن ج ۳ ص ۱۲۷۔

Marfat.com

(۱) جس زمین کے باشندے اسلام قبول کر لیتے ان کی زمینیں مدینہ، طائف، بحرین، مکہ وغیرہ کی زمینیں عشری تھیں۔

(۲) جو ممالک غلبہ سے فتح کیے جاتے اور زمینیں غازیوں میں تقسیم کردی جاتیں ان کی زمینیں عشری ہوتی تھیں جس طرح رسول اللہ نے خیبر کا کچھ حصہ غازیوں میں تقسیم کر دیا تھا

(۳) اسلامی مقبوضہ کی پڑتی زمینیں جن کو خلافت کی اجازت سے کوئی مسلمان قابلِ کاشت بناتا اس سے پہلے وہ جیسی بھی رہی ہوتیں لیکن مسلم کے قابلِ کاشت بنانے کے بعد وہ عُشری ہو جاتی تھیں۔

امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ پڑتی کی زمین اگر عُشری زمین کے قریب ہے تو عشری قرار دی جائیگی اور اگر وہ خراجی زمین کے قریب ہے تو خراجی ہوگی ۔ اور امام ابوحنیفہ و محمد فرماتے ہیں کہ پڑتی زمین کے عُشری اور خراجی ہونے کا مدار پانی پر ہے، اس کی آبپاشی عشری زمین کے پانی یا بارش اور بڑے بڑے قدرتی دریاؤں کے پانی سے کی گئی ہے تو عشری ہوگی، اور اگر ان پانیوں کے علاوہ کسی دوسرے پانی سے آبپاشی کی گئی ہے تو اس کا شمار خراجی زمین میں ہوگا۔ اور اگر ایسی صورت ہو کہ اس کی آبپاشی عشری اور خراجی دونوں پانیوں سے کی گئی ہو تو وہ بھی عشری ہوگی۔

فقہار کے نزدیک عشری اور خراجی پانی کی تفصیل یہ ہے:-

عُشری زمین کے کنوئیں کا پانی، چشمے اور بارش اور تمام قدرتی پانی عُشری پانی قرار دیے جائینگے اور خراجی زمین کے کنوئیں کا پانی اور اہلِ عجم کی کھدائی ہوئی نہروں کا پانی خراجی پانی ہوگا۔

(۴) خلافت کی جانب سے دیے ہوئے تمام قطائع عشری زمین میں داخل ہوتے تھے۔

(۵) کوئی مسلمان اپنے گھر یا باغ کو کھیت بنا لیتا تو وہ زمین بھی عُشری ہوتی تھی۔

Marfat.com

(۶) لاوارث زمین خلافت کے قبضہ میں آکر عُشری ہو جاتی تھی۔ ایسی زمین کو اگر خلافت سے کوئی خریدتا یا خلافت کسی کو بطور قطیعہ دیتی تو وہ حسب سابق عُشری رہتی تھی[۱]

مذکورہ قسم کی تمام زمینیں عُشری ہوتی تھیں خواہ وہ دارالاسلام میں پائی جاتیں یا دارالحرب میں یمکن ہے اس موقع پر بعض حضرات کو شامی کتاب الزکوٰۃ باب الرکاز" کی اس ——— عبارت سے شبہ ہو کہ دارالحرب کی زمینیں "عشری" نہ ہوتی تھیں اگرچہ مسلم ہی کے پاس ہوں۔

"دارالحرب کی زمین نہ عشری ہوتی ہے اور نہ خراجی"

اس کی حقیقت یہ ہے کہ عبارت مذکورہ میں دارالحرب کی ساری زمینیں مراد نہیں ہیں بلکہ خاص حربیوں کی وہ زمینیں مراد ہیں جو ان کے قبضہ اور ملک میں ہوں کیونکہ دارالحرب کے جو باشندے اسلام قبول کر لیتے ان کی زمینیں عام قانون کے تحت آکر عُشری ہو جاتی تھیں۔ جیسا کہ قاضی ابو یوسف کے ہمعصر یحییٰ بن آدم قرشی کے ——— قول سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

وکل من اسلم من خلق اللہ قبل	جہاد سے پہلے جو شخص بھی اسلام قبول کریگا
القتال فھو احرار مسلمون وارضھم	وہ آزاد ہوگا اور اس کی زمین عشری ہوگی
ارض عشر لانھم اسلموا قبل ان	اس وجہ سے کہ ایسے شخص نے مسلمانوں
یظھر علیھم المسلمون وقبل ان	کے غلبہ پانے اور خراج مقرر کرنے سے پہلے
یجری علیھم الخراج[۲]	اسلام قبول کیا ہے

باقی رہی دارالحرب کی وہ زمین جس کا تعلق نہ مسلمانوں سے ہو اور نہ اسلامی حکومت سے تو وہ زمین بیشک نہ عُشری ہوگی اور نہ خراجی۔ عُشری نہ ہونے کی وجہ تو ظاہر ہے اور خراجی اس لیے نہ ہوگی کہ اس زمین سے ابھی اسلامی حکومت کا کوئی تعلق نہیں قائم ہوا ہے نہ فتح حاصل کی گئی ہے اور نہ مصالحت ہوئی ہے اس بنا پر اس زمین پر نہ خراجی ہونے کا حکم لگا سکتے ہیں اور نہ عُشری ہونے کا۔ رہی یہ بات کہ اسلام قبول کرنے کے بعد جس

---

[۱] الاموال ص ۵۰۳ و عالمگیری ج، و شامی باب العشر والخراج والجزیہ [۲] الخراج لیحیٰی ص ۲۸

زمین کے باشندے مرتد ہو جائیں یعنی اسلام سے پھر جائیں تو وہ زمین اسلام کی زمین رہیگی یا حرب کی ہو جائیگی، اور کب اس پر دار الحرب ہونے کا حکم لگائینگے ان تمام باتوں کے جواب پر ذیل کی تصریح روشنی ڈالتی ہے۔ اس بارے میں فقہ کی تصریحات کا خلاصہ یہ ہے:

جس زمین کے سب باشندے مرتد ہو جائیں اور جو تھوڑے مسلم یا ذمی باقی بچے ہوں ان پر بھی مرتدوں ہی کا غلبہ ہو جائے اور اسلامی قانون کی جگہ مرتدوں کا قانون چلنے لگے تو وہ حرب کی زمین ہو جائیگی' چاہے وہ دار الحرب سے متصل ہو یا متصل ہو

امام ابو یوسفؒ اور محمدؒ کا یہی مسلک ہے اور یہی مفتی بہ قول ہے۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کسی زمین کو حرب کی زمین قرار دینے کے لیے دو شرطیں اور ہیں (۱) وہ زمین دار الحرب سے متصل ہو اس طرح کہ درمیان میں اسلام کی زمین نہ ہو (۲) اور اس زمین میں نہ مستامن رہ جائیں اور نہ ذمی۔ اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہ پائی جائیگی تو وہ امام صاحب کے نزدیک ارض حرب نہ قرار دی جائیگی[۱]

اور اگر ایسی شکل ہو کہ اسلامی ملک پر غیر مسلموں کا قبضہ ہو جائے اور وہ مسلمانوں کے اموال پر اپنا پورا قبضہ واقتدار جمالیں تو اس صورت میں وہ مسلمانوں کے اموال کے مالک ہو جائینگے اور اسی حیثیت سے معاملات کے فیصلے کیے جائینگے، جیسا کہ قاضی ابو یعلیٰ کہتے ہیں:

وما غلب علیہ المشرکون من اموال المسلمین واحرزوہ ملکوہ[۲]	مسلمانوں کے جن اموال پر مشرکین کا غلبہ ہو جائے اور وہ اس کو محفوظ کرلیں تو مالک ہو جائینگے۔

جس طرح غیر مسلم حکومتیں باہمی جنگ و جدال کے بعد ایک دوسرے کے اموال پر قابض ہو کر ان کی مالک ہو جاتی ہیں اسی طرح مسلم اور غیر مسلم حکومتوں کا معاملہ ہوگا[۳]

[۱] مختصر الطحاوی ص ۲۹۵ [۲] الاحکام السلطانیہ ص ۱۲۹ [۳] ہدایہ جلد اول ص ۵۵۹

Marfat.com

اس موقع پر ایک اور بات قابل ذکر ہے، وہ یہ کہ خلافت کو اختیار رہے کہ حسب حاجت و مصلحت عشری زمین کو خراجی میں تبدیل کرے اور بجائے عشر کے اس زمین سے خراج وصول کرنے کا حکم نافذ کر دے۔

اسی طرح خراجی زمین کو عشری میں تبدیل کر کے بجائے خراج کے اس سے عشر وصول کرے۔ اس بارے میں محققین کا یہی مسلک ہے اور امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف کی یہی رائے ہے۔[1]

مقررہ لگان خراجی زمین سے لیا جاتا تھا۔

زمانۂ خلافت میں جس زمین سے لگان وصول کیا جاتا اُسے خراجی زمین کہتے تھے اس کی تفصیل یہ ہے:

(۱) جو زمین غلبہ سے فتح کر کے اصل باشندوں کے پاس رہنے دی جاتی تھی مثلاً سواد، اہواز، فارس، کرمان، اصفہان، رے، بصرہ اور خراسان کے علاقوں، شام کے شہروں کے علاوہ مصر اور مغرب وغیرہ کی زمینیں خراجی تھیں۔

ایسی زمین کے باشندے اگر اسلام قبول کر لیتے تو حسب سابق لگان ہی وصول کیا جاتا تھا، تاکہ غیر مسلم ہونے کی حالت میں انہیں جو سہولتیں حاصل تھیں وہ حتی الامکان باقی رہیں۔ اور اگر اسلام قبول کرنے کے بعد ــــ عشر کی صورت میں ان سے فصل کا حصہ لیا جاتا تو ممکن تھا کہ اس ٹیکس کی دشواری ان کے اسلام قبول کرنے میں رکاوٹ کا سبب بنتی۔ اسی مصلحت کے پیش نظر خلافت ایسے لوگوں سے حسب سابق لگان ہی وصول کرتی تھی۔

اس سلسلہ میں فقہ کی تصریح درج ذیل ہے:۔

ومن اسلم من اھل الذمۃ ولہ ارض خراج کانت بعد اسلامہ — ذمیوں میں سے جو شخص اسلام قبول کر لے اور اس کے پاس خراجی زمین ہو تو وہ حسب

---

[1] الاحکام السلطانیہ للماوردی وکتاب الخراج لابی یوسف باب القطائع وحاشیہ الاحکام السلطانیہ للقاضی ابو یعلیٰ ص ۱۵۴۔

Marfat.com

علی ما کانت علیہ قبل ذالک[1] سابق خراجی ہی رہیگی۔

اسی طرح خراجی زمین کو اگر کوئی مسلمان خرید لے تو وہ حسب سابق خراجی رہیگی، اس صورت میں ملکیت کی تبدیلی سے زمین کی نوعیت میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی[2]

(۲) جس زمین کے باشندے صلح کر لیتے تھے ان کی زمینیں بھی خراجی ہوتی تھیں جیسے بیت المقدس، دمشق، بلادِ جزیرہ، بصرہ اور خراسان کے کچھ علاقے وغیرہ۔

صلح کی زمین کے باشندے اگر اسلام قبول کر لیتے تو ان لوگوں سے حسب سابق لگان ہی لیا جاتا تھا اور ان کی زمینیں خراجی باقی رہتی تھیں۔

(۳) عُشری زمین اگر کسی غیر مسلم کے ہاتھ فروخت کر دی جاتی تو وہ خراجی ہو جاتی تھی اور بجائے عُشر کے لگان لیا جاتا تھا۔ اس صورت میں ملکیت کی تبدیلی سے زمین کی نوعیت بدل جاتی تھی، تاکہ عُشر کی ادائیگی کے لیے مسلم کاشتکار کو جن جن ذمہ داریوں اور دشواریوں سے گزرنا پڑتا ہے غیر مسلم ان سے سبکدوش رہیں۔ اسی بنار پر زمانۂ خلافت میں عُشر کا محل مسلم قرار دیا جاتا تھا نہ کہ غیر مسلم[3]

البتہ یہ بات واضح رہے کہ ائمۂ قانون کے نزدیک فروخت کی صورت میں زمین کی نوعیت میں یہ تبدیلی اسی وقت ہوتی ہے جبکہ ٹھیک ٹھیک اصول کے مطابق خرید و فروخت کا معاملہ کیا جائے اور اس کے بعد خریدنے والے کی ملکیتِ صحیحہ اس پر قائم ہو جائے اور اگر ایسی صورت ہو کہ اس معاملہ کے بعد حق شفعہ کی بنار پر وہ زمین خریدنے والے کے پاس سے نکل گئی ہو تو پھر اس کی وجہ سے زمین کی نوعیت میں یہ تبدیلی واقع نہ ہوگی۔

خراجی اور عُشری زمین کی تفصیل کے بعد اب ہم خراج (مقررہ لگان) اور عُشر (فصل کا حصہ) کو الگ الگ بیان کرتے ہیں تاکہ یہ حقیقت واضح ہو سکے کہ زمانۂ خلافت میں ٹیکس کے قانون، مقدار اور طریق تحصیل وغیرہ میں کاشتکاروں کی آسانی اور پیداوار میں اضافہ کا کس حد

---

[1] مختصر الطحاوی ص ۶۸؛ [2] ایضاً [3] الخراج ص ۶۹ و ہدایہ ج ۱

Marfat.com

تک لحاظ رکھا گیا تھا۔ نیز یہ بات کہ رعایا اور کاشتکار اس نظام سے کس قدر مطمئن تھے اور اسلام ان کے لیے کس طرح رحمت و سلامتی کا پیغام ثابت ہوا تھا

مقررہ لگان

لگان کے ہر قانون اور مقدار کی تعیین میں عدل و احسان کا لحاظ کیا جاتا تھا

یہ بات اوپر بتائی جا چکی ہے کہ زمانۂ خلافت میں ٹیکس کے قوانین اور مقدار کے بارے میں دو بنیادی اصول ملحوظ تھے (۱) عدل اور (۲) احسان۔

عدل کا تقاضا تھا کہ تمام کاشتکاروں سے حسب حیثیت ٹیکس وصول کیا جائے تاکہ —— وہ مطمئن ہو کر پیداوار میں اضافہ کا سبب بنیں اور عام خوشحالی کی فضاء پیدا کرنے میں مددگار ثابت ہوں اور احسان کا تقاضا یہ تھا کہ جو مقدار ان کی حاجت اور ضرورت سے زائد ہو بس اسی میں سے ٹیکس لیا جائے اور اگر زائد نہ ہو تو ایسی صورت میں بالکلیہ معاف کر دیا جائے

دستورِ الٰہی میں عدل اور احسان —— دو ایسے لفظ ہیں جو ٹیکس کے بارے میں خلافت کی پالیسی کو متعین کرتے ہیں، بالخصوص احسان کا حکم عدل کے ساتھ نہایت غور طلب ہے جو تحصیل وصول کرنے والوں کا زاویۂ نگاہ بھی بدل دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کاشتکاروں کے ساتھ صرف عدل ہی کا معاملہ نہیں ہے بلکہ اس کی خوشحالی اور بہتری کے لیے اس کے ساتھ احسان اور سلوک کا برتاؤ بھی ہے جس سے ایک طرف تو یہ ہوتا ہے کہ کاشتکار مفادِ خلق کے لیے اپنی ہر چیز کو قربان کر کے کاشت کا انتظام کرتا ہے اور دوسری طرف حکومت خلافت اس کے ساتھ ہر قسم کے احسان و سلوک کرنے میں سبقت کرتی ہے، غرض اس طرح فاستبقوا الخیرٰت (نیکیاں اور بھلائی کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لیجاؤ) کی ایک عملی تصویر سامنے آجاتی ہے۔

Marfat.com

زمین، کاشتکار، کاشتکاری کے اخراجات اور محنت تینوں پر نظر رکھنا ضروری تھا۔ | اسلام کے ان دو بنیادی اصولوں پر عمل کرنے کے لیے زمانہ خلافت میں ٹیکس مقرر کرنے سے پہلے تین

چیزوں پر غور کیا جاتا تھا (۱) زمین کو پیداوار (۲) کاشتکار اور (۳) کاشتکاری کے اخراجات اور محنت۔ جیسا کہ ان تصریحات سے اس پر روشنی پڑتی ہے۔

قاضی ابو یعلیٰ کہتے ہیں :-

لابد لواضع الخراج من اعتبار	خراج مقرر کرنے والے کے لیے ہماری بیان کردہ
ما وصفنا من الاوجه الثلاثة	تینوں چیزوں پر نظر رکھنا ضروری ہے وہ تینوں
من اختلاف الارضين واختلاف	یہ ہیں، زمینوں کا اختلاف، پیداوار کا اختلاف
الزروع واختلاف الشرب ليعلم	آبپاشی کا اختلاف تاکہ زمین کی حیثیت کے
قدر ما تحتمله الارض من خراجها	مطابق خراج کی مقدار کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہو سکے

ٹیکس کے بارے میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنے کوفہ کے گورنر کو یہ فرمان لکھا تھا

ان اقوم الدين العدل والاحسان	اس سلسلہ میں بہترین طریقہ اور عمدہ قانون عدل
وان لا تحمل خرابا على عامر ولا	واحسان ہے آباد اور غیر آباد زمین میں فرق کرنا آباد
عامرا على خراب ولا تاخذ من	کو غیر آباد نہ سمجھ لینا اور غیر آباد زمین سے وہی وصول
الخراب الا ما تطيق ولا من العامر	کرنا جو اس کی حیثیت کے موافق ہو اور آباد زمین سے
الا وظيفة الخراج فى رفق وتسكين	مقررہ لگان کے علاوہ اور کچھ نہ لینا اس میں بھی
لاهل الارض[2]	زمین والوں کی آسانی اور سہولت کو ملحوظ رکھنا

اور حضرت عمرؓ نے افسرانِ بندوبست حذیفہ بن یمان اور عثمان بن حنیف کو تاکید کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ

انظرا لا تكونا حملتما الارض ما	خوب غور سے سن لو، زمین کی حیثیت سے زیادہ

---

[1] الاحکام السلطانیہ قاضی ابی یعلیٰ ص ۱۵۱ [2] الاموال ص ۴۶۔

لا نطیق اما اللہ بقیت لادامل	ٹیکس نہ مقرر کرنا ..... اگر میں زندہ رہا تو عراق کی
اھل العراق لا دعھن لا یحتجن	بیواؤں کو ایسا بنا دونگا کہ وہ میرے بعد کسی
الی احد بعدی [1]	کی محتاج نہ رہینگی۔

سماج میں بالعموم عورت کمزور سمجھی جاتی ہے پھر کاشتکار گھر کی بیوہ تو بیچاری نہایت ہی مجبور اور بے بس ہوتی ہے جس کے پاس زندگی بسر کرنے کے لیے اس کے شوہر کے مرجانے کے بعد کوئی ظاہری سہارا نہیں رہ جاتا ہے لیکن اسلامی حکومت کے خلیفہ کی نظر ایسوں پر زیادہ ہوتی ہے اور انہی لوگوں کی خوشحالی اور فارغ البالی کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ خلافت کے فرائض انجام دیتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا یہ فرمان اس سماج کے بالمقابل تھا جس میں طاقتور کاشتکار کو بھی عزت اور آرام کے ساتھ پیٹ بھر روٹی نصیب نہ ہوتی تھی۔ حضرت علیؓ نے مقدار کے تعین کے بارے میں فرمایا تھا:

انا امرنا ان ناخذ العفو یعنی	ہم صرف اس بات کا حکم دیے گئے ہیں کہ جو کچھ کاشتکار
الفضل [2]	کی ضرورت سے بچ جائے وہی وصول کریں۔

اگر کاشتکار کے ذمہ پہلے کا بقایا رہ جاتا تو اس کے وصول کرنے میں بھی یہی اصول ملحوظ رہتا تھا، اگر ان کی حاجت سے زائد میں گنجائش ہوتی تو بقایا وصول کیا جاتا تھا ورنہ چھوڑ دیا جاتا تھا [3]

ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس ان کے گورنر عدی بن ارطاۃ کا شکایتی خط اس مضمون کا آیا:-

امابعد فان اناسا قبلنا لا	امابعد۔ ہماری طرف لوگوں کا یہ حال ہے کہ جب تک
یؤدون ما علیہم من الخراج	انہیں سزا نہ دی جائے وہ لگان ادا کرنے کا نام

---

[1] الخراج ص ۳۷ [2] الخراج لیحیٰی ص ۷۵ [3] الخراج لابی یوسف ص ۱۱۹

Marfat.com

حتی یمسہم من العذاب	ہی نہیں لیتے ہیں۔

وہ اس خط سے وصول تحصیل کے سلسلہ میں کچھ سزا دینے کی اجازت چاہ رہے تھے لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کے جواب میں جو تہدیدی خط لکھا تھا وہ نہایت غور طلب ہے اس کا مضمون یہ تھا:۔

فالعجب کل العجب من استئذانك	کس قدر تعجب کی بات ہے کہ تم مجھ سے انسانوں کو
ایای فی عذاب البشر کانی جنة	سزا دینے کی اجازت چاہتے ہو، کیا میں اللہ کے
لك من عذاب اللہ وکان	عذاب سے بچاؤ کے لیے ڈھال بنجاؤنگا اور میری
رضای ینجیك من سخط اللہ	رضامندی تمہیں اللہ کے غیظ و غضب سے نجات
اذا اتاك کتابی ھذا فمن	دلادیگی۔ دیکھو غور سے سن لو جس قدر ان کے ذمہ
اعطاك ما قبلہ عفواً والا	پہلے کا بقایا ہے اگر وہ اپنی حاجت سے زائد میں سے
فاحلفه فواللہ لان یلقوا	ادا کریں تو قبول کر لو ورنہ چھوڑ دو۔ اللہ کی قسم
اللہ بجنایاتہم احب الی من	یہ لوگ اپنے قصوروں کے ساتھ اللہ کے دربار
القاہ بعذابہم[1]	میں حاضر ہوں یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ
	میں انہیں سزا دے کر حاضر ہوں۔

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا

ان الراعی مسئول عن رعیته	راعی (حاکم و منتظم) سے اس کی رعایا اور ماتحت کے
فلا بد له من ان یتعھد	متعلق قیامت کے دن بازپرس ہوگی اس لیے ضروری
رعیته بکل ما ینفعہم اللہ	ہے کہ رعایا اور ماتحت کی ان تمام باتوں کی خبرگیری
به ..... فان من ابتلی	کی جائے جن سے اللہ ان کو نفع دے جو شخص رعایا کے
بالرعیة فقد ابتلی بامر عظیم[2]	بارے میں امتحان و آزمائش سے دوچار ہوا تو یاد رکھو

[1] الخراج لابی یوسف ص ۱۱۹ [2] ایضاً

Marfat.com

الغرض زمانۂ خلافت میں ٹیکس مقرر کرنے سے پہلے زمین اور کاشتکار کی حالت اور کاشتکاری کے اخراجات او محنت پر نظر رکھنا ضروری ہوتا تھا تاکہ کسی حیثیت سے نہ کاشتکار کی حق تلفی ہونے پائے اور نہ اس کی برداشت سے زیادہ اس پر بار پڑے اور نہ ظلم وزیادتی کا شائبہ پایا جائے۔ اسی وجہ سے زمانۂ خلافت میں خراج کی مقداریں مختلف نظر آتی ہیں حضرت عمرؓ نے سوادِ عراق کا جو خراج مقرر کیا تھا وہ عراق کے دوسرے اطراف سے مختلف تھا۔ اسی طرح شام کے خراج کی مقدار عراق کی مقدار سے مختلف تھی۔ یہی حال دیگر تمام مفتوحہ ممالک اور علاقوں کا تھا یعنی ہر جگہ کے حالات و مقامات کے پیشِ نظر وہاں کا بندوبست کیا جاتا تھا اور اسی بات کا لحاظ کرنا ضروری ہوتا تھا کہ خراج کی مقدار وصول کر لینے کے بعد کاشتکار کے پاس اتنا بچ رہے کہ اس سے وہ اپنی ہنگامی اور مستقل ضرورتیں پوری کر سکے۔ جیساکہ درج ذیل عبارت سے یہی حقیقت واضح ہوتی ہے

ولا یستقصی فی وضع الخراج	خراج مقرر کرنے میں قوت برداشت کی آخری حد
غایة ما تحتمله لیجعل فیه	تک نہ پہنچا جائے (بلکہ اس میں گنجائش رکھی جائے)
لارباب الارض بقیة یجبرون	تاکہ صاحبِ زمین بقیہ جو بچ رہے اس کے ذریعہ اپنی
بها النوائب والجوائح [1]	آفتیں اور مصیبتیں دور کر سکے۔

لگان کی کمی اور معافی کے قانون میں بنیادی حیثیت سے کاشتکار کی سستی اور غفلت کو دخل ہوتا تھا۔ لگان کی کمی اور معافی کے جملہ قوانین میں دستوری حیثیت سے کاشتکار کی غفلت اور سستی کو دخل ہوتا تو اس صورت میں لگان ادا کرنا پڑتا تھا، تاکہ آئندہ کے لیے کاشتکار کو تنبیہ ہو اور انفرادی تغافل اجتماعی مفاد کی پائمالی کا سبب نہ بننے پائے۔ اور اگر صورتِ حال اس کے برعکس ہوتی یعنی پیداوار کے نہ ہونے یا کم ہونے میں کاشتکار کی غفلت اور سستی کو دخل نہ ہوتا تو ایسی صورت میں لگان معاف کر دیا جاتا تھا اور کم پیداوار ہونے کی صورت میں اسی تناسب سے کم کر دیا

[1] الاحکام السلطانیہ للماوردی والقاضی ابو یعلیٰ ص ۱۴۹ [2] ایضاً

Marfat.com

جاتا تھا جیسا کہ کتاب الخراج کی عبارت سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے۔

والا وضع علیھم ما تحتملہ الارض ورنہ زمین کی حیثیت اور طاقت کے موافق
وظیفۃ[1] خراج مقرر کیا جائے۔

قاضی ابویعلیٰ نے اس سلسلہ میں جو تفصیلات بیان کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

کھیت میں اگر اس قسم کا تغیر ہو جائے جس کی بنا پر خراج کم کرنا پڑے یا زیادہ کی گنجائش نکل آئے تو دیکھا جائیگا کہ یہ تغیر کس کی جانب سے ہوا ہے، اگر کاشتکار کی جانب سے کمی بیشی کے اسباب پائے گئے ہیں تو خراج دونوں صورتوں میں حسب سابق ہی وصول کیا جائیگا یعنی کاشتکار کی نئی جدت ومحنت کی بنا پر اگر پیداوار بڑھ گئی ہو تو خراج کی مقدار میں اضافہ نہ کیا جائیگا اور اس کی کسی کوتاہی کی بنا پر پیداوار میں کمی آگئی ہے تو خراج کی مقدار میں کمی نہ کی جائیگی۔ اور اگر ایسی صورت ہو کہ پیداوار کے نہ ہونے میں کاشتکار کی کوتاہی وسستی وغیرہ کو کوئی دخل نہیں ہے بلکہ کسی ناگہانی آفت کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہے تو خلافت کے ذمہ اس کا انتظام وانسداد ضروری ہے اور جب تک وہ زمین قابلِ کاشت نہ ہو جائے اس وقت تک اس کا خراج ساقط ہوگا، اور اگر وہ زمین بالکل انتفاع کے قابل نہیں رہ گئی ہے تو بالکلیہ اس کا خراج ساقط ہو جائیگا۔ البتہ اگر انتفاع کی شکل بدل گئی ہے یعنی اس زمین پر کاشت تو نہیں کی جاسکتی ہے لیکن اس کو چراگاہ بنایا جاسکتا ہے یا شکار کے لیے وہ مقام مناسب ہو سکتا ہے تو ایسی صورت میں قابلِ کاشت زمین جیسا خراج نہ واجب ہوگا، بلکہ چراگاہ اور شکار کی جگہ کا جو خراج مناسب ہو وہ مقرر کر دیا جائیگا۔ اس زمین کا حکم "موات" کی زمین جیسا نہ ہوگا کیونکہ موات کی زمین میں جو چراگاہ اور شکار کے مواقع ہوتے ہیں چونکہ اس میں سب شریک ہیں اور وہ تمام لوگوں کے لیے مباحِ عام ہے اس لیے کسی پر اس کا خراج نہیں ہے اور مذکورہ بالا صورت میں اس کا مالک موجود ہے، اس لیے حسبِ صوابدید مالک کو خراج ادا

---

[1] الخراج ص ۸۶۔

Marfat.com

کرنا پڑیگا۔ رہ گئی یہ بات کہ اگر کسی اتفاقی امر کی وجہ سے اس کی پیداوار بڑھ گئی ہے تو دیکھا جائیگا کہ اگر یہ شکل عارضی ہے تو اس کی وجہ سے خراج میں اضافہ نہ ہوگا اور دوامی و مستقل ہے تو خلافت کو حالات و مقامات کے لحاظ سے بڑھانے کا اختیار ہے[1]

معافی اور کمی کے بارے میں فقہ کی یہ تفصیلات ہیں:

(۱) سیلاب آجائے یا پیداوار خشک سالی کی نذر ہو جائے یا اور کسی آفتِ سماوی کی وجہ سے کھیتی ضائع ہو جائے تو ان تمام صورتوں میں اس سال کا لگان معاف ہو جائیگا[2]

(۲) اگر کوئی ایسی آفتِ سماوی نہ ہو کہ جس سے بچاؤ ناممکن ہو لیکن کاشتکار کے تغافل کی وجہ سے کھیتی کا تحفظ نہیں ہو سکا ہے تو اس صورت میں لگان ادا کرنا پڑیگا[3]

(۳) ٹڈی دل یا درندے اور چوپائے کھالیں یا چوہے کیڑے وغیرہ لگ جائیں جس کی وجہ سے کھیتی تباہ و برباد ہو جائے تو اگر ان تمام چیزوں کی نوعیت ایسی ہے کہ کاشتکار کے امکانی جدوجہد کے باوجود پیداوار کا تحفظ نہیں ہو سکا ہے تو لگان معاف ہو جائیگا، ورنہ ادا کرنا پڑیگا۔

(۴) مذکورہ بالا صورتوں میں کھیتی تباہ نہ ہو بلکہ پیداوار میں کمی ہو جائے تو اس کمی کی مقدار کا لگان معاف ہو جائیگا اور بقیہ کا ادا کرنا پڑیگا[4]

(۵) نقدی لگان اور بٹائی دونوں کا یکساں حکم ہے لیکن ان دونوں صورتوں میں معافی اسی وقت ہوگی جبکہ کھیتی تباہ ہو جانے کے بعد سال کے اندر اتنی مدت باقی نہ رہ جائے کہ دوبارہ اس میں کاشت کی جاسکے۔ اور اگر سال میں اتنی مدت باقی بچتی ہے کہ اس میں دوسری فصل تیار ہو سکیگی تو ایسی صورت میں لگان ادا کرنا پڑیگا[5]

(۶) پیداوار کی کمی کی صورت میں خلافت کو اختیار رہے کہ کاشتکار کی حالت دیکھ کر

---

[1] الاحکام السلطانیہ قاضی ابویعلی ص ۱۵۲۔ [2] الدر المختار ج ۲ [3] ایضاً
[4] عالمگیری و فتاویٰ الاوتار باب العشر والخراج [5] عالمگیری باب العشر والخراج۔

Marfat.com

مناسب ہو تو بالکلیہ اس سال کا لگان معاف کر دے[1]۔

زمانۂ خلافت میں جس طرح لگان کے مقرر کرنے میں حالات و مقامات کے پیش نظر خلافت کے اختیارات وسیع ہوتے تھے بالکل اسی طرح اس کی کمی بیشی اور معافی کے سلسلہ میں حالات و مقامات کے لحاظ سے اس کے اختیارات وسیع ہوتے تھے۔

لگان کی کمی اور معافی کے قوانین حکومت اور صاحبِ زمین دونوں کے لیے یکساں ہیں

(۷) مذکورہ بالا تمام قوانین حکومت اور صاحبِ زمین دونوں کے لیے عام ہیں حکومت کسی کو لگان پر زمین دے یا صاحبِ زمین کسی کو کرایہ پر زمین دے، معافی اور کمی کرنے کے بارے میں دونوں کا یکساں حکم ہے یعنی پیداوار کے برباد ہو جانے کی صورت میں اگر کاشتکار کی غفلت اور سستی کو دخل نہیں ہے تو صاحبِ زمین کرایہ لینے کا کوئی حق نہیں رکھتا ہے اور کم پیداوار ہونے کی صورت میں پورا کرایہ وصول کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا ہے جس طرح حکومت کو یہ حق نہیں ہے۔ فقہ میں ہے۔

وکذا حکم الاجارۃ فی الارض المستاجرۃ[2] — کرایہ والی زمین میں کرایہ کی کمی اور معافی کا یہی حکم ہے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک آفت کی وجہ سے کھیتی تلف ہو جانے کی صورت میں یہ تفصیل ہے:

اگر کاشتکار نے زمین کرایہ پر لے کر اس میں کھیتی کر لی پھر کسی آفت کی وجہ سے وہ کھیتی تباہ ہو گئی یا سیلاب میں ڈوب گئی تو چونکہ زمین کو اس نے استعمال کیا ہے اس لیے اس کا کرایہ دینا پڑیگا لیکن اگر ایسی صورت ہو کہ کھیتی کرنے سے پہلے ہی زمین غرق ہو گئی ہے جس کی وجہ سے اس زمین کو وہ استعمال نہیں کر سکا ہے تو کرایہ معاف ہو جائیگا[3]۔

---

[1] الخراج ص ۸۶ [2] در المختار باب العشر والخراج [3] فتاوی قاضی خاں ج ۲ و کتاب الاجارات ص ۳۰۳۔

Marfat.com

امام صاحب کے علاوہ ائمہ قانون کی ایک جماعت کا وہی مسلک ہے جو اوپر مذکور ہو چکا ہے۔

مناسب یہ ہے کہ کوئی قانون نافذ کرنے سے پہلے کاشتکار اور صاحبِ زمین دونوں کی حالت پر غور کیا جائے۔ اگر صاحبِ زمین حاجتمند ہو اور کاشتکار خوشحال تو صاحبِ زمین کو کرایہ دلایا جائے اور اگر صورتِ حال اس کے برعکس ہو تو کرایہ معاف کر دیا جائے۔

(۸) فصل کاٹنے کے بعد اگر پیداوار تلف ہو جائے تو اس صورت میں لگان ادا کرنا پڑیگا۔ کیونکہ عموماً ایسی صورتیں پیداوار کی حفاظت میں کاشتکاروں کی کوتاہی کے سبب سے پیدا ہوتی ہیں[۱]

(۹) زمین میں پتاور، نرکل اور گھاس وغیرہ ہو یا جھاڑی، جھاؤ کا جنگل اور بید صنوبر وغیرہ کے درخت ہوں (جو پھلدار نہیں ہوتے ہیں) یا کھاری زمین ہو تو ان تمام صورتوں میں دیکھا جائیگا کہ اگر کوشش کرنے کے باوجود پیداوار نہیں ہو سکتی ہے تو لگان معاف ہوگا، ورنہ ادا کرنا پڑیگا[۲]

(۱۰) کھیتی کر سکنے کے باوجود کاشتکار نے کھیت کو خالی چھوڑ رکھا ہے تو حقوقِ عامہ پامال کرنے کے جرم میں اس سے لگان وصول کیا جائیگا اور اگر بٹائی پر معاملہ ہو تو ایسی صورت میں اس پر کچھ واجب نہ ہوگا

(۱۱) جس زمین میں ہر سال کاشت نہ کی جا سکے بلکہ درمیان میں ایک سال کا وقفہ ضروری ہو تو خراج مقرر کرنے میں ابتداءً اس کا لحاظ ضروری ہے[۳]

(۱۲) کئی سال کا لگان ادا نہ کرنے کی صورت میں امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ گزشتہ سالوں کا لگان معاف ہے اور ابو یوسفؒ و محمدؒ کہتے ہیں کہ کاشتکار کو خوشحالی کے وقت

---

[۱] ردالمحتار باب العشر والخراج [۲] ایضاً [۳] درالمختار باب العشر والخراج

[۴] الاحکام السلطانیہ قاضی ابو یعلیٰ ص ۱۵۳۔

Marfat.com

تک مہلت دی جائے اور خوشحالی کے بعد گزشتہ سال کا لگان اس سے وصول کیا جائے[۱]

قاضی ابو یعلی کہتے ہیں

ومن اعسر بخراجہ انظر بہ الی یسارہ ولم یسقط بالاعسار[۲] اور جو شخص تنگدستی کی وجہ سے خراج نہ ادا کر سکے تو اس کو خوشحالی تک مہلت دی جائے تنگدستی کی وجہ سے خراج ساقط نہ ہوگا۔

بہر حال یہ معاملہ خلافت کی صوابدید پر موقوف ہے۔ صاحبِ زمین کو بالخصوص بقایا کرایہ وصول کرنے میں اس آیت پر نظر رکھنی چاہیے۔

وَاِنْ کَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰی مَیْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۲۸۰/۲) اگر مقروض تنگدست ہو تو اسے فراخی حاصل ہونے تک مہلت دی جائے اگر تم اس حقیقت کو سمجھتے ہو تو معاف کر دینا تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے

چونکہ خلافتِ الٰہی میں لگان کا مقصد پیداوار میں اضافہ اور عام خوشحالی کی فضا پیدا کرنا ہوتا ہے اس لیے لگان کی معافی اور کمی کے قوانین میں کاشتکاروں کے مفاد کے ساتھ ساتھ اجتماعی مفاد کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے اور ان دونوں کو سامنے رکھ کر ہی کمی اور معافی کے اصول مقرر ہونے چاہئیں۔

(۱۳) خراجی زمین کسی کو کرایہ پر دی گئی یا مستعار دی گئی تو بہر صورت لگان صاحبِ زمین کے ذمہ ہوگا اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ کرایہ کی صورت میں صاحبِ زمین کے ذمہ ہوگا اور عاریت کی شکل میں مستعیر کے ذمہ[۳]

رومی و ایرانی قانونِ لگان اور اسلامی قانونِ لگان

ذیل میں رومی و ایرانی قانون و مقدارِ لگان اور زمانہ خلافت کے قانون و مقدارِ لگان

[۱] عالمگیری باب العشر والخراج [۲] الاحکام السلطانیہ ص ۱۵۶ [۳] ایضاً ص ۱۵۵۔ والاحکام السلطانیہ

Marfat.com

کا اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے تاکہ دونوں کا فرق معلوم ہو سکے، نیز یہ بات کہ اسلام نے اپنے پیشرو ؤں کے کن کن قوانین کو باقی رکھا اور کن کن کو ختم کر دیا تھا اور کن میں کچھ اصلاح و تغیر کے بعد قبول کر لیا تھا۔ لیکن اس کے بتانے سے پہلے یہ حقیقت واضح کر دینا ضروری ہے کہ قانون فی نفسہ کتنا ہی رعایا پرور اور اجتماعی فلاح و بہبود کے لیے مفید ہو۔ جب تک اس کے نافذ کرنے والے صاحبِ صلاحیت اور خدا ترس نہ ہوں بیکار ہے۔

آج سوال صرف اس کا نہیں ہے کہ دنیا عمدہ قوانین سے خالی ہے بلکہ اصل سوال اس بات کا ہے کہ ان قوانین پر خود قانون بنانے والے کتنا عمل کر رہے ہیں اور وہ اس کے ذریعہ دنیا کو کس قدر فائدہ پہنچا رہے ہیں

آپ دنیا کے نظاموں کا مطالعہ کر جائیے، ان کے دساتیر کی ایک ایک دفعہ کو بغور پڑھیے پھر رعایا کی حالت کو دیکھیے اس وقت صحیح اندازہ ہوگا کہ آج دنیا کے قول و عمل میں کتنا بڑا فرق ہے اور دھوکا دینے اور مکاری کرنے میں لوگ کس طرح ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اسلام نے اس سلسلہ میں جو کارنامہ انجام دیا تھا وہ یہ تھا کہ حکومت کا مزاج بدل جانے کے بعد باوجود اس کے سابق افسران اپنی اپنی جگہ بحال رکھے گئے تھے لیکن انہوں نے اپنے اپنے مذہب پر قائم رہنے کے باوجود حکومت و سیاست میں سوچنے سمجھنے کا ڈھنگ بدل دیا تھا اور ان لوگوں کے مزاج میں یہاں تک تبدیلی ہو گئی تھی کہ کہنہ مشق ظالم خلافتِ الٰہی میں منصف بن گئے تھے اور پرانے قسم کے عیش پرست ایثار پیشہ ہو گئے تھے۔ ایک طرف تو وہ اپنے آپ کو خلافت کے سامنے جواب دہ سمجھتے تھے اور دوسری طرف خدا کی حاکمیت و جلال و جبروت کا تصور اور عدالتِ عالیہ میں باز پرس کا خیال گوشۂ تنہائی میں بھی انہیں ظلم و زیادتی سے باز رکھتا تھا

عہد اسلامی سے پہلے کا عراق	ایرانیوں کے ابتدائی زمانہ میں ٹیکس پیداوار سے لیا جاتا تھا

زرعی نظام

Marfat.com

اس کی شکل یہ تھی کہ فصل تیار ہونے پر افسران بندوبست آجایا کرتے اور حسب قانون پیداوار کی بٹائی کر کے غلہ لے کر چلے جاتے تھے۔

اس صورت میں پیداوار کی بٹائی سے پہلے کاشتکار کو معمولی قسم کے تصرفات کا بھی اختیار نہ ہوتا تھا اور نہ اسے یہی حق حاصل تھا کہ اگر وہ کسی وجہ سے پیداوار کے بجائے نقد۔ رقم کی شکل میں لگان ادا کرنا چاہے تو ادا کر سکے۔

کسریٰ نوشیرواں کے والد قباد بن فیروز کے زمانہ تک ٹیکس کی ادائیگی کی یہی مذکورہ شکل تھی لیکن قباد نے زمین کی از سرِ نو پیمائش کرا کے کھیتوں پر ایک خاص شرح کا لگان مقرر کیا تھا۔ جیسا کہ ماوردیؒ کہتے ہیں

وکان السواد فی اول ایام الفرس	سواد عراق میں ایرانی حکومت کے ابتدائی
جاریا علی المقاسمة الی ان مسحہ	زمانہ میں پیداوار کی بٹائی کا طریقہ تھا قباد
ووضع الخراج علیہ قباد بن	بن فیروز نے زمین کی پیمائش کرا کے اس
فیروز[1]	پر لگان مقرر کیا۔

اس صورت میں نوشیرواں کے زمانہ تک یہ بات ملحوظ رہی تھی کہ مقررہ لگان کی مقدار اصل پیداوار کے نصف کی قیمت سے زائد نہ ہونے پائے لیکن اس کے بعد جب خسرو پرویز اور یزدگرد وغیرہ کا زمانہ آیا تو اس میں مزید اضافہ اور مختلف قسم کی تبدیلیاں کر دی گئی تھیں

قباد نے کیوں تبدیلی کی تھی اس کی وجہ مؤرخین نے یہ بیان کی ہے:۔

"قباد ایک دن شکار کے لیے گیا تھا اتفاقاً اس کا شکار درختوں کی جھاڑی میں چھپ گیا، جب وہ شکار کی تلاش میں ٹیلے پر چڑھا تو اس نے ایک عجیب منظر دیکھا کہ ایک عورت کھجور اور انار کے باغ میں کام کر رہی ہے اور اس کے پاس اس کا بچہ انار کے لیے کھڑا رو رہا ہے لیکن یہ عورت اس بچہ کو انار دینے سے انکار کرتی جا رہی ہے

---

[1] الاحکام السلطانیہ ماوردی ص ۱۲۴۔

Marfat.com

قباد اس صورتِ حال کو دیکھ کر بہت متحیر ہوا اور عورت کو بلا کر بچہ کو انار نہ دینے کا سبب پوچھا۔ عورت نے اس کو جواب دیا کہ ابھی حکومت کا افسر بٹائی کے لیے نہیں آیا ہے اسی کا انتظار ہے۔ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ اگر ایک انار بھی توڑ کر بچہ کو دے دونگی تو اس کی جواب دہی کرنی پڑیگی، اس لیے میں بچہ کو انار دینے سے انکار کر رہی ہوں یہ بات سن کر قباد بہت متاثر ہوا اور اس نے زمین کی پیمائش کا حکم دے کر لگان کی شکل میں تحصیل وصول کا طریقہ جاری کر دیا لیکن اس وقت اس کا تناسب وہی تھا جو بٹائی کی صورت میں لیا جاتا تھا۔[1]

قباد کا یہ مقررہ لگان تین قسطوں میں وصول کیا جاتا تھا اور ہر پیداوار پر تحصیل وصول کا کام جاری رہتا تھا۔ چونکہ اس میں پہلے ہی دستور کا تناسب ملحوظ رکھا گیا تھا پھر یزدگرد وغیرہ کے مزید اضافوں اور وحشیانہ سختیوں کی وجہ سے رفتہ رفتہ کاشتکاروں کی حالت جہاں تک پہنچ گئی تھی اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے اور مزید اس عراقی وفد کی زبانی سنیے جو فاروق اعظم کی خدمت میں آکر اپنی حالت کا اس طرح نقشہ کھینچتا ہے۔

یا امیر المومنین! انا قوم من اھل السواد وکان اھل فارس قد ظھروا علینا واضروا بنا ففعلوا وفعلوا حتی ذکروا النساء فلما سمعنا بکم فرحنا بکم واعجبنا ذلک فلو نرد کفکم عن شیء حتی اخرجتموھم عنا[2]	اے امیر المومنین! ہم لوگ سوادِ عراق سے آئے ہیں، ایرانی ہم پر غالب آئے تھے انہوں نے ہمیں ہر طرح سے ستایا، ہماری عورتوں تک کی بیحرمتی میں بھی ان لوگوں نے دریغ نہیں کیا ہے آپ لوگوں کی آمد کی خبر سُن کر بڑی مسرت ہوئی آپ ہمارے یہاں ضرور آئیے اور خدا کے لیے ان پارسیوں کو نکال باہر کیجیے اس سلسلہ میں ہم کسی قسم کی مداخلت نہ کرینگے۔

[1] الاحکام السلطانیہ ص ۱۶۹
[2] الاموال والخراج یحیٰی ص ۵۰

Marfat.com

یہ اسلامی رحمت و عدالت کا نظام ہی تھا کہ جسے دیکھ کر دوسری جگہ کے وفد آکر ملتے تھے اور اپنے اوپر حکومت کرنے کی دعوت دیتے تھے

عہدِ اسلامی کا عراق عراق پر جب اسلامی پرچم لہرایا گیا تو حضرت عمرؓ نے مزید تحقیق کے لیے دوبارہ پیمائش کا حکم دیا اور عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن یمان کو اس کام پر مامور کیا۔ یہ دونوں بزرگ نہایت ہی متدیّن اور اکابر صحابہ میں سے تھے اور پیمائش کے کام سے اچھی طرح واقف تھے۔ انہوں نے زمین کی پیمائش میں کپڑے کی پیمائش کی طرح تحقیق و تدقیق سے کام لیا اور مہینوں یہ کام جاری رہا۔ قاضی ابو یوسف کہتے ہیں :۔

کان عثمان عالما بالخراج — عثمان لگان مقرر کرنے کے اندازہ کو اچھی طرح جانتے تھے

فمسحها مساحة الدیباج[1] — انہوں نے کپڑے کی طرح زمین کی پیمائش کی

پیمائش کے بعد قابلِ زراعت زمین کا رقبہ تین کروڑ بیس لاکھ جریب سے لے کر تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب تک قرار پایا تھا[2]۔ اس میں سے آتشکدوں کے اوقاف، لاوارثوں، مفروروں، باغیوں کی جائدادیں، شاہراہیں اور شاہی جاگیریں، دریا برد اور جنگل کی زمینیں اور وہ زمینیں جو ڈاک کے مصارف کے لیے مخصوص ہوتی تھیں یہ سب "خالصہ" قرار دی گئی تھیں۔ ان کے علاوہ بقیہ تمام زمینیں اصل مالکوں کے پاس رہنے دی گئی تھیں۔

جو زمینیں رفاہِ عام کے لیے وقف تھیں ان کی آمدنی کا تخمینہ تقریباً ستر لاکھ ہوتا تھا[3]۔

پیمائش کے بعد عراق کا مزروعہ و غیر مزروعہ زمین کا کل رقبہ تین سو پچھتر میل لمبائی میں اور دو سو چالیس میل چوڑائی میں ٹھہرا تھا (نوّے ہزار مربع میل) اور سوادِ[4] عراق کا کل رقبہ لمبائی میں چار سو

---

[1] الخراج ص ۳۸ [2] الاحکام السلطانیہ ماوردی ص ۱۹۷ ، الخراج ص ۳۶ تا ۳۸ [3] الخراج لیحیی ص ۶۲ والاحکام السلطانیہ قاضی ابو یعلی ص ۱۸۷

[4] چونکہ یہاں کی لہلہاتی ہوئی کھیتی اور قسم قسم کے پودے اور درخت دیکھنے والوں کے لیے ایک عجیب منظر پیش کرتے تھے، اس لیے اس سرسبزی و شادابی کی بنا پر "سواد" سے تعبیر کرنے لگے۔ کلامِ عرب میں خضرۃ اور سواد کا اجتماع اور ایک کی جگہ دوسرے کا اطلاق بکثرت پایا جاتا ہے اس لیے اس تعبیر میں کوئی مضائقہ نہیں ہے (الاحکام السلطانیہ قاضی ابو یعلی)

Marfat.com

اسی میل اور چوڑائی میں دو سو چالیس میل قرار پایا تھا، اس حساب سے سوادِ عراق کا رقبہ لمبائی میں عراق سے ایک سو پانچ میل زیادہ تھا۔[1]

جب پیمائش کا کام مکمل ہوگیا تو قرب وجوار کے کاشتکاروں کو بلاکران سب کی رائے اور مشورے سے درج ذیل شرح لگان مقرر کی گئی تھی۔

گیہوں	فی جریب	(سوا دو بیگہ خام	پون بیگہ پختہ	۲ درہم	تقریباً	۸ر
جو	〃	〃	〃	۱ 〃	〃	۴ر
نیشکر	〃	〃	〃	۶ 〃	〃	۸عہ ر
روئی	〃	〃	〃	۵ 〃	〃	۴عہ ر
انگور	〃	〃	〃	۱۰ 〃		۱۵ ۸ر
کھجور	〃	〃	〃	۱۰ 〃		۶ ۸ر
تل	〃	〃	〃	۸ 〃		۶
زیتون	〃	〃	〃	۳ 〃		۱۲ر
ترکاری	〃	〃	〃	۱۲ 〃		سے ر

غلہ کی کاشت میں ایک قفیز غلہ اس کے علاوہ مقرر کیا گیا تھا۔ قفیز میں ایک صاع غلہ سماتا تھا جس کا اسی روپیہ کے سیر کے حساب سے تقریباً ساڑھے تین سیر اناج ہوتا ہے، قفیز کی اس وقت قیمت تین درہم ہوتی تھی اور دس درہم سات مثقال کے برابر۔ اس اعتبار سے گیہوں فی جریب سے پانچ درہم کی مقدار وصول کی جاتی تھی۔

اس زمانہ میں اس کی مقدار سوا دو بیگھہ خام (پون بیگھہ پختہ) میں ساڑھے تین سیر پختہ اناج اور آٹھ آنے ہوتی ہے۔ خفہ میں تصریح ہے:۔

وفی ارض السواد علی کل جریب یصلح ارض سواد میں ہر قابلِ زراعت زمین

[1] الخراج ص ۳۶ تا ۳۸ والاحکام السلطانیہ ماوردی ص ۱۶۷۔

Marfat.com

للزرع درهم وقفيز وعلى جريب الكرم عشرة دراهم وعلى جريب الرطبة خمسة دراهم وعلى ارض الزعفران والفواكه لا يصلح للزرع وضع عليه من الخراج بقدر ما يطيق [۱]

کی فی جریب شرح لگان یہ مقرر تھی غلہ میں درہم اور قفیز دونوں اور انگور میں فی جریب دس درہم اور تازہ کھجور میں پانچ درہم اور زعفران و میوہ وغیرہ کی زمینوں میں ان کی حیثیت و طاقت کے مطابق

بعض جگہ زمین کی صلاحیت اور قوت و طاقت کے لحاظ سے شرح لگان میں کچھ تفاوت بھی تھا مثلاً بعض جگہ کی وہ شرح لگان تھی اور بعض جگہ کی یہ تھی:

گیہوں	۴ درہم	تقریباً ایک روپیہ	گیہوں	۱ درہم	تقریباً ۴ر
جو	۲ درہم	" ۸ر	جو	۱ درہم	" ۴ر
کھجور	۸ درہم	" ع	تازہ کھجور	۹۔ درہم	" ع ۴ر
انگور	۸ درہم	" ع			

شرح لگان مقرر کرنے میں بنیادی حیثیت سے تین باتوں پر نظر رکھنی ضروری ہوتی تھی:۔

(۱) زمین اور پیداوار کی صلاحیت و لیاقت۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کہیں ایک شے زیادہ پیدا ہوتی ہے اور اسی مقام پر دوسری شے کم ہوتی ہے اور کوئی پیداوار گران فروخت ہوتی ہے اور کوئی اس کے مقابلہ میں ارزاں بکتی ہے۔

(۲) کاشتکار کی محنت اور اخراجات۔

(۳) کاشتکار کے حالات۔

الغرض انہی تینوں وجوہ کی بنا پر زمانۂ خلافت کی شرح لگان میں اختلاف نظر آتا ہے اور اسی بنا پر مذکورہ نقشوں میں انگور کی شرح زیادہ اور کھجور کی متوسط اور غلہ کی بہت

---

۱ مختصر الطحاوی ص ۴ ۲۹

Marfat.com

کم دکھائی دیتی ہے۔ اور اسی لحاظ سے بعض مقام پر ادنیٰ شرح لگان متوسط تک پہنچادی گئی تھی اور متوسط ادنیٰ کردی گئی تھی اور جو پڑتی زمین قابلِ زراعت بنائی جاتی اس کی شرح لگان صرف ایک درہم رکھی گئی تھی[1] جیسا کہ قاضی ماوردیؒ اس تفاوت کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

وھذا لاختلاف النواحی	یہ فرق گردونواح کے اختلاف کی وجہ اور ان
بحسب ما تحتمل[2]	کی برداشت کے لحاظ سے تھا۔

کاشتکاروں کو اتنی رعایت دینے کے باوجود حضرت عمرؓ نے اپنے مقرر کردہ دونوں افسروں کو بلا کر پوچھا کہ شرح لگان کے مقرر کرنے میں ان پر کسی قسم کی زیادتی تو نہیں کی گئی ہے جب ان افسران کی طرف سے یہ جواب ملا کہ جتنا ہم نے مقرر کیا ہے ابھی اتنا ہی اور وصول کرنے کی گنجائش ہے تو خلیفۂ حق کو اطمینان ہوا۔ افسران کے جواب یہ ہیں:

قال عثمان لوشئت لاضعفت	عثمان نے جواب دیا کہ اگر اس سے دوگنا کرنا
ارضی وقال حذیفۃ وما فیھا	چاہوں تو اس کی بھی گنجائش ہے اور حذیفہ
کثیر فضل[3]	نے کہا کہ جو کچھ چھوڑ دیا ہے وہ بہت زیادہ ہے

حضرت عمرؓ نے اس معاملہ کو اسی پر ختم نہیں کیا تھا بلکہ اُنھوں نے اپنا یہ دستور بنا لیا تھا کہ جب عراق کی وصول شدہ رقم دارالخلافہ میں آتی تو کوفہ اور بصرہ سے قابلِ اعتماد دس آدمیوں کو بلا کر ان سے حلفیہ بیان لیتے کہ یہ رقم کسی سے ظلماً تو نہیں لی گئی ہے۔

قاضی صاحب کہتے ہیں:

ثم یخرج الیہ عشرۃ من اھل	لگان کی رقم جمع ہونے کے بعد کوفہ اور بصرہ کے
الکوفۃ وعشرۃ من اھل البصرۃ	دس دس آدمی حضرت کے پاس آتے اور وہ اللہ
یشھدون باللہ انہ من طیب	کی قسم کھا کر گواہی دیتے تھے کہ یہ رقم ہنسی خوشی

[1] الاموال ص ۴۷ [2] الاحکام السلطانیہ ماوردی ص ۱۶۹ [3] الخراج ص ۳۷

Marfat.com

مافیہ ظلم مسلم ولا   سے وصول کی گئی ہے اس میں کسی مسلمان یا معاہد
معاھد لہ   پر ظلم شامل نہیں ہے۔

اس انتظام سے زمانۂ خلافت میں زراعت کی اتنی ترقی ہوگئی کہ جس سال عراق کی زمین پیمائش کرائی گئی تھی وہاں کی کل آمدنی جو لگان سے وصول ہوئی تھی اس کی مقدار آٹھ کروڑ ساٹھ لاکھ درہم (دو کروڑ پندرہ لاکھ روپیہ) تھی اور دوسرے ہی سال بڑھ کر آٹھ کروڑ سے دس کروڑ بیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ اس کے کچھ دنوں بعد دورِ فاروقی ہی میں اس کی مقدار بارہ [۱۲] کروڑ ہوگئی تھی[۲]

لگان کے بارے میں کاشتکاروں کی انہی تمام سہولتوں کے پیشِ نظر فرانس کا ایک لائق مصنف لکھتا ہے

"اسلام کی فتوحات میں لگان کے قاعدہ قانون اور طریقِ تحصیل وصول وغیرہ کو بہت زیادہ دخل ہے[۳]"

بعد میں جب تک عدل وانصاف کے انہی اصولوں کے ساتھ لگان وصول کیا جاتا رہا اس کی مقدار میں کچھ زیادہ کمی نہیں ہوئی لیکن جب اسلام کے مقرر کردہ اصولوں سے ہٹ کر کام ہونے لگا تو اس میں کمی ہوگئی اور پھر ظلم و تعدی کا بازار گرم کرنے کے بعد بھی اس کمی کو نہیں پورا کیا جاسکا، چنانچہ عبید اللہ بن زیاد کے زمانہ میں کاشتکاروں کے ساتھ ظلم و زیادتی کے باوجود لگان کی مقدار ایک کروڑ پینتیس لاکھ رہ گئی تھی اور حجاج بن یوسف انتہائی ظالمانہ اور وحشیانہ طرزِ عمل اختیار کرنے کے بعد ایک کروڑ اٹھارہ لاکھ سے زیادہ وصول نہیں کرسکا تھا

پھر جب عمر ثانی (عمر بن عبد العزیز) مسند آرائے خلافت ہوئے تو پہلے کے بگڑے ہوئے نظام سے اپنی عدل گستری کی بنا پر ایک کروڑ بیس لاکھ وصول کیا تھا۔ موت کے فرشتہ

لہ الخراج ص ۱۱۴   ٢ہ الاحکام السلطانیہ و حوالہ بالا   ٣ہ از الفاروق ج ۲ ص ۱۵۵

Marfat.com

نے اور زیادہ موقع نہ دیا ورنہ اُمید بھی کہ عراق پھر فاروق اعظم کا عراق بن جائیگا۔

لگان وصول کرنے کی یہی شکل دولتِ عباسیہ میں منصور کے زمانہ تک قائم رہی پھر منصور نے اپنے ملکی مصالح کے پیشِ نظر لگان کو بٹائی کی شکل میں تبدیل کر دیا تھا۔[1]

عہدِ اسلامی سے پہلے کا شام ملک شام میں ایک قدیم یونانی بادشاہ کا قانون نافذ تھا اس لیے پیداوار کے اختلاف کے لحاظ سے زمین کے مختلف مدارج قائم کر رکھے تھے اور اسی لحاظ سے اس نے زمینوں پر مختلف قسم کی شرحِ لگان مقرر کر رکھی تھی لیکن افسرانِ بندوبست کی مہربانیاں کاشتکاروں کو جینے نہ دیتی تھیں۔ چھٹی صدی عیسوی میں یونانی قانون کا شامی زبان میں ترجمہ کیا گیا تھا۔[2] جب شام میں اسلامی انقلاب آیا تو اسلام چونکہ ہر ایک کی زبان مذہب اور کلچر کی حفاظت کرتا تھا اس لیے عربی میں اس کا ترجمہ کرانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی بلکہ اسی شامی زبان میں وہاں کا قانون باقی رکھا گیا تھا اور بہت دنوں بعد ۸۱ھ میں عبدالملک بن مروان کے حکم سے عربی میں اس کا ترجمہ ہوا تھا۔

عہدِ اسلامی کا شام ملک شام فتح ہونے کے بعد نہ وہاں کی زمین کی پیمائش کرانے کی ضرورت سمجھی گئی تھی اور نہ رائج شدہ قانون میں بالکلیہ تبدیلی کی گئی تھی بلکہ وہی یونانی قانون جو شامی زبان میں موجود تھا اس میں معمولی تبدیلی و اصلاح کے بعد جاری رکھا گیا تھا۔

شام کے باشندے بالخصوص طبقاتی جنگ کے شکار تھے۔ اس کے شہریوں اور دیہاتیوں کے حقوق میں فرق تھا کاشتکاروں کی کوئی حیثیت اور سوسائٹی میں ان کے لیے کوئی جگہ نہ تھی اور مزید براں یہ کہ افسرانِ بندوبست اپنے ظلم و ستم کی چکی میں ہر وقت ان کو پیستے رہتے تھے۔

اسلام نے ان تمام سماجی کمزوریوں کو دور کر کے ان میں مساوات کا اعلان کرایا،

---

[1] الاحکام السلطانیہ ص ۱۷۰ و الاحکام السلطانیہ للقاضی ابو یعلیٰ ص ۱۶۹۔
[2] معجم البلدان و فتوح البلدان از الفاروق علامہ شبلی نعمانی۔

Marfat.com

شہریوں اور دیہاتیوں کے فرق کو اُٹھایا اور کاشتکاروں کو تمام حقوق میں شہریوں کے برابر قرار دیا[1] اور تحصیل وصول کرنے میں افسران کے ظلم و ستم کے مقابلہ میں اپنے دو بُنیادی اصول کو نافذ کیا:

(۱) کاشتکاروں کے لیے آسانیاں اور (۲) پیداوار میں اضافہ کر کے عام خوشحالی کی فضاء پیدا کرنا جیسا کہ اس کا اندازہ حسب ذیل واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

ایک مرتبہ والیِ شام سعید بن عامر کو لگان بھیجنے میں تاخیر ہوئی، حضرت عمرؓ نے انہیں دربارِ خلافت میں بلا کر تاخیر کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ آپ نے ہمارے لیے تحصیل وصول کے بارے میں دو قانون مقرر کیے ہیں (۱) چار دینار سے زیادہ وصول نہ کیا جائے، اور (۲) وصول کرنے میں جلدی نہ کی جائے بلکہ آمدنی ہونے تک انہیں مہلت دی جائے۔

چونکہ ان دونوں اصولوں کی ہم سختی کے ساتھ پابندی کرتے ہیں اس لیے تاخیر ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر انتہائی خوشی میں فرمایا کہ میں تمہیں زندگی بھر معزول نہ کرونگا۔[2]

ابو عبید اس واقعہ کے ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:-

انما وجہ التاخیر الی الغلۃ للرفق بھم[3]	تاخیر کی وجہ صرف یہی تھی کہ کاشتکاروں کی سہولت پیش نظر ہوتی تھی۔

پھر کہتے ہیں: جس وقت کاشتکار کو لگان وغیرہ کی ادائیگی میں سہولت ہو بس وہی اس کی تحصیل وصول کا وقت ہے[3]

یہی اسلامی عدل و رحمت کا نظام دوسری جگہ قائم تھا جسے دیکھ کر شام کے لوگوں نے مسلمانوں کو دعوت دے کر بلایا تھا اور اپنے یہاں عدل و رحمت کی فضا پیدا کرنے کی درخواست کی تھی۔ جیسا کہ تاریخی واقعہ ہے:

---

[1] الاموال ص ۴۴ [2] ایضاً [3] ایضاً

ولم یتعرض بشئ مما مر بہ من	راستہ میں دیہاتیوں اور کاشتکاروں نے کوئی
القری والرساتیق ولم یلق کیدا	تعرض نہیں کیا اور کسی خلاف سازش کا پتہ چلا
ولاجندا حتی نزل الرہا [۱]	نہ لشکر کا، یہاں تک کہ رہا (دارالخلافہ) میں مسلمان داخل ہو گئے۔

اسلام نے ملک شام میں قدم رکھتے ہی سب سے پہلے اس طبقاتی کشمکش کو ختم کیا تھا جس کو رومیوں نے پیدا کر رکھا تھا اور جو زمیندارانہ و جاگیردارانہ نظام کی پیدا کردہ تھی جیسا کہ قاضی صاحب کہتے ہیں:

فاما من ولی من خلفاء المسلمین	مسلم خلفا میں جو بھی خلیفہ ہوا اس نے ملک شام
بعد فتحها فانہم قد جعلوا اھل	میں کاشتکاروں کو تمام حقوق میں شہریوں
الرساتیق اسوۃ اھل المدائن [۲]	کے برابر قرار دیا تھا۔

عہد اسلامی سے پہلے کا مصر

مصر میں اسلام سے پہلے لگان کے مندرجہ ذیل قوانین نافذ تھے:۔

(۱) لگان زمین کی آمدنی سے لیا جائے نقدی کی شکل میں ہو یا پیداوار کی شکل میں لیکن اس میں کاشتکار کو مہلت نہ دی جائے۔ جیسا کہ علامہ مقریزی کہتے ہیں:

لا یوخذ خراجہا الا من غلتہا	لگان زمین کی آمدنی سے لیا جائے (جو دونوں
ولا یقبل مطل اھلہ [۳]	قسموں کو شامل ہے) لیکن کسی قسم کی مہلت قبول نہ کی جائے۔

اس مہلت نہ دینے اور وصول تحصیل میں سختی کرنے سے متعلق فرانسیسی مصنف سینوبین کا بیان ملاحظہ ہو:

"کاشتکاروں کے لیے ضروری تھا کہ پیداوار کا ایک حصہ بادشاہ کے یہاں داخل کریں، دبیران کا یہ حال لکھتا ہے:۔

---

[۱] الخراج ص ۱۴۰ [۲] ایضاً [۳] کتاب الخطط للمقریزی ج ۱ ص ۱۲۰

Marfat.com

"شاید تم نے دہقانوں کی حالت پر غور نہیں کیا ہے جو زمین کو جوتنے اور بونے میں مشغول رہتے ہیں، جب تک محصول فراہم نہ ہو افسران کے سر پر موجود رہتے ہیں، تحصیلدار ہاتھ میں لکڑی لیے ہوئے اور سپاہی کھجور کی چھڑیاں لیے ہوئے ان کے ہمراہ ہوتے ہیں اور کاشتکاروں پر دباؤ ڈال کر ان سے غلہ طلب کرتے ہیں اگر بیچارہ دہقان غلہ نہیں رکھتا ہے تو اس کو زمین پر لٹا کر باندھتے ہیں اور نہر کے کنارے تک کھینچ کر لے جاتے ہیں اور پھر سر کی طرف سے اس کو پانی میں ڈال دیتے ہیں[1]

(۲) چند سالوں کی پیداوار کا اوسط نکال کر اس کے لحاظ سے جمع بندی کی تشخیص کی جائے۔

(۳) بندوبست چار سالہ ہو۔

علامہ مقریزی کی درج ذیل عبارت میں ان ہی دونوں اصولوں کی طرف اشارہ ہے

ان الذی کان یعمل بہ بمصر علی	شاہان مصر کے عہد میں بندوبست کی یہ شکل تھی
عھد ملوکھا انھم کانوا یقرون	کہ ہر چار سالہ پیداوار کا اوسط نکال کر جمع بندی
القری فی ایدی اھلھا کل قریۃ	کردی جاتی تھی اور اہلِ قریہ کے قبضہ میں ان کی
بکراء معلوم لا ینقص عنھم الا	ملوکہ شے چھوڑ دی جاتی تھی پھر اس وقفہ میں کسی
فی کل اربع سنین من اجل	قسم کی کمی کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا کاشتکار
الظماء وتنقل الیسار فاذا مضت	اور پیداوار کی جو بھی حالت ہو۔ البتہ چار سال
اربع سنین نقض ذالک وعدل	گزرنے کے بعد یہ بندوبست ختم کر کے نیا بندوبست
تعدیلا جدیدًا فیرفق بمن	کیا جاتا تھا پھر کاشتکار کی حالت اور پیداوار
استحق الرفق ویزاد علی من احتمل	کی کمی بیشی سے نرمی سختی کی جاتی تھی۔
الزیادۃ[2]	

[1] تاریخ ملل قدیمہ ص ۹۰ [2] کتاب الخطط للمقریزی ص ۱۲۰

Marfat.com

(۴) لگان کے چار حصے کیے جائیں ایک حصہ خاص بادشاہ کے لیے دوسرا فوج کے لیے اور تیسرا زمین کے مصالح میں صرف کیا جائے اور چوتھا حصہ ناگہانی حادثہ کے لیے پس انداز کیا جائے۔[1]

رومیوں نے جب مصر پر قبضہ کیا تھا تو مذکورہ قوانین کو باقی رکھا تھا اور ان کے ساتھ دو نئے قانون مقرر کیے تھے وہ یہ ہیں:

(۵) لگان کے علاوہ ہر سال مصر سے غلہ کی ایک کثیر مقدار قسطنطنیہ (پایۂ تخت) کے لیے وصول کی جائے۔

(۶) ہر صوبہ میں فوج کی رسد کے لیے غلہ یہیں (مصر) سے لیا جائے۔

عہدِ اسلامی کا مصر مصر میں جب اسلامی انقلاب آیا تو سب سے پہلے مقوقس (سابق حکمراں) اور مقامی کاشتکاروں اور سربرآوردہ لوگوں کو بلا کر لگان کے بارے میں ان سے مشورہ کیا گیا اور اس کے بعد مندرجہ ذیل قانون مقرر کیے گئے تھے۔

(۱) لگان پہلے کی طرح نقد اور پیداوار دونوں شکلوں میں لیا جا سکتا ہے لیکن تحصیل وصول کاشتکاروں کی سہولت اور مہلت کے پیش نظر کی جائیگی۔

اس سے رومیوں کے قانون ۱ کو ختم کر دیا گیا تھا جس میں کاشتکاروں کو مہلت دینے کی اجازت نہ تھی۔

(۲) لگان زمین کی حیثیت اور پیداوار کی نوعیت کے پیش نظر باہمی رضامندی سے طے ہونا چاہیے۔

اس دفعہ سے رومیوں کے اس قانون کو ختم کر دیا تھا کہ چند سالوں کی پیداوار کا اوسط نکال کر اس کے لحاظ سے جمع بندی کی تشخیص کی جائے۔

(۳) ہر سال نیا بندوبست کیا جائے۔

---

[1] کتاب الخطط للمقریزی ص ۱۲۰

Marfat.com

اس سے رومیوں کے چار سالہ سسٹم کو ختم کردیا تھا۔

(۴) بندوبست کا کوئی خاص وقت مقرر کرنا مناسب نہیں ہے بلکہ موقع اور محل کے مطابق اور کاشتکاروں کی سہولت کے پیش نظر اس کام کو کیا جائے۔

(۵) لگان کے علاوہ اور کچھ وصول کرنا قانوناً صریح ظلم ہے۔

(۶) فوج کی رسد یا اور کسی ضرورت کے پیشِ نظر خلافت اگر مصر سے غلہ لیجانا چاہے تو بلا کسی رعایت پائی پائی اس کی قیمت ادا کرے۔

رومیوں کا یہ قانون کہ لگان کے علاوہ غلہ کی ایک کثیر مقدار پایۂ تخت کے لیے وصول کی جائے اور یہ قانون کہ ہر صوبہ میں فوج کی رسد کے لیے غلہ مصر سے لیا جائے دونوں کو ختم کردیا گیا تھا۔

(۷) وصول شدہ رقم سے بادشاہ کے لیے کوئی مخصوص حصہ نہ ہوگا، جیسا کہ رومیوں کے قانون میں چوتھا حصہ بادشاہ کو ملا کرتا تھا

علامہ مقریزی تحصیل وصول کا طریقہ بتلاتے ہوئے کہتے ہیں:۔

یجتمع عرفوا کل قریۃ وامرائھا	(جب ادائگی کا وقت آتا) تو گاؤں کے امراء و رؤساء
ورؤساء اھلھا فیتناظرون فی	سب لوگ ایک جگہ جمع کیے جاتے اور ان سب کے
العمارۃ والخراب حتی اذا اقروا	مشورہ سے زمین کی عمدگی اور غیر عمدگی کو دیکھ کر اور
من القسم بالزیادۃ انصرفوا	موجودہ پیداوار کا لحاظ کر کے ایک تخمینہ قائم کیا جاتا
بتلک القسمۃ الی الکورثم اجتمعوا	تھا۔ اسی طرح ہر پرگنہ اور ہر ضلع کا تخمینہ کیا جاتا تھا
ورؤساء القری فوزعوا ذلک	تخمینہ کے بعد کاشتکاروں کی حالت اور ان کی
علی احتمال القری وسعۃ المزارع	گنجائش کا لحاظ رکھ کر تخمینی رقم پورے گاؤں والون
ثم یجتمع کل قریۃ بقسمتھم فیجمعون	پر ان کی حیثیت کے مطابق تقسیم کردی جاتی تھی۔
قسمھم وخراجہ کل قریۃ وما فیھا	اس کا ایک حصہ گاؤں کے پیشہ وروں، تاجروں اور

Marfat.com

من الارض لعامرة فیبتدأن ویخرجون من الارض فدادین لکنائسھم وحمایاتھم ومعدیاتھم من جملۃ الارض ثم یخرج عدد الضیافۃ للمسلمین و نزول السلطان فاذا فرغوا لما فی کل قریۃ من الصناع والاجراء فقسموا علیھم بقدر احتمالھم[۱]

نوکروں سے بھی وصول کیا جاتا تھا لیکن اس تحصیل وصول میں ہر شخص کی حیثیت اور وسعت کا پورا پورا لحاظ رکھا جاتا تھا۔ اس تحصیل وصول سے پہلے جملہ پیداوار سے درج ذیل خرچ نکال لیے جاتے تھے گرجا گھی (رباڑ) اور تمام ان چیزوں کے اخراجات جن سے فائدہ اٹھانے میں سب لوگ شریک ہوتے ہیں، اور اس زمانہ کے دستور کے مطابق مہمانوں کا خرچ بھی جملہ پیداوار سے نکال لیا جاتا تھا، یہ مہمان خواہ عام مسلمان ہوتے یا خلافت کا کوئی کارندہ یا خود خلیفہ ہوتا، اس کے بعد جو بچتا اس میں سے حسب حیثیت یہ ٹیکس وصول کیا جاتا۔

بہرحال تخمینہ کے مطابق ہر شخص سے حسب حیثیت یہ رقم وصول کی جاتی تھی اور اس تحصیل وصول میں ہر شخص کی پوری زندگی ملحوظ ہوتی تھی اور شادی بیاہ، اہل وعیال کے خرچ اخراجات غرض ہر چیز پر نظر رکھی جاتی تھی۔ اسی طرح کاشتکاروں کی پوری حالت پر نظر کرنے کے بعد یہ رقم وصول کی جاتی تھی اگر کسی کو شکایت ہوتی کہ یہ رقم اس کی حیثیت سے زائد ہے تو جتنی مقدار زائد ہوتی اتنی کم کرکے باحیثیت لوگوں سے وہ مقدار وصول کی جاتی تھی۔

پھر آگے چل کر کہتے ہیں:

وکان عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ یاخذ من صالحہ من المعاھدین ما سمّی علی نفسہ لایضع من ذالک شیئاً ولا یزید علیہ[۲]

اور عمر بن خطاب ـــــ معاہدین سے وہی رقم وصول کرتے تھے جو معاہدین خود دینے کا وعدہ کرتے تھے اس پر کمی کی جاتی تھی اور نہ زیادتی۔

[۱] کتاب الخطط للمقریزی ج ۱ ص ۱۲۳، ۱۲۴ [۲] ایضاً

Marfat.com

اس موقع پر چند اور باتیں قابل ذکر ہیں :-

مصر کے چند تاریخی واقعات

(۱) زمانۂ خلافت میں جب کبھی دار الخلافہ کو غلہ کی ضرورت ہوئی اور مصر سے غلہ منگانے کی ضرورت پڑی تو ایک ایک پائی اس کی قیمت ادا کی گئی تھی۔

حجاز میں ایک مرتبہ زبردست قحط پڑ گیا تھا جس کی وجہ سے اس وقت خلافت کی ذمہ داری بہت بڑھ گئی تھی حضرت عمرؓ نے اس کے انتظام کے لیے مختلف ممالک مفتوحہ میں خطوط لکھے تھے عمرو بن العاص والی مصر کے پاس بھی اہل مدینہ کا حال لکھ بھیجا تھا۔ اس ہنگامی حالت کے مقابلہ کے لیے والی شام نے چار سو اونٹ غذا کے لیے بھیجے تھے۔ اور عمرو بن العاص والی مصر نے کھانے کی چیزیں اور غلہ بحری راستہ سے روانہ کیا تھا، اس وقت جو کچھ غلہ مصر سے دار الخلافہ بھیجا گیا تھا وہ دراصل لگان کا وصول شدہ غلہ تھا یا وہ تھا جس کی پائی پائی قیمت خلافت کی جانب سے ادا کر دی گئی تھی بس اتنی حقیقت تھی مصر سے مدینہ غلہ بھیجے جانے کی جس کو یورپ کے متعصب مورخوں نے عجیب و غریب رنگ دے کر پیش کیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ مدینہ جو غلہ بھیجا جاتا تھا وہ لگان کے علاوہ تھا اور کاشتکاروں سے ظلماً لیا جاتا تھا۔ لگان کا غلہ بھیجنے کا یہ سلسلہ چونکہ عارضی طور پر قائم ہوا تھا اس لیے ہمیشہ باقی نہیں رکھا گیا بلکہ کچھ دنوں بعد ختم ہو گیا۔

پھر حضرت معاویہ اور یزید کے زمانہ میں کسی ملکی مصلحت سے یہ سلسلہ جاری ہوا اور عبد الملک بن مروان کے زمانہ تک چلتا رہا، پھر اس کے بعد جاری ہوا تو ابو جعفر کے زمانۂ حکومت یا اس سے کچھ پہلے تک جاری رہا۔[۱]

(۲) اسی زمانۂ قحط کا واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ امیر المومنین نے قسم کھائی تھی کہ جب تک یہ قحط دور نہ ہوگا گھی اور شہد کا استعمال نہ کروں گا اس اثنا میں وہ زیتون کے تیل کے ساتھ

---

[۱] فتوح البلدان فتح مصر ۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے روغن زیتون کھانا بھی چھوڑ دیا تھا ۱۲

Marfat.com

روٹی اور موٹی غذائیں کھایا کرتے تھے اس کا اثر آپ کی صحت پر پڑنے لگا اور سیاہ ہو گئے یہ دیکھ کر خادم ایک دن بازار سے گھی اور شہد خرید کر لایا اور حضرت سے کہا کہ آپ اپنی قسم کا کفارہ دے کر ان چیزوں کا استعمال شروع کر دیجیے۔ آپ نے جواب دیا کہ جب تک میں خود تکلیف نہ اٹھاؤں مجھے دوسرے کی تکلیف کا احساس کیسے ہو سکتا ہے پھر آپ نے بازار سے لائے ہوئے گھی اور شہد کو صدقہ کر دینے کا حکم دے دیا۔[1]

(۳) مصر کے افسران بندوبست جو قبطی، یونانی اور ایرانی تھے حسب سابق وہ باقی رکھے گئے تھے لیکن حکومت کا مزاج بدل جانے کے بعد ان سب کے مزاج بھی بدل گئے تھے ان کے ظلم و تعدی کی جگہ عدل و انصاف نے لے لی تھی اور وحشت و درندگی کے بدلے ان میں نرمی اور حق شناسی آگئی تھی جیسا کہ مقریزی کہتے ہیں۔

فکانت جبایتھم بالتعدیل	ان افسروں کی وصول تحصیل عدل و انصاف
اذا عمرت القریۃ وکثر اھلھا	کے ساتھ ہو گئی تھی۔ جب کوئی بستی زیادہ آباد ہوتی
زید علیھم وان قل اھلھا	تو ان کا ٹیکس زیادہ کر دیا جاتا اور کم آباد ہوتی
وخربت نقصوا [2]	تو اسی تناسب سے کم کر دیا جاتا۔

(۴) یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مصر کی پیداوار کی کمی بیشی میں نیل کی طغیانی بہت اثر انداز ہوتی تھی اور کبھی ایسا ہوتا تھا کہ یہ طغیانی اپنی انتہا کو پہنچ کر پیداوار میں بہت زیادہ نمایاں فرق ڈال دیتی تھی جس کا پہلے سے اندازہ لگانا نہایت ہی مشکل ہوتا تھا۔ ظاہر بات ہے کہ اگر ایسی صورت میں چار سالہ بندوبست کا سسٹم حسب سابق باقی رکھا جاتا اور کئی سال کا اوسط نکال کر جمع بندی کر دی جایا کرتی تو خشک سالی کے زمانہ میں کاشتکاروں کو فقر و دریوزہ پر مجبور ہو جانا ایک لازمی امر تھا جیسا کہ فراعنۂ مصر اور رومیوں کے زمانۂ حکومت میں اسی وجہ سے کاشتکاروں کی معاشی اور معاشرتی زندگی تباہ تھی۔ اسلام نے اسی حقیقت کے

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام ص ۳۶۱ و ۳۶۲ از تاریخ ملت [2] الخطط للمقریزی ص ۱۲۳۔

Marfat.com

پیش نظر پرانے سسٹم کو ختم کر کے ہر سال نیا بندوبست کا قانون نافذ کیا تھا۔

(۵) عموماً مصر کی پیداوار عراق اور شام کی پیداوار سے زیادہ ہوتی تھی اس لیے وہاں کی شرح لگان بھی زیادہ مقرر کی گئی تھی یعنی زمین پر فی جریب ایک دینار اور تین اردب[عہ] گیہوں وصول کیا جاتا تھا اور اسی تناسب سے دوسری پیداوار کا لگان مقرر تھا۔

(۶) رومیوں نے مصر پر قبضہ کرنے کے بعد اصل مقصد لوٹ کھسوٹ رکھا تھا اور زمین کی اصلاح و درستی سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا اس لیے ان کے زمانہ میں مصری زمینوں کی قوت پیداوار کم ہوگئی تھی۔ اس کے باوجود رومیوں نے ظلم و تشدد کا بازار گرم کر کے لگان دو کروڑ دینار تک وصول کیا تھا۔ اس کی وجہ مقریزی یہ بیان کرتے ہیں

ان الملوك لم تسمح نفوسهم بما كان	بادشاہوں نے اس بات میں سخاوت نہیں کی تھی
ينفق في كلف عمارة الارض خانها	کہ وہ زمین کی آبادکاری میں لگان کی رقم خرچ
تحتاج ان ينفق عليها ما بين ربع	کرتے حالانکہ زمین اس قابل تھی کہ اس پر چوتھائی
متحصلها الى ثلثه	حصہ سے لے کر تہائی حصہ تک لگان کی آمدنی خرچ کی جائے

حضرت عمرؓ نے عدل و انصاف کے ساتھ ایک کروڑ بیس لاکھ دینار (ایک کروڑ چھ لاکھ روپیہ) وصول کیا تھا۔ اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب آبادکاری کی طرف زیادہ توجہ دی گئی تو لگان کی مقدار ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار تک پہنچ گئی تھی۔

علامہ مقریزی کہتے ہیں:

اول من جبى خراج مصر في الاسلام	اسلام میں سب سے پہلے مصر کا خراج عمرو بن العاصؓ
عمرو بن العاص فكانت جبايته اثنى	نے جمع کیا تھا جس کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ
عشر الف الف دينار ثم جبى عبدالله	دینار تھی پھر عبداللہ بن سرح نے ایک کروڑ
بن سرح اربعة عشر الف الف دينار[1]	چالیس لاکھ دینار وصول کیا۔

عہ ایک اردب کم و بیش دو من کا ہوتا تھا ۱۲ ؎۱ ہر ایک کے حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو کتاب الخطط للمقریزی ص ۲۳-۲۴-۵۹-۱۶۱

فصل کا حصہ

> فصل کا حصہ ہر قسم کی پیداوار سے وصول کیا جاتا تھا۔

اس سلسلہ میں قرآنِ کریم کی دو آیتیں اوپر ٹیکس کے باب میں مذکور ہو چکی ہیں ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جس قسم کی اور جتنی پیداوار ہو اس میں سے اللہ کا یہ حق وصول کیا جائے۔ وہ دونوں آیتیں یہ ہیں :-

(۱) كُلُوا مِن ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ (۶/۱۴۱) — اللہ کے اس پیداوار کے پھل کھاؤ اور جس دن فصل کاٹو اللہ کا حق ادا کرو۔

(۲) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ (۲/۲۶۷) — اے ایمان والو! پاک کمائی سے خرچ کرو اور اس سے جو ہم نے تمہاری زمین سے پیدا کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ آیتوں میں نہ کسی پیداوار کی تخصیص ہے اور نہ مقدار کی تعیین ہے بلکہ یہ حکم تمام پیداوار کے لیے عام ہے۔

سعید بن مسیب، شریک، طاوس، زید بن اسلم، قتادہ، ضحاک، سعید بن جبیر، حسن وغیرہ سے منقول ہے کہ آیت کریمہ میں وہ ٹیکس مراد ہے جو پیداوار سے لیا جاتا ہے اور جس طرح اموال میں ٹیکس کے متعلق "وآتوا الزکوٰۃ" کا حکم عام ہے اسی طرح پیداوار میں ٹیکس کے متعلق "وآتوا حقہ" کا حکم عام ہے[1]

اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریحات درج ذیل ہیں :

ما اخرجتہ الارض ففیہ العشر[2] — جس قسم کی بھی پیداوار ہو اس میں عشر ہے

اس مفہوم کی روایت کو بخاری و مسلم، ابوداؤد و ابن ماجہ وغیرہ نے مختلف طُرق سے روایت کیا ہے اور دوسری روایتوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے مثلاً ایک اور موقع پر آپ نے

---

[1] احکام القرآن ج ۳ ص ۱۱ و الخراج لیحیی ص ۱۲۴ و ۱۲۵ ۔ [2] احکام القرآن ج ۳ ص ۱۳ و نصب الرایہ ج ۲ ص ۳۸۴

Marfat.com

فرمایا کہ

کتب اللہ علی للمومنین من الصدقہ اللہ نے مومنوں پر زمین کا صدقہ (فصل کا حصہ)
من العقار عشر ما سقت العین فرض کردیا ہے چشمہ اور بارانی پانی سے آبپاشی ہو
وسقت السماء وعلی ما سقی بالغرب تو دسواں حصہ ہے اور بڑے ڈول سے آبپاشی
نصف العشر[1] کی جائے تو بیسواں حصہ ہے

رسول اللہ نے حضرت معاذ کو صدقہ کی وصول تحصیل کرنے کے لیے یمن بھیجتے ہوئے فرمایا: کھجور، انگور، کشمش، گیہوں، جو وغیرہ سے دسواں حصہ یا بیسواں حصہ وصول کرنا[2]

ان تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زمانۂ خلافت میں کسی پیداوار کی تخصیص نہیں تھی بلکہ ہر قسم کی پیداوار سے یہ ٹیکس وصول کیا جاتا تھا۔ عمر بن عبد العزیز، ابراہیم نخعی، مجاہد، حماد، ابو حنیفہ وغیرہ کا یہی مسلک تھا[3]

البتہ یہ بات واضح رہے کہ پیداوار کی عمومیت میں وہی پیداوار داخل ہوگی جو کھیتی کرنے میں مقصود بالذات ہو اور زمین کے محصول پر اس کا اثر پڑتا ہو، لیکن جو پیداوار مقصود بالذات نہ ہو بلکہ کھیتی کے ساتھ تبعاً اگ آتی ہو نہ اس کی آبپاشی کی ضرورت پڑتی ہو اور نہ زمین کے محصول پر اس کا اثر پڑتا ہو تو اس قسم کی پیداوار ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دی جائیگی۔

ابوبکر جصاص کہتے ہیں:۔

لان ذلک ینبت فی العادۃ اذا کیونکہ یہ چیزیں عام طور سے پانی ملنے پر بغیر کھیتی
صادف الماء من غیر زراعۃ ولیس کیے اگ آتی ہیں۔ اور کاشتکاری کرنے میں یہ
مما یقصد بھا الارض[4] مقصود بالذات نہیں ہوتی ہیں۔

غرض لکڑی، گھاس، بانس وغیرہ کی نوعیت اگر مقصود بالذات کی ہو اور ان کے لیے مستقلاً زمین چھوڑی جاتی ہو تو ان سب چیزوں سے ٹیکس وصول کیا جائیگا کیونکہ ایسی صورت میں

[1] الخراج لیحییٰ ص ۱۱۹ [2] ایضاً [3] عینی ج ۴ ص ۲۲۲ [4] احکام القرآن ج ۳ ص ۱۲۔

Marfat.com

زمین کے محصول پر اس کا اثر پڑنا لازمی ہو جاتا ہے[1]۔

ہاں اس قانونی کلیہ سے وہ تخم مستثنیٰ ہونگے جو زراعت یا دوا کے علاوہ کسی دوسرے کام میں نہ آتے ہوں مثلاً خربوزہ کے بیج، اجوائن، کندر، ہلیلہ وغیرہ[2]۔

حاصل یہ کہ زمانۂ خلافت میں مستثنیات کو چھوڑ کر ہر قسم کی پیداوار سے ٹیکس وصول کیا جاتا تھا خواہ پیداوار کم ہو یا زیادہ۔

اس سلسلہ کی دو حدیثوں کی تشریح

ممکن ہے بعض حضرات کو مندرجہ ذیل دو حدیثوں سے شبہ ہو جو بظاہر ہر قسم کی پیداوار پر ٹیکس کے خلاف نظر آتی ہیں۔

(۱) رسول اللہؐ نے فرمایا کہ سبزیوں میں عشر نہیں ہے[3]۔

(۲) آپؐ نے فرمایا کہ پانچ وسق غلہ سے کم میں عشر نہیں ہے[4]۔

(۱) حقیقت ہے کہ قرآن حکیم کی آیتیں اور بہت سی روایتیں چونکہ ہر پیداوار کو شامل ہیں اس لیے اس ٹیکس سے سبزی وغیرہ کی قسم کی کوئی شے مستثنیٰ کرنا مناسب نہیں ہے۔ رہ گیا اس حدیث کا معاملہ تو اس سے مراد عشور (چنگی) ہے جیسا کہ تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ چنگی حربیوں سے دسواں حصہ اور ذمیوں سے بیسواں حصہ اور مسلموں سے چالیسواں حصہ وصول کی جاتی تھی۔ مختلف لوگوں کے درمیان چنگی کا یہ تفاوت دیگر ٹیکسوں کے تناسب کی بنا پر تھا چونکہ حربیوں پر خلافت کی جانب سے کسی اور ٹیکس کا سوال ہی نہ ہوتا تھا اس لیے چنگی ان سے زیادہ وصول کی جاتی تھی اور ذمیوں پر دیگر ٹیکس کم تھے اس لیے ان سے کم وصول کی جاتی تھی اور مسلموں پر مختلف قسم کے کئی ٹیکس تھے اس لیے چنگی ان سے سب سے کم لی جاتی تھی۔ اور یہ حقیقت ہے کہ زمانۂ خلافت میں سبزیوں سے چنگی نہیں وصول کی جاتی تھی اس لیے محققین کا مسلک یہ ہے کہ مذکورہ حدیث میں پیداوار کا ٹیکس نہیں بلکہ "چنگی" مراد ہے۔

---

[1] احکام القرآن ج ۳ ص ۱۳؛ و درالمختار باب العشر [2] شامی و عالمگیری و جوہرہ نیرہ ج ۱ ص ۱۲۸ [3] الخراج ص ۵۱
[4] ایضاً ص ۵۳ * پانچ وسق کی مقدار اسی تولہ کے سیر کے حساب سے تقریباً ۱۸ من ہوتی ہے ۱۲

(۲) رہ گئی دوسری حدیث تو اس میں بھی زراعتی ٹیکس مراد نہیں ہے بلکہ مالِ تجارت کی زکوٰۃ مراد ہے، چنانچہ بعض روایتوں میں اس قسم کے موقع پر لفظ عشر کے بجائے صدقہ کا لفظ آیا ہے اور اس کی عبارت اس طرح ہے: "پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے"۔

چونکہ زمانۂ خلافت میں عموماً "وسق" سے خرید و فروخت ہوتی تھی اور "وسق" کی قیمت اس وقت چالیس درہم کی تھی اور اس زمانہ میں اموال تجارت کے لیے ضروری تھا کہ اس کی قیمت کا اندازہ درہم و دینار کے ساتھ کیا جائے، کیونکہ یہی رائج الوقت سکّے تھے۔ اس لیے رسول اللہ نے تجارت کے غلہ کی زکوٰۃ کا حساب لگا کر فرمایا تھا کہ پانچ وسق سے کم میں صدقہ (زکوٰۃ) نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ زراعتی ٹیکس کا تعلق ہر قسم کی پیداوار سے ہوتا تھا اور سال میں جتنی فصلیں کاٹی جاتیں ان سب سے وصول کیا جاتا تھا۔ باقی رہی یہ بات کہ قرآن حکیم کی آیت مذکورہ جس طرح ہر قسم کی پیداوار کو شامل ہے اسی طرح ہر قسم کی زمین کو بھی شامل ہے پھر عُشری اور خراجی زمین کی تقسیم کی کیا ضرورت تھی بلکہ آیت کی عمومیت کی بنا پر یہ چاہیے تھا کہ جس قسم کی بھی زمین ہو اس سے یہ ٹیکس لیا جائے جس طرح ہر قسم کی پیداوار سے یہ ٹیکس لیا جاتا تھا۔ چنانچہ اسی بنا پر بعض صحابہ اور ائمہ قانون سے منقول ہے کہ فصل کا حصہ بہرحال وصول کیا جائے خواہ وہ عُشری زمین ہو یا خراجی بشرطیکہ پیداوار کا مالک مسلمان ہو (کیونکہ غیر مسلموں پر دونوں ٹیکس کا بار ڈالنے کا کوئی قائل نہیں ہے)۔

لیکن زمانۂ خلافت میں اس اجتماع کی بہت کم شکلیں پائی جاتی ہیں۔ مفتوحہ زمین کے باشندے جب اسلام قبول کر لیتے تو حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ وغیرہ حسب سابق لگان ہی لیا کرتے تھے اس لیے اس اجتماع کو قانونی شکل دینا مشکل ہے۔ ابو عبید کہتے ہیں:

لان عمرو علی لم یشترطاہ علی الذین اسلموا من الدھاقین ولھذا کان یفتی ابوحنیفۃ واصحابہ[۱]	حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے ان زمینداروں پر جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اس ٹیکس کو لازم نہیں کیا تھا، اسی بنا پر امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا فتویٰ

[۱] الاموال صفحہ ۸۷

Marfat.com

بہر حال اس معاملہ کو خلافت کے صوابدید پر چھوڑ دینا زیادہ مناسب ہے جہاں خلیفہ ایک ہی زمین سے دونوں ٹیکس وصول کرنا مناسب سمجھتا وہاں وہ دونوں وصول کرتا تھا، ورنہ عام قانون ایک ہی کے وصول کرنے کا تھا۔

اس موقع پر یہ بات غور و فکر کی مستحق ہے کہ دونوں ٹیکس کے اجتماع کی شکلیں صرف مسلم کی زمین کے لیے مخصوص تھیں غیر مسلم اس سے مستثنیٰ تھے ان سے صرف سال میں ایک مرتبہ لگان لیا جاتا تھا۔ ابوبکر جصاص نے احکام القرآن میں اور یحییٰ بن آدم قرشی نے کتاب الخراج میں متعدد واقعات اور مختلف شہادتوں سے ثابت کیا ہے کہ ایک زمین سے دو ٹیکس وصول کی زمانۂ خلافت میں بہت کم صورتیں ملتی ہیں اس لیے اس کو قانونی حیثیت نہیں دی جاسکتی۔

زمانۂ خلافت میں دسواں اور بیسواں حصہ لیا جاتا تھا

پیداوار سے کس مقدار ٹیکس لیا جائے؟ اس بارے میں مذکورہ آیتیں خاموش ہیں البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل فرمان سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا:

"جو زمین سوت (نمی) والی ہو جس کے سیراب کرنے کی ضرورت نہ پڑے یا ایسی زمین ہو جو بارش اور چشمہ سے سیراب کی جاتی ہو تو اس کی پیداوار سے دسواں حصہ لیا جائے۔ اور جو زمین کنویں وغیرہ سے سیراب کی جاتی ہو تو اس کی پیداوار سے بیسواں حصہ نکالا جائے[1]۔"

اس مفہوم کی حدیث بخاری و مسلم وغیرہ میں مختلف طُرق اور متعدد صحابہ سے مروی ہے جس سے یہ قانونی کلیہ نکلتا ہے کہ کاشتکاری میں اگر ضروری محنت اور اخراجات کے علاوہ زائد محنت اور اخراجات کو دخل نہ ہو تو پیداوار کا دسواں حصہ نکالا جائے اور اگر زائد محنت اور زائد خرچ برداشت کرنا پڑے تو اس کی مقدار بجائے دسویں کے بیسواں حصہ ہو جائیگی"

---

[1] بخاری

Marfat.com

زمانۂ خلافت میں اسی پر عمل درآمد تھا اور اسی لحاظ سے ٹیکس کی دو مختلف مقداریں (دسواں اور بیسواں حصّہ) مقرر تھیں۔

زائد محنت اور اخراجات میں تمام وہ صورتیں داخل ہوتی تھیں جن میں قدرتی ذرائع آبپاشی سے بالکلیہ محرومی ہوتی اور بالعموم جتنی محنت اور اخراجات کاشتکاری کے لیے درکار ہوتی اس سے زیادہ برداشت کرنا پڑتا۔ مثلاً اس زمانہ میں کنویں سے رہٹ، چرس اور ڈول وغیرہ کے ذریعہ اور تالاب سے "دوگلے" اور پیپے کے ذریعہ آبپاشی کرتے ہیں یا نہر اور "ٹیوب ویل" کے پانی پر ٹیکس ادا کرتے یا کمپنی وہاجن سے پانی خرید کر آبپاشی کرتے ہیں۔ اس جیسی صورتیں اگر زمانۂ خلافت میں ہوتیں تو زائد محنت اور اخراجات کے تحت آتیں۔

اگر ایسی صورت ہو کہ دونوں قسم کے پانی سے آبپاشی ہوئی ہو یعنی کچھ پانی کا ٹیکس ادا کرنا پڑا ہو اور کچھ کا نہیں تو اکثر کا اعتبار ہوگا اور اگر دونوں قسم کے پانی سے برابر آبپاشی کی گئی ہو تو ایسی صورت میں بیسواں حصّہ وصول کیا جائیگا۔ جیسا کہ فقہ میں ہے۔

ولو سقی سیحا و بآلۃ اعتبر الغالب	اگر بارش اور آلات آبپاشی سے آبپاشی کی گئی ہو تو اکثر
ولو استویا فنصفہٗ [1]	کا اعتبار ہوگا اور اگر برابر برابر ہو تو نصف عشر (بیسواں حصّہ) واجب ہوگا۔

زمانۂ خلافت میں نہروں کا پانی چشمہ اور بارش کے پانی جیسا ہوتا تھا اسی بنا پر ابوداؤد کی ایک روایت میں نہروں کے پانی کو بارش اور چشمے کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔

کتبِ فقہ کی جن تصریحات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ نہری زمین میں دسواں حصّہ واجب ہے وہ سب اسی صورت پر محمول ہیں جن کا ٹیکس نہ ادا کرنا پڑے کیونکہ اسلامی حکومت میں نہری پانی پر کسی قسم کا ٹیکس نہیں ہوتا ہے۔ آج چونکہ نہری پانیوں پر ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے اس لیے بیسواں حصّہ واجب ہوگا اور نہروں کا حکم کنوؤں جیسا ہوگا۔

[1] الخراج ص ۵۴ و در المختار ج ۲

Marfat.com

ٹیکس کی مذکورہ دونوں مقداریں دسواں بیسواں حصّہ میں	یہ دو مختلف مقداریں اخراجات
زراعت کے جملہ اخراجات تخم، ہل، بیل، مزدوری، رکھوالے کی	کی کمی بیشی کے لحاظ سے تھیں

تنخواہ، کھاد اور گل اندازی وغیرہ کا خرچ نہ وضع کیا جائیگا کیونکہ ان تمام اخراجات کو سامنے رکھ کر ہی رسول اللہؐ نے دو مختلف مقداریں مقرر کی تھیں۔ ابوبکر جصاصؒ کہتے ہیں:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال	رسول اللہ نے دسویں سے بیسواں حصّہ اس محنت
العشر الی النصف لاجل المؤنۃ	ومشقت کی بناء پر کیا تھا جو کاشتکار کے ذمہ لازم
التی لزمت صاحبہا[1]	ہوتی ہے

قاضی ابویوسف کہتے ہیں "مزدوروں کی مزدوری اور بیل وغیرہ کا خرچ مجرا نہ کیا جائیگا بلکہ کل پیداوار سے دسواں یا بیسواں حصہ نکالا جائیگا"[2]

شامی، فتح القدیر کے حوالہ سے لکھتے ہیں:۔

ویجب العشر فی الاول ونصف	پہلے میں دسواں اور دوسرے میں بیسواں حصہ
العشر فی الثانی بلا رفع اجرۃ	واجب ہوگا لیکن مزدوروں کی مزدوری، بیل
العمال ونفقۃ البقر وکری الانہار	وغیرہ کا خرچ، نہر نالیاں بنانے کا صرفہ اس
ونحو ذلک[3]	طرح کا کوئی خرچ مجرا نہ ہوگا۔

پھر آگے چل کر کہتے ہیں "یہ بات نہیں ہے کہ جس قدر زراعت میں خرچ ہو اس کو مجرا کرنے کے بعد یہ ٹیکس نکالا جائے کیونکہ رسول اللہؐ نے دو مختلف درجے (دسواں بیسواں حصّہ) خرچ کا لحاظ کر کے مقرر کیا تھا۔ اور اگر خرچ مجرا کرنے کے بعد یہ ٹیکس نکالنا مقصود ہوتا تو اس کی ایک ہی مقدار ہوتی، دو مختلف مقداریں مقرر کرنے کی ضرورت نہ تھی"[4]

اب ذیل میں اس ٹیکس کے واجب ہونے کی چند شکلیں درج کی جاتی ہیں

---

[1] احکام القرآن ج ۳ ص ۱۸ و نصب الرایہ ج ۲ ص ۳۹۳ [2] الخراج ص ۵۲
[3] رد المحتار ج ۲ ص ۵۱ [4] ایضاً

Marfat.com

(۱) امداد باہمی کی صورتوں میں اگر زراعت کے اخراجات اور تخم میں صاحبِ زمین اور کاشتکار دونوں شریک ہوں تو ہر ایک کو اپنے اپنے حصہ کا ٹیکس ادا کرنا پڑیگا، کیونکہ اس صورت میں پیداوار کے دونوں مالک ہوتے ہیں اور یہ ٹیکس پیداوار کے مالک ہی سے وصول کیا جاتا ہے نہ کہ صاحب زمین سے

(۲) کھیت بٹائی پر ہو، نصفا نصفی شرکت ہو یا کمی بیشی کے ساتھ اس کا حکم بھی یہی ہے یعنی یہ ٹیکس دونوں پر بقدر حصہ واجب ہوگا۔

(۳) بٹائی کی شکل نہ ہو بلکہ کاشتکار کو کرایہ پر زمین دی گئی ہو تو اس صورت میں امام ابوحنیفہؒ صاحبِ زمین پر یہ ٹیکس واجب بتاتے ہیں اور امام ابویوسفؒ کے یہاں کاشتکار پر واجب ہے[۱]

ابو عبیدؒ کہتے ہیں :-

واذا کری الرجل ارضہ من رجل فزرعہا وھی ارض عشر فان عشرھا علی الزارع المکتری وعلیہ کراءھا لرب الارض و لاشیٔ علی رب الارض[۲]	جب کسی شخص نے عشری زمین کرایہ پر لے کر کاشت کی تو عشر اور کرایہ دونوں کاشتکار کے ذمہ ہیں صاحب زمین پر کچھ واجب نہیں ہے۔

بہر حال حالات و مقامات کے لحاظ سے خلافت کے اختیارات اس بارے میں وسیع ہونگے۔ جہاں جیسی ضرورت ہو اس کے پیش نظر خلافت کو اختیار رہے کہ کاشتکار سے یہ ٹیکس وصول کرے یا صاحب زمین سے

البتہ اس موقع پر یہ بات واضح کردینا ضروری ہے کہ کاشتکاری کے جملہ اخراجات میں زمین کا کرایہ بھی داخل ہوگا جو صاحبِ زمین کو ادا کیا جاتا ہے یعنی ٹیکس میں جس طرح دیگر اخراجات کو مجرا نہیں کیا جاتا اسی طرح کرایہ بھی مجرا نہ کیا جائیگا۔ چنانچہ ائمہ قانون کی تصریحات

---

[۱] الخراج لابی یوسف ص ۹۰ و مختصر الطحاوی ص ۱۳۳ [۲] الاموال ص ۵۱۱

سے پتہ چلتا ہے کہ وجوبِ عُشر کے لیے زمین کا مالک ہونا شرط نہیں ہے۔

بان للملك غير شرط فيه بل الشرط ملك الخارج فيجب في الاراضي الموقوفة لعموم قوله تعالى انفقوا من طيبات ما كسبتم ومما اخرجنا لكم من الارض وقوله تعالى وآتوا حقه يوم حصاده وقوله صلى الله عليه وسلم ما سقت السماء ففيه العشر وما سقي بغرب اودالية ففيه نصف العشر و لان العشر يجب في الخارج لا في الارض.

اس بات کی تشریح ہو چکی ہے کہ وجوبِ عشر کے لیے زمین کا مالک ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ پیداوار کا مالک ہونا ضروری ہے اسی لیے موقوفہ زمین کی پیداوار میں بھی یہ ٹیکس واجب ہے کیونکہ ٹیکس کے سلسلہ کی جتنی آیتیں اور حدیثیں اوپر مذکور ہو چکی ہیں وہ سب عام ہیں ان میں کسی قسم کی خصوصیت نہیں ہے مثلاً قرآن کریم کی یہ آیتیں انفقوا من طیبٰت ما کسبتم الخ وآتوا حقہ یوم حصادہ۔ اور رسول اللہ کا یہ فرمان کہ جس زمین کی آبپاشی بارش سے ہوئی ہو تو اس کی پیداوار سے دسواں حصہ نکالا جائے اور جس کی آبپاشی بڑے ڈول یا رہٹ سے ہوئی ہو تو اس میں سے بیسواں حصہ نکالا جائے۔ اور اس لیے بھی کہ عشر در اصل پیداوار زمین پر واجب ہوتا ہے زمین میں نہیں۔

پھر کچھ آگے چل کر ہے:

فکان ملك الارض وعدمه سواء كما في البدائع [1]

اس سلسلہ میں زمین کا مالک ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہیں۔ بدائع میں ایسا ہی ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ سرکاری مالگزاری یا اور کوئی ٹیکس جو غیر اسلامی حکومت وصول کرتی ہے اس سے عُشر ساقط ہوگا یا نہیں۔

---

[1] شامی باب العشر والخراج والجزیہ۔

Marfat.com

اس سلسلہ میں استاذی المحترم علامہ محمد کفایت اللہ مرحوم مغفور نے ایک استفتار کے جواب میں یہ ——— فتویٰ دیا تھا:

"عشر پیداوار کی زکوٰۃ ہے جس طرح کسی کا روپیہ بینک میں جمع ہو یا تمسکی ہو تو باوجودیکہ حکومت ان تمام روپیوں پر انکم ٹیکس وصول کرتی ہے لیکن اس سے زکوٰۃ ان روپیوں کی نہیں ساقط ہوتی ہو ایسے ہی زمین پر جس قسم کے ناجائز ٹیکس لگائے جائینگے اس سے غلہ کی زکوٰۃ نہیں ساقط ہوگی۔ البتہ اتنی رعایت ہوسکتی ہے کہ زمین کی پیداوار میں سے اس قدر ساقط کرکے جتنا سرکار وصول کرتی ہے باقی کا دسواں یا بیسواں حصہ صاحب زمین اپنی آمدنی سے اور کاشتکار اپنے حصہ سے اور دونوں راضی ہوں تو پہلے ہی مجموعہ سے نکالا جائے مثلاً سو من غلہ پیدا ہوا اور سرکار کو جو مالگذاری دینی پڑتی ہے وہ چالیس من کی قیمت کی ہے تو پیداوار سے چالیس من ساقط کرکے ساٹھ من کا عشر (چھ من) یا نصف عشر (تین من) ادا کرنا واجب ہے۔ کیونکہ عُشری زمین پر وظیفۂ شرعیہ صرف عُشر ہے سرکاری طور پر جو مالگذاری ادا کرنی پڑتی ہو وہ ایک جبری غیر شرعی لگان ہے جس طرح غلہ کے تلف ہو جانے چوری ہو جانے چھین لیجانے میں اس مقدار کو وضع کر دیا جاتا ہے اسی طرح سرکاری مالگذاری میں بھی اتنی مقدار وضع ہو جائیگی۔"

کمی اور معافی کے قوانین میں کاشتکار کی غفلت اور سستی کو دخل ہوتا تھا

کمی اور معافی کے سلسلہ کی جو تفصیل لگان کے باب میں گزر چکی ہے وہی اس میں بھی ہے یعنی زمانہ خلافت میں پیداوار کسی ایسے سبب سے ضائع ہو جاتی جس میں کاشتکار کے تغافل کو دخل نہ ہوتا تو ٹیکس معاف ہو جاتا تھا اور اگر ضائع ہونے میں کسی طرح کاشتکار کے تغافل کو دخل ہوتا تو وصول کیا جاتا تھا۔

فقہ میں ہے:-

Marfat.com

اما اذا کانت الآفۃ غیر سماویۃ و یمکن الاحتراز عنہا کاکل قردۃ وسباع ونحوھما وکالانعام و فارۃ ودودۃ وجراد او ھلک الخارج بعد الحصاد لا یسقط وقبلہ یسقط[1]

لیکن جب آفت سماویہ نہ ہو اور اس سے بچاؤ کیا جانا ممکن ہو مثلاً بندر، درندہ، چوپائے، چوہے، کیڑے، ٹڈی وغیرہ کھا جائیں یا کٹنے کے بعد پیداوار ضائع ہو جائے تو ان تمام صورتوں میں معاف نہ ہو گا اور اگر کھیت کٹنے سے پہلے تلف ہو جائے تو ٹیکس معاف ہو جائیگا

اگر کھیتی کسی آفت سماوی اور تمام ان صورتوں کی وجہ سے ہلاک ہو جاتی جن کا دفع کرنا کاشتکار کے لیے ممکن نہ تھا مثلاً کھیتی ڈوب جاتی، بہہ جاتی، جل جاتی، پالا مار جاتا، زمانۂ خشک سالی میں خشک ہو جاتی، درندوں، بندروں، ٹڈی دلوں نے ختم کر دیا ہوتا۔ چوہے، کیڑے لگ جاتے۔ ان سب کی نوعیت اگر ایسی ہوتی کہ مناسب تدابیر کے بعد تحفظ و بچاؤ ہو سکتا تھا لیکن کاشتکار کی کوتاہی اور غفلت کی وجہ سے بچاؤ نہ ہوا ہوتا تو ایسی صورت میں یہ ٹیکس معاف نہ ہوتا تھا۔ ہاں اگر کوشش کے باوجود حفاظت نہ ہوتی یا تباہی و بربادی ایسی عام ہوتی کہ اس میں تحفظ و بچاؤ کی کوشش کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تو معاف ہو جاتا تھا[2]

چور اگر کل کاٹ لے جاتے تو کل کا ٹیکس معاف ہو جاتا تھا ورنہ جس مقدار میں وہ لیجاتے اسی مقدار کا معاف ہوتا اور بقیہ کا ادا کرنا پڑتا تھا[3]

غصب (چھیننے) کا یہی حکم تھا یعنی اگر کل چھین لیا جاتا تو کل کا ٹیکس معاف ہو جاتا تھا ورنہ جس مقدار کو غصب کیا جاتا اسی مقدار کا معاف ہوتا تھا[4]

یہ مذکورہ بالا احکام کھیتی اور پھل دونوں کے لیے یکساں ہوتے تھے[5]

کھیتی کی پیداوار کی طرح پھل پر بھی ٹیکس واجب ہوتا تھا اور جو صورتیں کمی و بیشی اور

---

[1] عالمگیری [2] درالمختار ج ۲ [3] الخراج ص ۵۳ [4] عالمگیری و فتاویٰ قاضی خان

[5] غایۃ الاوطار ج ۲ ص ۴۹۹۔

Marfat.com

معافی کی اس میں بیان کی گئی ہیں وہ سب عمل میں ملحوظ ہوتی تھیں۔

زمانۂ خلافت میں کاشتکاروں کی سہولت کی چند صورتیں

خلافت کی جانب سے امداد کی جاتی تھی

زمانۂ خلافت میں کاشتکاروں کی فلاح وبہبودی کے لیے جو قوانین بنائے گئے تھے اور ان کی خوشحالی اور سماجی ترقی کے لیے جو تدبیریں اختیار کی گئی تھیں ان میں کی چند ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) اگر کوئی کاشتکار کام کرنے سے معذور ہو جاتا یا اس کی کھیتی کسی آفت کی وجہ سے برباد ہو جاتی یا وہ دیگر معاشی مصائب میں مبتلا ہو جاتا تو ان تمام صورتوں میں سرکاری خزانہ سے اس کی امداد کی جاتی تھی اور آلاتِ زراعت وغیرہ کی فراہمی اور تخم وغیرہ کے انتظام میں اس کو سہولت پہنچائی جاتی تھی۔

(۲) کوئی کاشتکار زراعت کرنے کے قابل نہ رہتا تو بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اعلان کر دیا تھا کہ

لیس لاحد الا لہ فی ھذا المال حق[1] ہر شخص کا سرکاری خزانہ میں حق ہے۔

(۳) اور ضعیفی میں جب وہ کام کرنے کے قابل نہ رہتا تو بھی اس کا وظیفہ مقرر کر دیا جاتا تھا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ نے کوفہ کے فتح کے وقت جو تمام لوگوں کو حقوق دیے تھے اس کی چند دفعات یہ ہیں

وجعلت لھم ایما شیخ ضعف عن العمل اذا اصابتہ آفۃ من الآفات — اور میں نے انہیں یہ حق دیا ہے کہ کوئی بوڑھا شخص کام کرنے سے معذور ہو جائے یا اس پر

---

[1] الاموال ص ۲۳۳

اوکان غنیاً فافتقر وصار اهل دینه	کوئی آفت آئے یا پہلے دولتمند ہو پھر غریب
یتصدقون علیه طرحت جزیته	ہو جائے جس کی بنا پر اس کے ہم مذہب اس
وعیل من بیت مال المسلمین وعیاله	کو خیرات دینے لگیں تو ہم اس کی جانُ مال کی
ما اقام بدار الهجرة ودار الاسلام	حفاظت کا ٹیکس (جزیہ) موقوف کر دینگے اور
فان خرجوا الی دار هجرة ودار	جب تک وہ مسلمانوں کے ملک میں رہے اس کا
اسلام فلیس علی المسلمین	اور اس کی اولاد کا سرکاری خزانہ سے وظیفہ
النفقة علی عیالهم ۱؎	مقرر کر دیا جائیگا لیکن اگر وہ غیر ملک میں چلا جائے
	تو پھر مسلمانوں کے ذمہ اس کا نفقہ نہیں ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عدی بن ارطاۃ اپنے گورنر کے نام یہ فرمان لکھ بھیجا تھا۔

وانظر قبلك من اهل الذمة	تمہارے دائرہ حکومت میں جو بوڑھے ہوں اور
قد کبرت سنه وضعفت قوته	جن میں کمانے کی طاقت نہ ہو یا ان کے پاس
وولت عنه المکاسب فاجر	ذرائع معاش مفقود ہوں ان سب کا سرکاری
علیه من بیت مال المسلمین ما	خزانہ سے وظیفہ مقرر کردو۔
یصلحه ۲؎	

اسلام بالعموم اپنے گورنروں کو یہ حکم دیتا ہے:

ولا یدع فقیراً فی ولایته الا	قلمرو خلافت میں بلاتخصیص مذہب و ملت ہر
اعطاه ولا مدیوناً الا قضی	تنگدست کی امداد کی جائے، ہر قرضدار کا قرض ادا
عنه دینه ولا ضعیفاً الا اعانه	کیا جائے۔ ہر کمزور ضعیف اور ہر مظلوم کی اعانت
ولا مظلوماً الا نصره ولا ظالماً	کی جائے، ہر ظالم کو ظلم سے باز رکھا جائے، ہر ننگے
الا منعه عن الظلم ولا عاریاً	کو کپڑا پہنایا جائے (غرض کوئی ضرورتمند ایسا نہ رہے

۱؎ کتاب الخراج بحوالہ الفاروق   ۲؎ الاموال ص ۴۶ والخراج

الا کساہ کسوۃ [1] پائے جس کی جائز ضرورت خلافت پوری نہ کرے۔

زمانۂ خلافت میں ان وظیفوں کی وہ شکل نہ تھی جو نوابوں اور راجاؤں کے یہاں سے لوگوں کے مقرر ہوتے ہیں اور بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے اور بغیر کسی جائز استحقاق کے لوگ اس کے ذریعہ پلتے رہتے ہیں بلکہ اس کی شکل ایسی تھی کہ اس کے ذریعہ ایک طرف تو یہ ہوتا تھا کہ کام کرنے کے قابل بیکار افراد برسرکار لگ جاتے تھے اور دوسری طرف یہ کہ کمزور و ضعیف لوگ دوسروں کی دست نگری سے محفوظ رہتے تھے۔

(۴) بنجر زمین کی آبادکاری میں کاشتکاروں کو کسی قسم کی رکاوٹ و دشواری پیش آتی تھی، خلافت اس سلسلہ میں ان کی تمام مشکلات کو دفع کرنے کی ذمہ دار ہوتی تھی بالفرض اگر کاشتکاروں کی مفت امداد کے لیے بیت المال میں گنجائش نہ ہوتی تو اس صورت میں ان کو قرض کے طور پر رقم دی جاتی تھی [2] اور اگر اس کی گنجائش نہ ہوتی تو جس صورت سے ممکن ہوتا ان کی حالت سدھاری جاتی تھی اس کی مختلف شکلیں تھیں مثلاً لوگوں کو مجبور کیا جاتا تھا، ان پر نئے نئے ٹیکس لگائے جاتے تھے یا اور کوئی صورت جو مناسب سمجھی جاتی وہ اختیار کی جاتی تھی، غرض کاشتکاروں کے معاشی تناسب کو برقرار رکھنے کے لیے خلافت کسی کوشش سے بھی دریغ نہ کرتی تھی بلکہ اس کو وہ اپنا فرض سمجھتی تھی۔

(۵) پیداوار کے تلف یا نقصان ہونے میں اگر خلافت کے کارندوں کو دخل ہوتا تو اس کا معاوضہ ادا کیا جاتا تھا جیسا کہ

واتی عمر رجل فقال یا امیر	عمر بن عبدالعزیز کے پاس ایک کاشتکار نے آکر
المؤمنین زرعت زرعا فمربہ	عرض کیا کہ شامی فوج نے میری زراعت کو
جیش من اھل الشام فافسدوہ	تباہ کر دیا ہے۔ آپ نے سرکاری خزانہ سے

---

[1] شرح شرعۃ الاسلام سید علی زادہ [2] الاموال ص ۲۴۶ و فتح القدیر ج ۳ ص ۳۶۴ از اسلام کے معاشی نظریے۔ ص ۵۶۵۔

قال فعوضہ عشرۃ الاف[1] دس ہزار درہم اس کا معاوضہ دلوایا۔

(۶) بعض صورتوں میں جو جنس پیدا ہوتی وہی ٹیکس میں سے لی جاتی تھی کاشتکاروں کو نقدی رقم کے ساتھ ٹیکس ادا کرنے کی زحمت نہ دی جاتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ وغیرہ سے اس قسم کی سہولتیں دینا ثابت ہے۔

کاشتکاروں کو بے دخل نہ کیا جاتا تھا

(۷) کاشتکار برابر لگان ادا کرتا رہتا تو بلا وجہ خلافت بھی اس کو بیدخل کرنے کی مجاز نہ تھی جیسا کہ علامہ شامیؒ ارضِ موقوفہ کی بحث میں لکھتے ہیں:

ثم اعلم ان اراضی بیت المال	جان لو یہ بات کہ بیت المال کی زمین جس کو
المسماۃ باراضی المملکۃ واراضی	ارضِ مملکت اور ارضِ حوز کہا جاتا ہے جب تک
الحوز اذا کانت فی ایدی زراعھا	کاشتکار ٹیکس ادا کرتے رہیں ان کے قبضہ سے
لا تنزع من ایدیہم مادا مو یؤدون	نکالی جائے نہ اس زمین کی خرید و فروخت
ما علیھا ولا یورث عنھم اذا ماتوا	ان کے لیے جائز ہے اور نہ کاشتکاروں کے انتقال
ولا یصح بیعھم لھا[2]	کے بعد اس زمین میں وراثت جاری ہوگی (کیونکہ
	زمینیں خلافت کی ہیں نہ کہ ان کی)

جب خلافت کو بیدخل کرنے میں اتنی احتیاط برتنی ضروری تھی تو ظاہر بات ہے کہ جو صورتیں رعایا کے درمیان امدادِ باہمی کے طریقے پر کرایہ اور بٹائی کی شکل میں طے ہوتی تھیں ان میں کاشتکار کو بیدخل کرنے کی کیسے گنجائش نکل سکتی تھی اور کس طرح صاحبِ زمین کو یہ اختیار ہو سکتا تھا کہ جب چاہے بلا سوچے سمجھے کاشتکار کو بیدخل کردے۔

البتہ اگر صاحبِ زمین نہ خود کاشت کرتا اور نہ دوسروں کو کاشت کے لیے زمین دیتا تو ایسی صورت میں وہ ضرور بیدخل کر دیا جاتا، تاکہ زمین بے کاشت پڑی رہنے کی وجہ سے

[1] الخراج ص ۱۱۹ [2] ایضاً ص ۵۰ [3] شامی باب العشر والخراج والجزیہ

Marfat.com

مفادِ عامّہ نہ پامال ہونے پائیں جیساکہ بیدخل کرنے کی متعدد مثالیں اوپر گزر چکی ہیں اور درجِ ذیل عبارت سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

واذا اعجزرب الارض عن عمارتها قيل له اما ان توجرها وترفع يدك عنها [1]	اور جب صاحب زمین اس کی آبادکاری سے عاجز ہو جائے تو اس سے کہا جائیگا کہ یا تو اس کو کرایہ پر دے اور اس سے اپنا ہاتھ اٹھالے۔

اور در مختار میں ہے:-

ان للامام ان يخرجه متى شاء [2]	خلیفہ کے لیے جائز ہے کہ جب چاہے اہلِ قطائع کو بیدخل کردے۔

زمانۂ خلافت میں مفتوحہ زمین کے کاشتکاروں کے حقوق و	سیاسی مصلحت کی بنا پر بیدخلی ناگزیر ہوجاتی تو خلافت ان کی زمین خرید کر اس کی پوری قیمت ادا کرتی تھی اور ہر قسم کی سہولت پہنچاتی تھی

مراعات کا یہاں تک لحاظ کیا جاتا تھا کہ اگر سیاسی مصلحت کی بنا پر انہیں کسی جگہ منتقل کرنے کی ضرورت پڑتی تو ان کی آراضی کی ایک ایک پائی ادا کی جاتی تھی چنانچہ حضرت عمرؓ نے جب وادی القریٰ کے باشندوں کو بیدخل کیا تو ان کی اراضی اور نخلستان کی قیمت لگا کر جس کی مقدار نوے ہزار دینار ہوتی تھی ان کے حوالہ کیا تھا [3]

نجران کے باشندوں کو جب منتقل کیا گیا تو زمین کے عوض زمین دی گئی تھی۔ فدک کے لوگوں کو ان کی زمین کی قیمت ادا کی گئی تھی (ان سب کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے) مدینہ کے یہودیوں کو منتقل کرنے سے پہلے رسول اللہ نے ان کو اپنی زمینیں فروخت کرنے کی اجازت دے دی تھی [4]

الغرض اسلام نے کاشتکاروں کو سہولتیں پہنچانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی ہے اور خلافت کو اس سلسلہ میں وسیع اختیارات دیے ہیں۔ خلافت کی تاریخ میں ایک نظیر

---

[1] الاحکام السلطانیہ ماوردی ص ۱۴۷ [2] الدر المختار باب العشر والخراج [3] الاحکام السلطانیہ [4] بخاری کتاب البیوع ص ۱۹

Marfat.com

بھی ایسی نہیں پیش کی جا سکتی ہے کہ کاشتکار کی حق تلفی کی گئی ہو یا اس پر کسی قسم کی ظلم و زیادتی ہوئی ہو۔

تحصیل وصول میں سختی نہ کی جاتی تھی

افسرانِ بندوبست کو تحصیل وصول کے طریقوں کی ہدایت کی جاتی تھی اور انہیں مار پیٹ اور سختی نہ کرنے کی انتہائی تاکید کی جاتی تھی مثلاً قبیلہ ثقیف کے ایک شخص کے ذمہ حضرت علیؓ نے ایک مقام کا بندوبست سپرد کرتے ہوئے فرمایا کہ

"ٹیکس وصول کرنے میں کسی کو کوڑا نہ مارنا، غلہ اور گرمی و سردی کے کپڑے فروخت نہ کرنا، ان کے جانور نہ بیچنا اور ہر وقت تقاضہ کے لیے ان پر کسی کو مسلط نہ کرنا"۔

افسر نے یہ ہدایت سن کر جواب دیا کہ اس طرح ایک پائی بھی کوئی شخص نہ دیگا اور بالکل خالی واپس آنا پڑیگا، امیر نے جواب میں فرمایا:

وان رجعت کما ذھبت	جس طرح خالی گیا تھا چاہے اسی طرح خالی واپس آنا پڑے
ویحك انا امرنا ان ناخذ	(اور کچھ وصول نہ ہو) "افسوس ہے تجھ پر" ہمیں صرف اس
العفو یعنی الفضل [1]	بات کا حکم دیا گیا ہے کہ جو کچھ ان کی ضرورت سے زاید ہو بس اسی میں سے یہ ٹیکس وصول کریں۔

عدی بن ارطاۃ گورنر نے ایک مرتبہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس نرمی اور سہولت کے ساتھ لگان نہ وصول ہونے کی شکایت لکھ بھیجی تو آپ نے اس کا یہ جواب دیا:

کس قدر تعجب کی بات ہے کہ تم مجھ سے انسانوں کو سزا دینے کی اجازت چاہتے ہو۔ کیا میں اللہ کے عذاب سے بچاؤ کے لیے ڈھال بن جاؤنگا اور میری رضامندی تمہیں اللہ کے غیظ و غضب سے نجات دلا دیگی۔

یاد رکھو! جس قدر ان کے ذمہ بقایا ہے اگر وہ اپنی حاجت سے زائد میں سے ادا کریں تو قبول کر لو ورنہ چھوڑ دو۔ اللہ کی قسم یہ لوگ اپنے قصوروں کے ساتھ

[1] الخراج لیحیی، ص ۷۵۔

Marfat.com

اللہ کے دربار میں ہوں یہ کہیں بہتر ہے کہ میں ان کو سزا دے کر حاضر ہوں[۱]

ایک مرتبہ والی شام سعید بن عامر کو لگان کی رقم بھیجنے میں تاخیر ہوئی حضرت عمرؓ نے انہیں دربارِ خلافت میں بلا کر ان سے تاخیر کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ "آپ نے ملک شام کی تحصیل وصول کے بارے میں دو قانون مقرر کیے ہیں (۱) چار دینار سے زیادہ وصول نہ کرنا (۲) وصول کرنے میں ان کی آمدنی اور سہولت ہونے تک مہلت دینا" چونکہ آپ کے ان دونوں اصولوں پر ہم سختی کے ساتھ پابند ہیں اسی بنا پر لگان کی وصولی میں تاخیر ہوتی ہے"۔

حضرت عمرؓ نے یہ بات سن کر انتہائی خوشی میں فرمایا کہ میں تمہیں زندگی بھر اس عہدہ سے معزول نہ کرونگا[۲]

یہ اس زمانہ کے ماحول کا قانون ہے جبکہ دوسری طرف کی دنیا میں کاشتکار جانوروں سے زیادہ بدتر سمجھے جاتے تھے اور انہیں زندہ رہنے کا صرف اس لیے حق تھا کہ وہ امراء کے لیے سامانِ عیش پیدا کریں۔ اس کے مقابلہ میں یہ رحمت و انسانیت والا انظام تھا جو امراء کے لیے پیغام موت بنا اور عوام دوڑ دوڑ کر اسلام کی آغوش میں داخل ہونے لگے۔

ٹیکس کے علاوہ کوئی اور چیز نہ لی جاتی تھی

زمانۂ خلافت میں ٹیکس کے علاوہ ہر قسم کے نذرانوں اور بھیٹوں کو حرام قرار دیا گیا تھا اور افسران کو سختی کے ساتھ اس بات کی ہدایت کی جاتی تھی کہ وہ مقررہ مقدار کے علاوہ کسی قسم کی کوئی اور شے وصول نہ کریں

عمر بن عبدالعزیزؒ نے والی کوفہ عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کو اس سلسلہ میں ایک مفصل خط لکھا تھا جس میں یہ قانونی دفعات درج تھیں:

"کوفہ میں جو قوانین اور تحصیل وصول کے جو طریقے رائج تھے ان کی وجہ سے کاشتکاروں کو سخت پریشانیوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا تم اس

[۱] الخراج لابی یوسف ص ۱۱۹ [۲] الاموال ص ۴۴۔

Marfat.com

بات کو اچھی طرح یاد رکھو کہ (۱) اس سلسلہ میں بہترین طریقہ اور قانون عدل و احسان ہے۔ (۲) میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ مقررہ ٹیکس کے علاوہ کسی سے کوئی اور شے نہ لینا (۳) تحصیل وصول میں کسی قسم کی ظلم و زیادتی نہ کرنا (۴) سکہ ڈھالنے اور چاندی پگھلانے والوں کی اجرت وصول نہ کرنا (۵) نوروز اور مہرجان کے تحفے نہ لینا (۶) رسید کی قیمت اور ہاؤس ٹیکس وغیرہ نہ لینا[۱]۔

قاضی ابو یوسف کہتے ہیں :-

ولا یوخذ منہم ما قد یسمونہ رواج الدراھم یودونھا فی الخراج فانہ بلغنی ان الرجل منہم یاتی بالدراھم لیؤدیھا فی خراجہ فیقتطع منہا طائفۃ ویقال ھذا رواجھا وصرفھا[۲]	رواج اور رسوم کے نام سے جو کچھ وصول کیا جاتا ہے اور کاشتکار چار و ناچار اس کی ادائیگی پر مجبور رہتے ہیں (وہ سب ظلم ہے) مجھے پتہ چلا ہے کہ جب کاشتکار لگان کی رقم ادا کرتا ہے تو ضلعدار کچھ رقم نکال کر کہتا ہے کہ یہ اتنی رقم رواج اور رسوم کی ہوگئی اور جب تو اتنی رقم ادا کریگا تو لگان سے سبکدوشی حاصل ہوگی۔

ہارون الرشید کو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں :

"کاشتکار سے ضلعدار یا چپراسی کی تنخواہ، ناپنے تولنے کی اجرت اور کٹائی بٹائی کی مزدوری نہ وصول کی جائے۔ کسی افسر متعلقہ کی رسد اور مہمان نوازی کے سلسلہ میں ان پر کوئی بار نہ ڈالا جائے۔ یہ بہانہ کر کے کہ کاشتکار نے پیداوار سے کچھ چرا لیا ہے اس سے مزید رقم نہ لی جائے۔ رسید اور رجسٹر کی قیمت نہروں کے پانی کا ٹیکس، کسی حادثہ کا تاوان یا اس کے علاوہ کسی قسم کا کوئی اور بوجھ ان پر نہ ڈالا جائے[۳]۔"

عام طور سے ضلعدار و ذیلدار وغیرہ دیہاتوں میں تحصیل وصول کے لیے جاتے ہیں اور

---

[۱] الاموال ص ۴۷ [۲] الخراج ص ۱۰۹ [۳] ایضاً

Marfat.com

ناشتہ وغیرہ کا خرچ یا خیمہ ڈنڈا لگانے کا بار کاشتکاروں پر ڈال دیتے ہیں یا چپراسی وغیرہ اپنے "چپینے" کے نام سے جو کچھ وصول کرتے ہیں ان سب کے متعلق قاضی صاحب کہتے ہیں:

انما مذھبھم اخذ شئ من الخراج کان او من اموال الرعیۃ ثم انھم یاخذون ذلک فیما یبلغنی بالعسف والظلم والتعدی ثم لا یزال الوالی ومن معہ قد نزل بقریۃ یاخذ اھلھا من نزلہ بما لا یقدرون علیہ ولا یجب علیھم حتی یکلفوا ذلک[1]	ان تحصیل وصول کرنے والوں کا مذہب تو یہ ہے کہ جس طرح ممکن ہو لگان کی رقم سے یا رعایا کے دیگر اموال میں سے کچھ نہ کچھ ضرور ہڑپ کیا جائے مجھے جہاں تک معلوم ہوا ہے یہ لوگ رعایا اور کاشتکاروں کے ساتھ انتہائی ظلم و تشدد سے پیش آتے ہیں ضلعدار اور اس کے کارندے جب دیہات میں جاتے ہیں تو حق مہمانی کے نام سے جو کچھ وصول کرتے ہیں وہی ان کی طاقت و برداشت سے زیادہ ہوتا ہے۔ اصل لگان اس کے علاوہ ہوتا ہے۔

پھر آگے چل کر ان تمام باتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "یہ سب باتیں کاشتکاروں کے لیے مضر اور نقصان رساں ہونے کے لیے سرکاری خزانہ کے لیے بھی نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں"[2]

ان تصریحات سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ٹیکس کے علاوہ ہر قسم کے نذرانے، بھینٹ، رشوت، تحفے تحائف، اور وہ رقم جو ضلعدار بطور حق وصول کرتا ہے یا مہلت دینے کی صورت میں نذرانہ لیتا ہے یا چپراسی باہر ہی باہر کچھ طے کر کے وصول کر لیتا ہے یہ سب باتیں زمانۂ خلافت میں حرام اور ناجائز تھیں۔

بیگار یا کم معاوضہ پر کام نہ لیا جاتا تھا	اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں یہ دستور تھا اور آج بھی ہے

[1] الخراج ص ۱۰۹ [2] ایضاً

Marfat.com

کہ زمیندار وضلعدار اور دوسرے افسران کاشتکار اور دیگر رعایا سے مفت یا مقررہ معاوضہ سے کم پر کام لیتے ہیں اور اس کے جواز کا یہ بہانہ تراشتے ہیں کہ ہم نے ان کو زمینیں دی ہیں، اپنے علاقہ میں آباد کیا ہے اور ہمارے فلاں فلاں قسم کے احسانات ان پر ہیں اس لیے ان لوگوں کا فرض ہے کہ ہماری رعایا بن کر رہیں اور ہماری ہر طرح کی خدمت کریں۔ گویا اللہ کی زمین سے استفاع کا حق صرف انہی کو حاصل ہے اور قدرت کی نظر میں زمین کی پیدائش سے اصلاً یہی لوگ مقصود تھے۔

اس سلسلہ میں اسلام نے ان تمام حدبندیوں کو ختم کر کے بالکلیہ مساوات کا اعلان کیا، اور آجر و مزدور کے تعلقات کی نوعیت کے بارے میں درج ذیل فرمان جاری کیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

(۱) هم اخوانكم جعلهم الله تحت ايديكم فمن جعل الله اخاه تحت يده فليطعمه مما ياكل وليلبسه مما يلبس ولا يكلفه من العمل ما يغلبه فان كلفه ما يغلبه فليعينه عليه[۱]	وہ تمہارے بھائی ہیں اللہ نے ان کو تمہارے ماتحت کر دیا ہے جس کے ماتحت اللہ نے اس کے بھائی کو کیا ہو تو جو خود کھائے وہی اپنے بھائی کو کھلائے جو خود پہنے وہی اس کو پہنائے اور جو کام اس کی طاقت سے باہر ہو اس کی اسے تکلیف نہ دے اور اگر تکلیف دے تو خود اس کی مدد کرے۔

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا

(۲) اعطوا العامل من عمله فان عامل الله لا يخيب[۲]	کام کرنے والے کو اس کے کام سے حصہ دو کیونکہ اللہ کا عامل محروم نہیں کیا جاتا ہے۔

(۳) ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا کہ "مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دیا کرو"۔[۳]

---

[۱] بخاری کتاب الایمان [۲] بخاری [۳] ابن ماجہ

Marfat.com

(۴) آپ نے فرمایا کہ "جو شخص مزدور سے کام لے کر اس کو اجرت نہیں دیتا ہے قیامت کے دن میں خود اس کے خلاف مقدمہ دائر کرونگا"۔[1]

تمام معاملات کے بارے میں آپ نے فرمایا:

(۵) لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ[2] تم میں کا کوئی شخص پورا ایمان دار نہ ہوگا جب تک کہ اپنے مسلم بھائی کے لیے وہی چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔

اسلام نے بنیادی حیثیت سے یہ ——— باتیں ضروری قرار دی ہیں

(۱) آجر اور مزدور کے درمیان تعلقات کی نوعیت حاکم و محکوم کی نہ ہو بلکہ برادرانہ و مساویانہ ہو۔

(۲) مزدور کو اتنی مزدوری دی جائے کہ کم از کم کھانے پہننے کی حد تک دونوں کی معاشی سطح برابر ہو۔

(۳) مزدور پر اتنا بوجھ نہ ڈالا جائے جو اس کی برداشت سے زیادہ ہو وقت اور کام کی نوعیت دونوں میں اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

(۴) اگر طاقت سے زیادہ کوئی بار ڈالا جائے تو اس کو تنہا نہ چھوڑا جائے بلکہ اس کی مدد کی جائے۔

(۵) مزدوری سے مزدور کا واقف ہونا ضروری ہے[3]

(۶) مزدور کو مزدوری کے علاوہ حتی الامکان کام کے منافع میں شریک کرنا مناسب ہے تاکہ اس طرح کھانے پہننے کی حد تک معاشی سطح دونوں کی برابر ہو سکے۔

(۷) مزدوری دینے میں تاخیر کرنا درست نہیں ہے۔

اسلام کے یہ اصول راعی اور رعایا سب کے لیے یکساں ہیں اور زمانۂ خلافت میں انہی اصول پر عمل درآمد تھا جس کی بنا پر عام کاشتکار اور مزدور جوق در جوق اسلامی

[1] ابن ماجہ فی الاحکام و بخاری بالاجارات [2] بخاری کتاب الایمان [3] نسائی و مسند عبد الرزاق از نصب الرایہ

Marfat.com

حکومت میں داخل ہوتے تھے اور دوسری ظالم حکومتوں سے اپنے مظلوم بھائیوں کو ظلم و ستم سے نجات دلانے کے لیے جہاد کرتے تھے، اور رحمت و عدالت کے یہی وہ زریں اصول تھے جنہیں دیکھ کر قوموں نے بلاوے بھیجے تھے، شہروں نے پھاٹک کھول دیے تھے اور تمام مظلوم آبادیوں نے اپنا نجات دہندہ سمجھ کر اسلامی حکومت کو خوش آمدید کہا تھا۔

یہ تھی اسلام کی توسیعِ اشاعت کی اصل حقیقت جس کو دیکھ کر متعصب مورخوں اور اسلام کے دشمنوں نے پروپیگنڈا کیا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔

زمانۂ خلافت کے افسران

زمانۂ خلافت میں جملہ افسران کے تقرر کے وقت قرآن کریم کی یہ آیت سامنے رہتی تھی:-

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ	بیشک اللہ تمہیں اس بات کا حکم دیتا ہے کہ
إِلٰى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ	امانتوں کو اس کے اہل تک پہنچا دو اور جب
أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (۵۸)	لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔

آیت میں 'امانات' سے مراد تمام ذمہ داریاں اور تمام حقوقِ واجبہ ہیں خواہ ان کا تعلق صرف اللہ سے ہو یا اللہ اور بندہ دونوں سے ہو۔

ابن عباس اور ابن مسعود اور براء بن عازب اور ابو جعفر اور ابو عبداللہ رضی اللہ عنہم وغیرہ جیسے جلیل القدر صحابہ سے یہی منقول ہے۔ اور مفسرین کی تصریحات اس کی تائید کرتی ہیں:-

ان الامانات جمع امانة يعم الحقوق	آیت میں امانات، امانت کی جمع ہے جو تمام
المتعلقة بذمهم من حقوق الله تعالیٰ	حقوق واجبہ کو عام ہے خواہ وہ حقوق اللہ ہوں

Marfat.com

وحقوق العباد [1] یا حقوق العباد۔

حضرت زید بن اسلم فرماتے ہیں :۔

ان ھذا الخطاب لولاۃ الامر — آیت کریمہ میں خاص حاکموں کو خطاب ہے کہ
ان یقوموا برعایۃ الرعیۃ و — وہ رعایا کی حفاظت کا مکمل انتظام کریں اور ان
حملھم علی موجب الدین و — کو دین و شریعت کے مقتضیات کا پابند بنائیں
الشریعۃ وعدوا من ذلک — لفظ امانات میں اس بات کو بھی شمار کیا ہے کہ
تولیۃ المناصب مستحقیھا [2] — عہدے صرف ان کے مستحقین کو دیے جائیں۔

بہر حال اس آیت کے عموم مفہوم میں جملہ حقوق واجبہ حتیٰ کہ مناصب اور عہدے سب شامل ہیں۔

الغرض زمانۂ خلافت میں عہدہ اور منصب اسی کے سپرد کیا جاتا تھا جو اس کی اہلیت وصلاحیت رکھتا تھا۔ نہ کسی کو اس کے حق سے محروم کیا جاتا اور نہ کسی کو بلا اہلیت وصلاحیت کوئی عہدہ سپرد کیا جاتا۔

تقرر سے پہلے چند اور باتیں دیکھنا بھی ضروری تھیں۔

تحصیل وصول کے محکمہ میں اعلیٰ افسران بندوبست کے تقرر کے وقت مندرجہ ذیل باتیں دیکھنا ضروری ہوتی تھیں :

(۱) سمجھدار ہو (۲) تحصیل وصول کے کام میں ماہر ہو (۳) قانون کے نفاذ میں کسی کی پروا نہ کرتا ہو (۴) معاملات میں لوگوں سے مشورہ لینے والا ہو (۵) حق تلفی و خیانت کرنے میں اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہو (۶) پاکدامن ہو کسی صریح جرم کا مرتکب و متہم نہ ہو۔ (۷) اس کے اندرونی معاملات کی عام لوگوں کو خبر نہ ہو (۸) حقوق کی حفاظت کا پورا پورا خیال رکھتا ہو (۹) فقیہ و مجتہد ہو البتہ اگر خراج کا صرف محصل ہو تو اس کے لیے اجتہاد کی قابلیت شرط نہیں ہے لیکن امانت کی شرط لازمی ہے۔

[1] از مقالہ دستور قرآنی [2] ایضاً

Marfat.com

ان باتوں کے علاوہ مقامی حالات کا جائزہ لینا اور وہاں کے باشندوں سے مشورہ لے کر کسی کو نامزد کرنا بھی ضروری تھا۔[1]

قاضی ابو یوسف کہتے ہیں:

ومن ولیت منہم فلیکن فقیہا	اے ہارون الرشید جس کو آپ حاکم بنائیں وہ صاحب
عالماً مشاوراً لاہل الرای عفیفا	اور کام کا جاننے والا ہو لوگوں سے مشورہ کرتا ہو
لا یطلع الناس منہ علی عورۃ	اور پاکدامن ہو، لوگ اس کے اندرونی حالات
ولا یخاف لومۃ لائم ما حفظ	سے واقف نہ ہوں، اللہ کا قانون نافذ کرنے
من حق وادی من امانۃ	میں کسی کی ملامت کی پروا نہ کرتا ہو حقوق کی
احتسب بہ الجنۃ وما عمل	حفاظت کرنے اور امانت کے ادا کرنے میں طلب
بہ من غیر ذلک خاف عقوبۃ	ثواب کا جذبہ ہو حق تلفی کرنے اور کسی پر ظلم و زیادتی
اللہ فیما بعد الموت[2]	کرنے میں موت کے بعد اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہو۔

غیر مسلم کے معاملات کا خصوصیت کے ساتھ خیال رکھا جاتا تھا اور ان کے معاملات تو ان کے مشورہ سے طے کیے جاتے تھے اور بالعموم انہی میں کے افسر حسب سابق بحال رکھے جاتے تھے چنانچہ ممالک مفتوحہ میں اکثر و بیشتر غیر مسلم پارسی، یونانی قبطی افسران مقامی باشندوں کی مرضی سے بحال رکھے گئے تھے اور حکومت کا مزاج بدل جانے کے بعد یہ سب کے سب عادل و حق شناس بن گئے تھے۔

علامہ مقریزیؒ تصریح کرتے ہیں:

فکانت جبایتہم بالتعدیل[3] ان افسران کی تحصیل وصول عدل و انصاف کے ساتھ ہو گئی تھی۔

---

[1] الخراج لابی یوسف ص ۱۰۶۔ والاحکام السلطانیہ للقاضی ابو یعلی ص ۱۵۷

[2] ایضاً [3] الخطط للمقریزی۔

Marfat.com

حضرت عمرؓ کا دستور تھا کہ غیر مسلم رعایا کے معاملات انہی کی رائے اور مشورہ سے طے کیا کرتے تھے جیسا کہ نیچے کی تصریحات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

عراق کے بندوبست کا جب موقع پیش آیا تو عجمی رئیسوں کو مدینہ میں بلا کر لگان کے حالات دریافت کیے اور جب پیمائش کا کام مکمل ہوگیا تو زمین کے دس دس مالکوں کو عراق سے بلا کر ان کی رائے لی اور یہی انتظام تقریباً ہر سال جاری رہا۔ مصر کے انتظام کے وقت وہاں کے گورنر کو لکھا کہ مقوقس (سابق بادشاہ) سے لگان کے معاملہ میں رائے لی جائے، اور جب اس پر تسلی نہ ہوئی تو ایک واقف کار قبطی کو بلا کر اس سے پوری تحقیق کی۔

محکمہ تحقیق و تفتیش اور افسران کے خلاف کارروائی

زمانۂ خلافت میں افسران کے کام کی جانچ پڑتال کے لیے خفیہ پولیس کا ایک محکمہ قائم کیا جاتا تھا جو عوام سے ان کے حالات اور معاملات معلوم کر کے ہر روز دربار خلافت میں ان کی رپورٹ پہنچاتا تھا۔ اس محکمہ میں وہی لوگ لیے جاتے جن کی دیانت اور پاکدامنی اور کام پر خلافت کو اعتماد ہوتا تھا اور مفتوح ممالک کے نومسلموں کو بھی انہی کی وضع قطع میں رکھ کر یہ ڈیوٹی سپرد کی جاتی تھی۔ ان کے علاوہ رعایا کا ہر فرد افسر کی نگرانی کرتا اور معاملات کی تحقیق کے بعد خلافت کو اس کی اطلاع پہنچاتا تھا۔

بڑے سے بڑا عہدیدار بھی ظلم و تشدد و رشوت ستانی وغیرہ کا مرتکب ہوتا یا اور کسی قانون کی خلاف ورزی کا مجرم ہوتا تو فوراً اس کے خلاف قانونی کارروائی کی جاتی تھی اگرچہ اس کا ظلم معمولی درجہ کا ہی کیوں نہ ہوتا۔

حضرت عمرؓ کے دربار میں ایک شخص نے ایک حاکم کی شکایت کی کہ اس نے مجھے سو کوڑے مارے ہیں، آپ نے صورتِ حال کی تحقیق کے بعد اس سے فرمایا کہ اگر تو بدلہ لینا چاہتا ہے تو اٹھ اور اس کو سو کوڑے مار۔

شکایت کے الفاظ یہ ہیں:۔

Marfat.com

یا امیر المومنین عاملك ضربنی مائة سوط ؎۱ — اے امیر المومنین آپ کے عامل نے مجھے سو کوڑے مارے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے کہا :-

قم فاستقد منه ؎۱ — اٹھ اور اس سے بدلہ لے لے۔

ایک اور موقع پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر کسی نے رعایا پر ظلم کیا تو ظالم کو زمین پر لٹا کر اس کے چہرہ پر اپنا پاؤں رکھونگا اور اس سے حق کا اقرار کراؤنگا۔

حضرت عمرؓ کا دستور تھا کہ جب کوئی افسر اعلیٰ مقرر کرتے تو اس کے پاس جس قدر مال و اسباب ہوتا اس کی مفصل فہرست تیار کرا کے دفتر میں محفوظ رکھتے تھے اگر معمولی حالت میں غیر معمولی ترقی ہوتی تو اس سے مواخذہ کرتے تھے۔

کان عمر بن الخطاب یکتب اموال عماله اذ ولاهم ؎۲ — عمر بن خطاب جب کسی کو حاکم اعلیٰ بناتے تو اس کے اموال کی فہرست تیار کراتے تھے۔

حاکم اعلیٰ کے لیے زمانۂ خلافت میں درج ذیل خصوصی قانون مقرر تھے۔

(۱) ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہو (۲) باریک کپڑا نہ پہنے (۳) میدہ کی روٹی نہ کھائے (۴) دربان نہ رکھے (۵) لوگوں کی حاجتوں سے اپنا دروازہ نہ بند کرے (۶) بیماروں کی بیمار پرسی کے لیے جایا کرے۔

ان قوانین پر اتنی سختی کے ساتھ عمل درآمد تھا کہ اگر کسی حاکم کی اس کے خلاف رپورٹ پہنچتی کہ وہ مثلاً بیماروں کی بیمار پرسی کے لیے نہیں جاتا ہے۔ کمزور و ضعیف اس کے پاس نہیں آتے ہیں تو ایسا افسر عہدہ سے برطرف ہی نہ کیا جاتا تھا بلکہ اس کے خلاف قانونی کارروائی بھی ہوتی تھی۔ چنانچہ ایک شخص نے مصر کے حاکم اعلیٰ عیاض بن غنم کی شکایت کی کہ اے عمر کیا حاکموں سے صرف حلف لے لینے سے آپ کو اللہ کی بازپرس سے

؎۱ الخراج ص ۱۱۶ ؎۲ فتوح البلدان

Marfat.com

نجات ملجائے گی کیا آپ کو خبر نہیں ہے کہ عیاض بن غنم باریک کپڑا پہنتا ہے اور اس کے دروازہ پر دربان مقرر ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر محمد بن مسلمہ (یہ سفیر تھے) کو عیاض کے پاس فوراً بھیجا اور یہ کہا کہ جس حالت میں ہو اس کو مہلت دیے بغیر میرے پاس لے آؤ۔

چنانچہ جب محمد بن مسلمہ وہاں پہنچے تو وہ باریک کپڑے میں ملبوس تھے۔ انہوں نے کپڑے اتارنے کی بھی مہلت نہ دی اور جس حالت میں عیاض بن غنم تھے اسی حالت میں عمرؓ کے پاس لا حاضر کیا۔

حضرت عمرؓ نے دیکھنے کے بعد فرمایا کہ عیاض کی قمیص اتار کر کملی کا جبہ پہنا دو اور بکریوں کا جھنڈ اور عصا اس کے ہاتھ میں دے کر جنگل کی طرف روانہ کر دو، یہ وہاں بکریاں چرائے اور راستہ سے جو گزرے اس کو پانی پلائے[1]

ظاہر نظر میں حضرت عمرؓ کا یہ رویہ سخت معلوم ہوتا ہے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حکومت کے افسر جب تک نیک اور دیانت دار نہ ہوں کسی قسم کی اصلاح و ترقی نہیں ہوسکتی ہے۔

عموماً عیش و عشرت کی طرف رجحان پیدا ہونے ہی سے ظلم اور بے ایمانی کا دروازہ کھلتا ہے، خلافت اپنے افسروں کے معاملہ میں اسی لیے سخت ہوتی ہے تاکہ ان میں عیش کی طرف رجحان نہ پیدا ہونے پائے اور اجتماعی مفاد پر ذاتی مفاد کو قربان کر دینے میں دوسروں کے لیے وہ زندہ نمونہ ثابت ہوں۔

آج عہدوں کی محض اس لیے خواہش کی جاتی ہے کہ عہدیدار کو آزاد ہو کر حرص و ہوس کی آگ بجھانے کا دل کھول کر موقع ملتا ہے لیکن حکومتِ الٰہی کا عہدیدار بہت بڑا ذمہ دار ہوتا ہے۔ حد سے زیادہ پابند اور دوسروں سے زیادہ قانون کی گرفت میں رہتا ہے

---

[1] پوری بحث کے حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو الخراج ص ۱۱۶ و ۱۱۷ و ۱۱۴ و ۱۱۱۔
نیز کتاب الخطط للمقریزی ج ۱ ص ۱۲۰

Marfat.com

ہر شخص اس کا جاسوس اور ہر انسان کی اس پر نگرانی ہوتی ہے، خفیہ پولیس اس کے پیچھے لگی رہتی ہے۔ صوبہ کا گورنر ہر ایک کی جانچ پڑتال کرتا رہتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ اللہ کی حاکمیت اور جلال وجبروت کے سامنے جوابدہی کا تصور اسے گوشۂ تنہائی میں بھی گناہ کے خیال سے باز رکھتا ہے۔

خلاصۂ بحث

(۱) معاشیات میں مسئلۂ زراعت کو مرکزیت حاصل ہے اور قرآن مجید کے بیانات کا ایک بڑا حصہ جو قدرت کی نشانیوں میں غور وخوض سے متعلق ہے اس میں زیادہ تر زراعت اور باغبانی ہی کا نظام پیش کیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زراعت و باغبانی میں دنیوی فائدہ کے ساتھ ساتھ اخروی فائدہ بھی بتایا ہے جس کے ذریعہ آپ نے درخت لگاؤ اور پیداوار بڑھاؤ اسکیم کی طرف توجہ دلائی ہے۔

(۲) مزارعت (مشترک طور سے کھیتی کرنا) زمانۂ خلافت میں اس کی دو صورتیں رائج تھیں (ا) پہلی صورت خلافت کی جانب سے ہوتی تھی جس میں اجتماعی اشتراک کی ابتدائی جھلک نظر آتی ہے اور (ب) دوسری صورت امداد باہمی کی تھی جس میں صاحب زمین کاشتکار کو شریک کی حیثیت سے کاشت کے لیے زمین دیتا تھا۔

ان دونوں صورتوں میں کوئی صورت ایسی نہ تھی جس میں کاشتکاروں کی محنت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا سوال پیدا ہو یا ان دونوں میں سے کسی کی حق تلفی ہوئی ہو۔ رسول اللہ نے ایسی تمام صورتوں سے منع کر دیا تھا جن میں کسی کی حق تلفی ہوتی یا کاشتکار کی محنت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوئی شکل پائی جاتی۔

زمانۂ خلافت میں دوسروں سے کاشت کرانے والے وہی لوگ ہوتے تھے جن کے

Marfat.com

ذمہ مفادِ عامّہ کی کوئی خدمت سپرد ہوتی یا کسی خاص وجہ سے وہ خود کاشت کرنے سے مجبور ہوتے تھے۔ ایسی صورت میں بھی کسی اور کو کاشت کے لیے مفت زمین دے دینا بہتر سمجھا جاتا تھا البتہ اگر صاحبِ زمین کے پاس اس کی ضرورت رفع کرنے کے لیے اور کوئی ذریعہ آمدنی نہ ہوتا یا زمین بے کاشت پڑی رہنے کا اندیشہ ہوتا تو اس کو کرایہ یا بٹائی پر دینے کی اجازت تھی۔

جس طرح دو معاملہ دار کسی کام میں شریک ہوتے ہیں ایسے ہی صاحبِ زمین اور کاشتکار شریک ہوتے تھے ان میں سے کسی کو کسی حیثیت سے تفوق اور برتری حاصل نہیں ہوتی تھی۔

(۳) آبپاشی: اسلام سے پہلے بعض لوگ اپنے اقتدار اور طاقت کے بل پر پانی جیسی عام رحمت پر قبضہ جما لیتے تھے اور عوام کو مستفید ہونے سے محروم کر دیتے تھے۔ اسلام نے پانی اور اسی طرح کی تمام قدرتی چیزوں میں سب کو برابر کا شریک قرار دیا اور اس سلسلہ کی جتنی رکاوٹیں تھیں ان سب کو بیک قلم دور کر دیا۔ چنانچہ زمانۂ خلافت میں نہ تو پانی کی خرید و فروخت جائز تھی اور نہ کسی کو روکنا درست تھا اور نہ آبپاشی وغیرہ کا ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا۔ زمانۂ خلافت میں بالعموم جن پانیوں سے آبپاشی کی جاتی تھی ان کی تین قسمیں تھیں

ا۔ قدرتی دریا اور قدرتی طور پر نکلے ہوئے چشمے وغیرہ

ب۔ خلافت کی جانب سے نکالی ہوئی نہریں اور چشمے وغیرہ

ج۔ پبلک میں سے کسی جماعت یا کسی فرد کی جانب سے نکالی ہوئی نہریں اور چشمے وغیرہ

پہلی دونوں صورتوں میں بلا تخصیص و ترجیح سب کے حقوق برابر ہوتے تھے، کسی کو کسی پر فوقیت اور ترجیح نہیں ہوتی تھی اور نہ کسی کو کوئی ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا، خلافت ضرورت و مصلحت کے مطابق اس طرح پانی کو تقسیم کرتی تھی کہ نہ تو کوئی محروم رہنے پائے اور نہ کسی کو حقِ ترجیح حاصل ہو۔ رہ گئی تیسری قسم تو اس میں ان لوگوں کو حقِ ترجیح حاصل ہوتا جو کھود کر نکالتے تھے اور جن کی رقم صرف ہوتی تھی، البتہ ان کی ضرورت پوری ہو جانے کے بعد

Marfat.com

اس پانی پر ان کا کوئی حق نہیں رہتا تھا ضرورت سے زائد پانی کو نہ تو بیچنا درست تھا اور نہ کسی کو اس سے محروم کرنا اور روکنا۔ بلکہ اس کا حکم پہلی ہی دونوں صورتوں جیسا ہو جاتا تھا چشمہ، نہر، کنواں، باؤلی، تالاب، گول، نالے وغیرہ سب کا یہی حکم تھا۔

(۴) اسلام سے پہلے ٹیکس کے قانون، مقدار اور تحصیل وصول وغیرہ میں ہر طرح کے مظالم کیے جاتے تھے۔ اسلام نے اس سلسلہ کے مظالم کی تمام صورتوں کو ختم کر کے بنیادی حیثیت سے دو باتیں پیش نظر رکھی ہیں (ا) کاشتکاروں کے لیے آسانیاں اور (ب) پیداوار میں اضافہ کر کے عام خوشحالی کی فضا پیدا کرنا۔

زمانۂ خلافت میں دو قسم کے زراعتی ٹیکس تھے (ا) مقررہ لگان اور فصل کا حصّہ، یہ دونوں ٹیکس قرآن کریم کے دو بنیادی اصول، عدل اور احسان کے تحت مقرر کیے گئے تھے۔ غیر مسلموں سے اور بعض صورتوں میں مسلمانوں سے بھی مقررہ لگان لیا جاتا تھا، جو "فصل کے حصّہ" کے مقابلہ میں اکثر کم ہوتا اور مقررہ ہونے کی وجہ سے کسی قسم کے ظلم اور زیادتی کا اس میں امکان نہ رہتا تھا۔

مسلم چونکہ انسانی خدمت کے لیے اپنی ہر چیز قربان کرنے کا عہد کرتا ہے اس لیے اس سے "عُشر" کی صورت میں ہر فصل پر ایک مقررہ حصّہ وصول کیا جاتا جو محنت اور اخراجات کی کمی بیشی سے بدلتا رہتا اور سال میں کئی فصلیں ہونے کی صورت میں اکثر زیادہ ہو جاتا تھا۔ زمانۂ خلافت میں اس ٹیکس کی دو مقداریں مقرر تھیں (ا) دسواں حصّہ اور (ب) بیسواں حصّہ۔

عراق، شام، مصر اور تمام ممالکِ مفتوحہ کے قوانین اور مقدار وغیرہ میں اسلام نے جو کچھ تبدیلیاں کی تھیں اور جن اصول و قوانین کے ماتحت تحصیل وصول کے کام کو جاری رکھا تھا ان سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ ٹیکس کے بارے میں اسلام کا زاویۂ نگاہ کیا ہے اور وہ کس قسم کا سماج پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اسی مقصد کے پیش نظر مذکورہ ممالک

Marfat.com

میں اسلام سے پہلے اور بعد کے حالات کا تقابلی مطالعہ کرایا گیا ہے۔

(۵) زمانۂ خلافت میں کاشتکاروں کو ہر قسم کی سہولت دی جاتی تھی۔ جب وہ کام کرنے کے قابل ہوتے تو خلافت کی ذمہ داری تھی کہ ہر ممکن طریقے سے ان کے معاشی توازن کو برقرار رکھے اور اگر وہ کام کرنے کے قابل نہ رہتے تو سرکاری خزانہ ان کی کفالت کرتا تھا، اسی طرح تحصیل وصول وغیرہ میں کسی قسم کی سختی نہیں کی جاتی، مقررہ لگان کے علاوہ اور کوئی چیز طلب نہیں کی جاتی غرض اسلام ان کے لیے ہر طرح سے امن و رحمت کا پیام ثابت ہوا تھا۔

(۶) افسران کے انتخاب کے بارے میں اسلامی قوانین اس بنا پر سخت ہیں کہ ظلم اور بے ایمانی کا دروازہ عیش و عشرت کی طرف رجحان پیدا ہونے سے کھلتا ہے جب تک افسروں میں اجتماعی مفاد پر ذاتی مفاد کو قربان کر دینے کا جذبہ نہ پیدا ہوگا نہ کوئی قانون مفید ہو سکتا ہے اور نہ کوئی اصلاحی قدم آگے بڑھ سکتا ہے ـــــ اسی حقیقت کے پیش نظر زمانۂ خلافت میں افسروں کی کڑی نگرانی کی جاتی اور ثبوتِ جرم کے بعد انہیں سخت سزا دی جاتی تھی تاکہ ان کی اخلاقی زندگی دوسروں کے لیے نمونۂ عمل ثابت ہو۔

اسلامی انقلاب کی چند دفعات

(۱) اسلام ایک نظامِ حیات ہے جس کی بنیاد "اللہ" کا اقتدارِ اعلیٰ ماننے پر ہے۔

(۲) اسلامی نظریہ کے مطابق کائنات کی ہر شے کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے اور انسان اس کا نائب ہے اس لیے ساری چیزیں بطور "امانت" اس کو استعمال کے لیے دی گئی ہیں اور اسی وقت تک انہیں استعمال کرنے کا حق ہے جب تک مفادِ خلق میں خلل نہ پڑے اور کسی کی حق تلفی کا باعث نہ بنے۔

(۳) مملکت کی ہر تنظیم و تقسیم میں بنیادی حیثیت سے "ربوبیت" کا نظریہ کارفرما ہونا

Marfat.com

چاہیئے ۔یعنی اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق کو رزق پہنچانے کا ذمہ دار ہے۔اسی لیے اس نے دنیا میں ہمہ قسم کا سامانِ رزق پھیلا رکھا ہے اور قانون و اصول کے ذریعہ یہ حقیقت واضح کردی ہے کہ مملکت کی ہر دولت میں تمام انسانوں کے "حقوق" مساوی ہیں۔اب حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ دولت کی اس طرح تنظیم و تقسیم کرے کہ تمام اہلِ ملک اور ان کی آنے والی نسلیں اس سے فائدہ اٹھا سکیں نہ کسی کو محروم رکھا جائے اور نہ کوئی بے کار و بے روزگار رہے ایسا نہ ہو کہ اس دولت پر سرمایہ داروں، زمینداروں اور جاگیرداروں کا قبضہ ہو جائے اور ملک کا ایک بڑا طبقہ طبقاتی کشمکش کا شکار ہو کر دربدر کی ٹھوکریں کھاتا پھرے۔

(۴) ذرائع پیداوار کی تنظیم و تقسیم ایک مقصد کے پیش نظر ہونی چاہیے اور وہ مقصد یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق کو رزقِ حلال میسر ہو اور اس کی بنیادی ضروریات پوری ہوں۔

افراد میں ذرائع پیداوار تقسیم کرنے سے یہ مقصد پورا ہوتا ہے تو خلافت کو اختیار ہے کہ انہی افراد میں ذرائع پیداوار تقسیم کردے اور اجتماعی طور سے ذرائع پیداوار کو استعمال کرانے میں کامیابی کی توقع ہو تو اس کے لیے بھی کوئی روک نہیں ہے۔

(۵) پیداوار کی تقسیم میں دو اصول ملحوظ رہنے چاہئیں (۱) عدل اور (۲) حسنِ عمل کی جسزاء۔

(۶) چراگاہ اور جنگلات اور نمک کی جھیل وغیرہ جیسی قدرتی چیزیں جن کو مفید اور کارآمد بنانے میں ضروری محنت اور اخراجات کے علاوہ زائد محنت اور اخراجات کی ضرورت نہیں پڑتی، اس میں تمام لوگ برابر کے شریک ہیں اور خلافت کو حاجت و مصلحت کے مطابق ان کے منافع لوگوں میں تقسیم کرنے چاہئیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفاء نے زمانۂ خلافت میں انہی نظریات پر زمین کی تنظیم و تقسیم کا انتظام کیا تھا۔حالات اور مقامات کے لحاظ سے جہاں جس قسم کی تنظیم کی

Marfat.com

ضرورت ہوتی اختیار کی جاتی تھی۔

اس زمانہ میں حقِ ملکیت کی حیثیت حقِ استعمال اور حقِ انتفاع سے زیادہ نہ تھی اور مفادِ عامہ کی خلاف ورزی کی صورت میں انفرادی حق پائمال کیے بغیر خلافت کو ہر قسم کے تصرف کا اختیار حاصل تھا اس میں نہ حقوقِ ملکیت کا "گورکھ دھندا" حائل ہوتا تھا اور نہ اور کچھ۔

آج اس قسم کا انقلاب برپا کرنے کے لیے بُنیادی حیثیت سے چند چیزیں ضروری ہیں

(۱) سوسائٹی کی اصلاح اور درستی۔ کیونکہ افراد کی اصلاح اور ان کی ذہنیت میں تبدیلی کے بغیر کوئی صالح نظام کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔

(۲) حالات کا نہایت گہری نظر سے جائزہ لینا۔ یہ دیکھنا کہ اس وقت اصلاح کی ضرورت ہے یا انقلاب کی۔ اور یہ معلوم کرنا کہ وقت کی اہم اور بُنیادی ضرورت کیا ہے کہ جس کی طرف لوگوں کی پوری توجہ صرف ہو رہی ہے اور جس کی خاطر وہ اپنے مذہب اور ضمیر کی پروا کیے بغیر مخالف سمت کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہیں۔

(۳) دنیا کے دوسرے نظاموں کا مطالعہ کر کے یہ معلوم کرنا کہ انہوں نے کون کون سی چیزیں اسلام سے لی ہیں اور کس حیثیت سے لی ہیں اور کس چیز کی کمی کی وجہ سے ان کا وہ اثر نہیں مرتب ہو رہا ہے جو ہونا چاہیے تھا۔

نیز یہ بات کہ کونسی چیزیں اسلام میں اصول و نصب العین کی حیثیت سے آئی ہیں اور دوسرے نظاموں میں ضمنی و عارضی طور پر یا اسلام میں ضمنی و عارضی طور پر ہیں اور دوسرے نظاموں میں اصول اور نصب العین کی حیثیت سے۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ آج دنیا کا کوئی نظام اور کوئی سماج ایسا نہیں جو اسلام سے بلاواسطہ یا بواسطہ متاثر نہ ہوا ہو۔

(۴) انفرادی و اجتماعی مفاد کی سرحدیں کہاں تک ہیں؟ اور اجتماعی مفاد کی خاطر انفرادی مفاد کو کس حد تک قربان کیا جا سکتا ہے اور کس حد تک باقی رکھا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

جب ملک طبقاتی کشمکش میں مبتلا ہو۔ ایک طبقہ بھوکوں مر رہا ہو اور دوسرے طبقہ کے لیے عیش و عشرت کا مکمل سامان موجود ہو تو وقت کا تقاضہ سب لوگوں کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنا ہے یا کچھ اور؟

(۵) ملک میں جب اتنا سرمایہ موجود ہو کہ اس کی تنظیم و تقسیم کے ردوبدل کرنے کے ساتھ لوگوں کی ضروریات پوری ہوسکتی ہیں تو اس مقصد تک پہنچنے کے لیے تنظیم و تقسیم کی کونسی شکل مناسب ہے؟ اس سلسلہ میں قانون کا استعمال کہاں تک روا ہے اور اخلاقی ہدایت کے ذریعہ ذہنیت کی تبدیلی سے کس قدر کام چل سکتا ہے۔

(۶) حکومت کے حقوق و فرائض کیا ہیں اور رعایا کے حقوق و فرائض کیا ہیں؟

(۷) اسلام میں ملکیت کی کیا حیثیت ہے اور دوسرے نظاموں میں کیا ہے؟

جب تک ان تمام باتوں پر ذاتی و طبقاتی مفاد و اغراض سے الگ ہو کر سنجیدگی کے ساتھ غور نہ کیا جائیگا موجودہ دور میں نہ کوئی صالح نظام قائم ہوسکتا ہے اور نہ عوام کے حقوق عوام تک پہنچ سکتے ہیں اور نہ تمام باشندگانِ مملکت عدل و اعتدال پر قائم ہوسکتے ہیں جو اسلامی حکومت کا اولیں مقصد ہے۔

محمد تقی امینی
(کان اللہ لہ)

Marfat.com

حقوق طبع محفوظ ہیں

Marfat.com

حقوق طبع محفوظ ہیں

Marfat.com